







Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark.



# شعاع

حصہ اول کتابت نمبر

ماہنامہ شعاع

37- اولیاد لکھنؤ

محمود رضا  
مصطفیٰ حسین  
محمود سکون  
میرزا غفر  
احمد رضا  
شاہین شاہ  
نور الدین  
نور الدین  
نور الدین  
نور الدین

MEMBER  
APNS  
CPNE



اکتوبر 2022  
کے شمارے کی ایک جھلک

خواتین ڈائجسٹ



”دانش پانی“ میرزا احمد کا کھل ناول، ”پتہ“ نرواح کا ناول،  
آسیر رئیس خان اور اسماعیل قاضی کے کھل ناول،  
”مکبہ نام“ میرزا احمد کا ناول،  
قرۃ العین سکندر کا ناول،  
قرۃ العین غلام علی اور مجاہد رحمان، سہجین سعید، سونیار بانی  
ایم ڈی اور مصطفیٰ زہرا کے ناول،  
آپ کی پسندیدہ مصنفہ ”نایاب جیلانی“ سے ملاقات،  
ہاتھی شاہ نادر سے  
”کرن کرن روشنی“ امداد بی بی کے ناول کا سلسلہ،  
نفسیاتی ازدواجی دلچسپی اور عدوان کے شعور،  
ہمارے نام، اور دیگر کہانیوں کے لیے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا اکتوبر 2022 کا شمارہ آج ہی خرید لیں









شعاع اکوبر کا شمار آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ سیلاب سے پیدا ہونے والی صورت حال کے باعث پچھلا شمارہ آپ تک بہت تاخیر سے پہنچا۔ ہماری بہت سی بیہوشیوں کو بچے کے حصول میں دشواری ہوئی۔ جن بیہوشیوں کو پرچائیں ملاوہ، پرپے میں دے دے والی ایپ نمبر پر بھیج کر کے یا فون کر کے کرینے پر چا حاصل کر سکتی ہیں۔

سیلاب نے تاجی کی جو داستانیں رقم کی ہیں۔ ان کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اپنے گھر کی چھت تلے پر سکون زندگی گزارنے والے لاکھوں افراد اپنے گھر کے انشورنس سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس نہ سر چھپانے کا ٹھکانا ہے نہ کپڑے اور نہ ہی خوراک کا مناسب انتظام ہے۔ بہت سی بیہوشیوں پر تو ابھی اندازہ ہی نہیں پائی۔

سیلاب زدگان کی امداد کے لیے جو جوش و خروش اور جذبہ نظر آیا تھا۔ وہ بھی اب ماند پڑنا نظر آرہا ہے۔ میڈیا کو عوامی مسائل سے تو ابھی دل نہیں رہی، یہ نہیں یہ قومی الیہ بھی میڈیا کی توجہ نہ حاصل کر سکا۔

ویرانہ مگر پاکستان نے جنرل اسبلی کے اجلاس میں عالمی برادری کی توجہ اس طرف دلائی۔ انہوں نے کہا کہ ماحولیاتی تبدیلی کی وجہ سے سیلاب آج ایک ماحولیاتی تبدیلی میں پاکستان کا ایک فیصد حصہ بھی نہیں، اس کی ذمہ داری ترقی یافتہ ممالک پر عائد ہونی ہے۔ اس لیے ان کو ہمارے نقصان کا ازالہ کرنا چاہیے، معروف اداکارہ انجیلنا جولی بھی سیلاب زدہ علاقوں کے دورے کر رہی ہیں۔ اس کے باوجود ابھی تک کوئی خاطر خواہ امداد نہیں آئی پائی ہے۔ اس مسئلہ کا حل ہمیں خود ہی تلاش کرنا ہوگا۔

### آہ عابد صاحب

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے ایک ذمہ دار کارکن ہمارے دیرینہ ساتھی محترم عابد صاحب جن کی وادغ مفارقت دے گئے۔ ان شاء اللہ وانا الیہ راجعون

عابد صاحب نے چار عشروں سے زیادہ وقت اس ادارے میں گزارا۔ ان جیسے قلع، سادہ لوگ کم ہی ہوں گے کہ اتنی طویل مدت میں کسی کی کوان سے کوئی شکایت نہ ہوئی حتیٰ کہ کسی سے معمولی سی تکرار بھی نہ ہوئی۔

عابد صاحب کا کام بہت ذمہ داری کا تھا۔ ذرا سی چوک، معمولی سی لاپرواہی، بھولنی سی بھول بڑے نقصان کا باعث بن سکتی تھی لیکن انہوں نے بڑی ذمہ داری سے ہر اس کام کو انجام دیا جو ان کے ذمے تھا۔

ایک نیا دل، انہیں سب کو دنیا سے رخصت ہو جانا ہے لیکن دنیا سے اس طرح رخصت ہونا کہ ہر دل آپ سے راضی ہو، یہ کوئی شکایت نہ ہو، یہ کسی کو تکلف نہ دی ہو۔ بہت بڑی بات ہے۔ عابد صاحب انہیں ہی بے ضرر شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتوں اور شفقتوں سے نوازے۔ آمین۔

### اس شمارے میں

- ☆ فرزانہ کمرل کا مکمل ناول..... ہم اور بلبلین
- ☆ شازبہ جمال طارق کا ناول..... تیرے اقرار کا موسم
- ☆ امت اعجاز شہزاد کا ناول..... داحصر
- ☆ باجرہ رحمان، شازبہ الطاف ہاشمی، حسین گل، جمیرا شفیق، زارا امجد اور فرہانہ خیر شاہی کے افسانے
- ☆ معروف اداکارہ فیصلہ قیصر سے ملاقات..... معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ دستک
- ☆ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستعمل سلسلے شامل ہیں



مجھے سُرور ملا ہے، تیریں ثنا کر کے  
سے اقریب ہی پایا تجھے دعا کر کے  
تیرے اُصول میں کیاں یہاں سبھی کے  
نجات پائی تھی یونسؑ نے التجا کر کے  
یہ کنوئیں، شگوفے، یہ پھول برگ و شجر  
شگفتہ رہتے ہیں ہر دم تیری ثنا کر کے

خدا تو، تو نہیں ہے کون و مکاں کا مالک  
میں شکر کہتا ہوں، بس تیرا آسرا کر کے  
یہ پھول حمد و ثنا کے کھلے رہیں سہراب  
خدا قبول کرے، اپنا واسطہ کر کے

آغا سہراب جنگ



ملا مقام کہاں سے کہاں مدینے میں  
کہ جسم و جاں نے پائی لہاں مدینے میں  
گوں رہی ہے مضار و دوسلام سے  
ذرے ذرے نے پائی زباں مدینے میں  
گھٹائیں رحمت حق کی ہیں چار سو پھیلی  
بہار بن گئی اگر خنجران مدینے میں

مبارک اہل مدینہ کیا خوش نصیبی ہے  
ہیں محو خواب شہرہ و جہاں مدینے میں  
نگاہ لطف کا مستان فقیر تیرا  
ملے اُسے بھی اک آشیاں مدینے میں

محمد ذہیب





### دوسروں کو حقیر جاننا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی کبر ہوگا۔“

انہی آدمی نے عرض کیا: ایک آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، اس کی جوتی اچھی ہو (کیا یہ بھی کبر ہے؟)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے، خوب صورتی کو پسند فرماتا ہے۔ کبر، حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔“

(مسلم)

### کسی کو جہنمی کہنا

حضرت جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: کون ہے جو مجھ پر اس بات کی قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں شخص کو نہیں بخشوں گا۔ بے شک میں نے اس کو بخش دیا، اور تیرے عمل میں نے برباد کر دیے۔“ (مسلم)

فائدہ: بعض لوگوں کو اپنی عبادت اور زہد و تقویٰ پر سمجھ ہو جاتا ہے جو انہیں دوسروں کی بابت بدگمانی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ بڑے یقین سے اس بات کا اظہار کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص کو تو اللہ نے بھی معاف نہیں کرنا۔

حالانکہ یہ اللہ کی شان میں بے ادبی کا مظاہرہ اور اپنی بابت حد سے زیادہ خوش گمانی کا نتیجہ ہے۔ یہ رویہ اللہ کو پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اس عابد و زاہد و متقی کے سارے عمل برباد کر کے اسے جہنم میں پھینک دے اور اس گناہ گار کو معاف کر کے جنت میں بھیج دے جس کی بابت یہ قسم کھا کر کہتا تھا کہ اسے اللہ معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے انسان کو اپنی عبادت پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے اور دوسروں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

### مسلمان کی تکلیف پر خوشی کا اظہار کرنے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”مومن تو بھائی بھائی ہیں۔“ (الحجرات 10)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بے شک وہ لوگ جو اہل ایمان کے اندر بے حیائی کے پھیلانے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“ (النور 19)

### نسب میں طعن کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر قصور کے تکلیف دیتے ہیں، یقیناً انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔“ (الاحزاب 58)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”دو چیزیں لوگوں میں ایسی ہیں جو ان کے دل پر باعث ہیں: نسب میں طعن کرنا اور فوت شدہ پر تین گناہ۔“ (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ یہ دونوں گناہ ایسے ہیں کہ اگر انسان انہیں حلال سمجھ کر ان کا ارتکاب کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا، تاہم بشری کمزوری کی وجہ سے ان کا صدور سخت کبیرہ گناہ ہے۔

2۔ نسب میں طعن زنی کا مطلب ہے کہ کسی شخص کو اس کی حقیر توہین کی نیت سے کہا جائے کہ تیرا باپ تو فلاں کام کرتا ہے، تیری ماں تو ایسی دہیسی ہے یا تو جولاہا، لوہا، جونی اور مچھی وغیرہ ہے۔ پیشوا کی وجہ سے بھی کسی خاندان یا شخص کو حقیر سمجھنا طعن فی النسب ہی کی ایک صورت ہے۔

3۔ نوحہ و ماتم (بین کرنے) کا مطلب: مردے کے اوصاف بیان کر کے رونا، پیٹنا اور زور زور سے چیخنا اور داد دینا کرنا ہے۔

### جعل سازی اور دھوکا دہی کی ممانعت

#### مسلمان پر ہتھیار اٹھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے، وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں ہے۔“ (مسلم)

دے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (مسلم)

#### دھوکا دہی

اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلے کے ایک ڈھیر پر سے گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو آپ کی انگلیوں نے تری محسوس کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”اے غلے والے! یہ کیا ہے؟“

اس نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! اسے بارش پگھلی ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تو تو نے اس (بھیکے ہوئے حصے) کو غلے کے اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ اٹھنے نہ دیکھ سکیں۔ (یاد رکھ) جس نے ہم سے دھوکا کیا، وہ ہم میں سے نہیں۔“

فوائد و مسائل:

1۔ ہتھیار اٹھانے سے مراد مسلمانوں کی جماعت کے خلاف خروج و بغاوت کرنا، یا بغیر کسی وجہ کے کسی مسلمان پر تلوار، بندوق، یا زور اور کلاشکوف وغیرہ اٹھانا اور اسے مار دینا ہے۔ جیسے آج کل بدعتی سے یہ دہشت گردی عام ہے۔

2۔ جعل سازی اور دھوکا دہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک معنوی ہے، جیسے باطل پر حق کا غلاف چڑھا دینا اور دوسری مادی اور ظاہری ہیں، جیسے سودے میں کوئی عیب ہو تو اسے ظاہر نہ کرنا، اچھے مال میں زدی اور گھٹیا مال کی آمیزش کر دینا، سودے میں کسی اور چیز کی ملاوٹ کر دینا تاکہ اس کا وزن زیادہ ہو جائے۔ اس طرح کی اور متعدد صورتیں۔

3۔ ہم میں سے نہیں کا مطلب ہے، مسلمانوں کے طریقے پر نہیں۔ اس کا یہ کردار مومنانہ نہیں، غیر مومنانہ ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو ہر قسم کی دھوکا دہی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

#### قیمت بڑھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خریداری کی نیت کے بغیر بولی میں اضافہ مت کرو۔“ (بخاری و مسلم)

فائدہ: انسان کی نیت خریدنے کی نہ ہو، پھر بھی قیمت بڑھا کر بولی لگائے تو ظاہر بات ہے کہ اس سے دوسرا خریدار دھوکا کھا جائے گا اور اسے اصل قیمت سے کہیں زیادہ قیمت پر وہ چیز خریدی پڑے گی۔ گویا یہ بھی دھوکا دہی کی ایک صورت ہے۔



## ذمہ داری

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ وہ خرید و فروخت میں دھوکا کھا جاتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس سے تو سودا کرے تو یہ کہہ دیا کر کہ دھوکا نہیں ہوتا چاہیے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ: مذکورہ الفاظ کہنے سے مقصد ثبوت خیانت کا متحقق ہے، یعنی اگر سودے میں کوئی دھوکا اور فریب ہوا تو خریدار کو سودا واپس کرنے کا حق ہوگا۔ بیچنے والوں کو بھی اس حق کا احترام کرنا پڑے گا۔

## مالک کے خلاف کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کسی کی بیوی یا اس کے غلام کو دھوکا دے تو وہ ہم میں سے نہیں۔" (ابوداؤد)

فائدہ: کسی کی بیوی یا غلام کو دھوکا اور غلام اور مالک کے خلاف کر دینا اور ان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے سے متنفر کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ مومن کی شان تو اصلاح بین الناس ہے نہ کہ فساد بین الناس (لوگوں کے درمیان فساد اٹانے کا)

## بدعہدی کا حرام ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔" نیز فرمایا: "عہد کو پورا کرو، اس لیے کہ عہد کی بابت پوچھا جائے گا۔"

(الاسرا-34)

فائدہ آیات: ایک عہد تو وہ ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ اور ایک عہد وہ ہے جو اللہ نے انسانوں کے لیے لیا ہے کہ وہ اس کی توحید و ربوبیت کا اقرار کریں اور اس کے احکام و ہدایات کے مطابق

زندگی گزاریں۔ ان دونوں قسم کے عہدوں کی پاس داری ضروری ہے اور ان میں کوتاہی پر قیامت والے دن باز باز پرس ہوگی۔

## منافق

حضرت عبداللہ بن عمر و بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چار خصلتیں ہیں، جن میں وہ ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔"

- 1- جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔
  - 2- جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
  - 3- جب کوئی عہد کرے تو بے وفائی کرے۔
  - 4- اور جب کسی سے جھگڑے تو بدزبانی کرے۔" (بخاری و مسلم)
- فائدہ و مسائل:
- 1- یہ منافقانہ خصلتیں ہیں، ایک مومن کو ان تمام خصلتوں سے پاک ہونا چاہیے۔
  - 2- اخلاق فاضلہ کا ایمان سے گہرا تعلق ہے، جہاں ایمان ہوگا، وہاں حسن اخلاق کی بھی جلوہ گری ہوگی اور جہاں ایمان نہیں ہوگا۔ اخلاق کا بھی فقدان ہوگا۔

## عہد توڑنا

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت والے دن ہر عہد توڑنے والے کے لیے ایک جھنڈا ہوگا، کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی بدعہدی (کا نشان) ہے۔"

(بخاری و مسلم)

فائدہ: عہد سے مراد عہد توڑ دینا اور اس کی

پرواہ نہ کرنا ہے، قیامت والے دن تمام لوگوں کے سامنے ایسے عہد شکن کو ایک جھنڈا دیا جائے گا جو اس کی بدعہدی کا ایک نشان ہوگا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر عہد شکن کے لیے قیامت والے دن، اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا ہوگا۔ اسے اس کی بدعہدی کے تناسب سے بلند کیا جائے گا۔ سنو! عام لوگوں کے امیر و حاکم کے عہد کو توڑنے والے سے بڑا عہد شکن کوئی نہیں۔" (مسلم)

فائدہ و مسائل:

1- عامتہ المسلمین کے امیر سے مراد حاکم وقت (خلیفہ، بادشاہ اور حکمران) یا اس کا نائب ہے۔ اس کے عہد کو توڑنے سے مراد اس کے عہد اطاعت اور بیعت کا توڑنا اور اس کے خلاف خروج و بغاوت ہے۔ اسلام نے حکمرانوں پر تنقید کرنے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی اصلاح کرنے کی تو تاکید کی ہے اور اس کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے، لیکن ان کے فسق و فجور یا ان کے ظلم کی وجہ سے ان کے عہد اطاعت کو توڑ دینے اور ان کے خلاف خروج و بغاوت کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس طرح ملک میں فساد اور بد امنی پیدا ہوتی ہے جس سے حالات مزید خراب ہی ہوتے ہیں، اصلاح پھر نہیں ہوتی۔ خلفا و سلاطین کے خلاف خروج و بغاوت کی تاریخ کا جائزہ لینے سے بھی اس حکم کی افادیت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔

2- تاریخ میں خروج و بغاوت کے جتنے بھی واقعات ہیں، ان میں سے کسی سے بھی امت مسلمہ یا اسلام کو فائدہ نہیں ہوا بلکہ نقصان ہی ہوا ہے۔ اسی طرح آج کل کی جمہوریت میں بھی جس میں حکومت وقت کے خلاف مظاہرے جمہوریت کا ایک حصہ بلکہ اس کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ ایک بے ثمر عمل ہے جس سے نہ حکمرانوں کی اصلاح ہوتی ہے، نہ ملک و قوم کو کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے، البتہ توڑ پھوڑ سے

لوگوں کی املاک اور فوجی املاک کو نقصان پہنچتا ہے اور بعض دفعہ انسانی جانوں کا ضیاع بھی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ سیاسی مظاہرے بھی شرعاً۔ مذکور ہیں۔

3- اس حدیث میں حکمرانوں کے خلاف اس قسم کے اقدامات پر سخت وعید بیان کی گئی ہے، اس لیے ہمیں حکومت وقت اور حکمرانوں کی اصلاح کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے کوئی اور مناسب طریقہ کار درخ اور اختیار کرنا چاہیے جس میں محض تنقید برائے تنقید نہ ہو بلکہ صحیح معنوں میں خیر خواہی اور ملک و قوم کے مفادات کا جذبہ کا رہنا ہو۔ یہ احتجاجی جڑتائیں اور سیاسی مظاہرے شرعی لحاظ سے بھی غلط ہیں اور تجربات نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ ان سے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

4- عربوں میں رواج تھا کہ وہ بدعہدی کرنے والوں کے لیے بازاروں میں جھنڈے گاڑ دیا کرتے تھے تاکہ وہ بدنام اور ذلیل ہوں۔ اسی رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کی آخری سزا کا تذکرہ فرمایا تاکہ اس جرم اور اس کی سزا کی نوعیت لوگ سمجھ سکیں۔

## تمین آدمی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمین آدمی کے لیے قیامت والے دن میں خود جھگڑوں کا: ایک وہ آدمی جس نے میرے نام سے عہد کیا، پھر اسے توڑ دیا۔"

دوسرا وہ آدمی جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھالی۔ اور تیسرا وہ آدمی جس نے اجرت پر ایک مزدور حاصل کیا، چنانچہ اس سے اپنا کام تو پورا لیا لیکن اس کی اجرت نہیں دی۔"

(بخاری)

فائدہ: اس میں عہد کو پورا کرنے، آزاد شخص کو



فریخت نہ کرنے اور مزدور کو اس کی مزدوری دینے کی ترغیب ہے۔

## احسان جتانے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:  
”اے ایمان والو! احسان جتا کر اور تکلیف دے کر اپنے مددے ضائع مت کرو۔“ (البقرہ - 264)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:  
”وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف پہنچاتے ہیں۔ (ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ تو کچھ خوف ہے اور نہ وہ اداس ہوں گے۔“

(البقرہ - 262)  
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”تمن آدمیوں سے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا، نہ (رحمت کی نظر سے) انہیں دیکھے گا اور نہ پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔“

راوی بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔  
حضرت ابوذر نے عرض کیا: ”وہ نامراد ہوئے اور گھائے میں رہے اے اللہ کے رسول! یہ کیوں لوگ ہیں؟“

آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مٹھوں سے نیچے پڑا لٹکانے والا، احسان کر کے احسان جتانے والا اور اپنا سامان جھوٹی قسم کے ذریعے سے بیچنے والا۔“ (مسلم)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے۔ ”اپنی آزار کو نیچے لٹکانے والا۔“ یعنی اپنی شلوار، پاجامے اور پٹے کو بھر کی وجہ سے مٹھوں سے نیچے لٹکانے والا۔

فوائد و مسائل:

1۔ اس سے واضح ہے کہ شلوار، پاجامہ، پتلون مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے اس کے برعکس مٹھنے بلکہ پیر تک بھی ڈھکنے ضروری ہیں۔

2۔ مثل مشہور ہے۔ ”نیکی کر دیا میں ڈال“۔ یعنی کسی کو احسان کر کے پھر اسے ہرگز نہیں جتانا چاہیے کیونکہ اس سے نہ صرف وہ نیکی برباد ہوتی ہے بلکہ انسان عذاب شدید کا بھی مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس لیے کسی پر احسان کرنے سے زیادہ مشکل اس نیکی کی حفاظت کرنا ہے۔

3۔ جھوٹی قسم کھانا مطلقاً حرام ہے لیکن سودا بیچنے کے لیے گاہک کو دھوکا دینے کی نسب سے جھوٹی قسم کھانا تو اور زیادہ بڑا جرم ہے، کہ اس میں دو جرم اکٹھے ہو جاتے ہیں، جھوٹی قسم اور دھوکا دہی۔

## فخر کرنا اور ظلم و زیادتی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تم اپنی بابت پاکیزگی کا دعویٰ مت کرو، حق میں سے جو پرہیزگار ہیں ان کو وہ خوب جانتا ہے۔“ (انجم - 32)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بے شک ملامت کے لائق وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ (الشوری - 42)

## کسی کی تکلیف پر خوشی کا اظہار

حضرت واعظ بن ائوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”اپنے (مسلمان) بھائی کی تکلیف پر خوشی کا اظہار نہ کرو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ اللہ تعالیٰ اس پر توہم فرمادے اور تمہیں آزمائش میں ڈال دے۔“ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔)

☆☆

## جب تجھ سے نانا جوڑا ہے

ص۔ الف

”باہر نکل آؤ۔ عظمت! میں تم کو کچھ نہیں کہوں گا۔ ہا ہا ہا!“

س۔ شادی کے فیصلے میں آپ کی مرضی شامل تھی یا والدین کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟  
ج۔ ارے نہیں مرضی کسی۔ میں تو ان لڑکیوں میں سے بھی۔ جو خود اپنے حیروں پر کھڑے ہونے کے خواب دیکھتی ہیں۔ مجھے تو پتا بھی نہیں تھا کہ میرا رشتہ طے ہو گیا ہے۔ میرے بڑے سے چھوٹے بھائی نے میرا رشتہ خالہ کے بیٹے سے طے کر دیا۔

س۔ ذہن میں جیون ساھی کے خالے سے کوئی تصویر تھا۔ اور وہ کیا خوبیاں تھیں جو آپ اپنے جیون ساھی میں دیکھنا چاہتی تھیں؟

ج۔ جی ہاں ہر لڑکی کی طرح میں نے بھی جیون ساھی نعمان مسعود اور ہما یوں سعید سوچا تھا۔ (سوری میاں جی) لیکن اللہ کالا کہ شکر ہے اس نے جو میری قسمت میں لکھا، وہ بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ اپنے جیون ساھی کے بارے میں جو باتیں سوچی میں شکر ہے وہ تمام باتیں ان میں سر فرست تھیں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی ہلک نہیں کہ ارسلان میری زندگی میں نہ آتے تو مجھے کوئی بھی اتنی اچھی طرح نہ سمجھ پاتا۔

س۔ منگنی کتنا عرصہ رہی۔ شادی سے پہلے فون پر بات یا ملاقات ہوئی؟

ج۔ میری منگنی ایک سال رہی۔ اور فون پر بھی اکثر بات ہو جاتی تھی، میرے پاس موبائل نہیں تھا ماموں کے موبائل پر بات ہوتی تھی۔ ملاقات تو بہت دفعہ ہوئی یہ اکثر خالہ کو لے کر آتے تھے۔ امی کی طبیعت خراب رہتی تھی تاوان کا پتا کرنے کے لیے اسی بہانے آتے تھے اور میرے لیے کسی تہہ لے کر آتے تھے۔ سب سے چھپ کر مجھے دیتے تھے۔

س۔ شادی سے پہلے آپ کے سرال والوں

یوں تو قلم سے رشتہ بہت پرانا ہے، شادی سے پہلے شعر و شاعری اور اپنے تجربات و مشاہدات ڈائری میں لکھتی رہتی تھی اور شادی کے بعد بھی یہ سلسلہ سست روی سے سہی پر جاری ہے۔ مئی 2016 میں آپ جی جی پڑھ کر اپنی کہانی کہنے کو میرا بھی جی چاہا۔

س۔ شادی کب ہوئی؟

ج۔ میری شادی 26 مئی 2016 میں ہوئی۔

س۔ شادی سے پہلے کیا مشاغل اور دلچسپیاں تھیں؟

ج۔ شادی سے پہلے کچھ خاص دلچسپیاں نہ تھیں۔ اسکول جانا پھر واپس آ کر رسالے پڑھنا اور وہ بھی ماموں کے گھر جا کر کیونکہ میرے بھائی بہت سخت تھے، وہ رسالے نہیں پڑھنے دیتے تھے، وہ تو اسکول بھی نہیں پڑھنے دیتے تھے لیکن امی بھائی کو ڈانٹ کر کہیں کہیں جیون ساھی اسکول پڑھنا اے، مٹھوں کی اے۔“ (کیوں جی میری بیٹی نے اسکول پڑھنا ہے، تجھے کیا ہے؟) اور پھر بھائی چپ ہو جاتے تھے۔

ہمارے گھر ٹی وی بھی نہیں نہ موبائل رکھنے کی اجازت تھی۔ ایک دن ہم ماموں کے گھر ٹی وی دیکھنے گئے۔ ہم ابھی ٹی وی دیکھ رہے تھے کہ بھائی آ گئے۔ آپ جی جی سے پوچھ رہی تھیں۔ ”صبا وہ جوڑا تھا اس کا کیا ہوا، زندہ ہے کہ مر گیا ہے۔“

بھائی کہنے لگے کہ تم لوگ پہلے گھر آؤ پھر میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ وہ مر گیا ہے کہ زندہ ہے۔“  
بھائی کی آواز سننے ہی آپ جی جی کے نیچے جا گھسیں۔ اور آپ جی جی کو لگا کہ میں تو چھپ گئی ہوں لیکن آپ جی جی سے ناگھیں نظر آ رہی تھیں۔ بھائی نے کہا۔



بیوٹی بکس کا تیار کردہ

# سوئی سیرائل

SOONI HAIR OIL

- کرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- سے بال بڑھاتا ہے
- بالوں کو خشک اور چمڑے سے
- روان مروتوں اور بچوں کے
- بکس مفید
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے



قیمت: 150/- روپے

سوئی سیرائل 12 سال کی بچی کی بیماری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ بیماری تھوڑی سی دیکھ کر دوسرے شریک دستاویز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ دیکھ کر دوسرے شریک دستاویز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ دیکھ کر دوسرے شریک دستاویز نہیں کرنا چاہیے۔

- 2 بچوں کے لئے 400/- روپے
- 3 بچوں کے لئے 600/- روپے
- 6 بچوں کے لئے 1100/- روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ ہمارے شامل ہیں۔

منی آڈر بھجئے کے لئے ہمارا ہتہ:

بیوٹی بکس، 53- اورنگز باریک، سیکٹر فور ایم اے جناح روڈ، کراچی  
دستی خریدنے والے حضرات سوئی سیرائل ان جگہوں  
سے حاصل کریں  
بیوٹی بکس، 53- اورنگز باریک، سیکٹر فور ایم اے جناح روڈ، کراچی  
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37- اردو بازار، کراچی  
فون نمبر 32735021

پھر کچھ دن گزرے تو خالہ نے میرے میاں سے کہا کہ تیری بیوی کسی غیر بندے سے باہمی کر رہی ہے یہ دیکھ، پتا نہیں کس کس کے نمبر ہیں میرے موبائل میں۔

اسلامان نے کہا! ”ای مباحی نہیں ہے تو ایسا کیوں بول رہی ہے؟“

خالہ ناراض ہوئی۔ ہاں جی۔ آج کل کا زمانہ ہی ایسا ہے۔ ماں جھوٹی ہے اور تمہاری بیوی جچی۔ اور جی کہاں تک سنو گے کہاں تک سناؤں۔

س:- سرال میں کن باتوں پر تعریف اور کن باتوں پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟

ج:- سوال کے پہلے حصے نے تو مجھے سوچ میں ہی ڈال دیا۔ تعریف تو بہت کم ہوئی۔ زیادہ تنقید

ہوئی تھی ہر کام پر۔ اصل میں ام میکہ میں زیادہ مریچوں والے کھانے کھاتے تھے۔ اور ادھر خالہ لوگ

میں تو کہتی ہوں کہ مریچوں والا چھوٹا سا ڈبہ بھی تین مہینے تک جا کے ختم ہوتا ہے۔ میں جیسا بھی لکالوں،

ان کی نظر میں اچھا نہیں ہوتا۔ کبھی مریچ کم ہوتی تو جی کہتیں مریچیں زیادہ ہیں تو بھی چاول بڑے ہوئے

ہوتے۔ پھر یہی الفاظ سننے کو سننے کہ کچھ آتا جاتا نہیں۔ مندوں نے بھی تعریف تو تھیں لیکن ہاں ان کے کچھ میں میرے لیے محبت ہوئی۔

جی: بچوں کی پیدائش عورت کی زندگی میں بہت بڑا امتحان بن کر آتی ہے؟

ج:- جی جی۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ابھی اس نوبت سے نہیں نوازا

اور آپ سب بھی میرے لیے دعا کریں کہ اللہ مجھے بھی بیٹی یا بیٹا دے۔ آمین

س:- آپ جوائنٹ فیملی سسٹم سے اتفاق کرتی ہیں یا علیحدہ رہنا پسند کرتی ہیں؟

ج:- جوائنٹ فیملی سسٹم بھی برا نہیں ہوتا اگر ہو تو لیکن ہم فیملی ممبرز کل چار ہیں۔ ایک خالہ، میرے میاں اور میرا دیور اور میں۔ اور کچھ عرصہ پہلے ہی

میرے خالو اس دنیا میں نہیں رہے۔ اللہ ان کو جنت عابدہ شعلی 17 اکتوبر 2022

ہوئے سب نے کہا کہ دھی کی رخصتی ہے آ جا، پردہ کہتے تھے کہ میں نے اپنی ایک بیٹی اپنی بہن کو دینی ہے اور دوسری اپنے بھائی کو لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان دونوں میں سے ایک وی نہیں لینی۔

پھر امی نے کہا کہ اگر تمہارے بھائی یا بہن نہ رشتہ لیں تو میں گھر جا کر تو نہیں دے سکتی۔

بس یہ وجہ تھی۔ میرے ابو میری رخصتی کے وقت نہیں آئے تھے اور وہ تو اب بھی نہیں آتے۔ میرے ابو نہ میرے گھر آتے ہیں اور نہ ہی آپ کے سرال جاتے

ہیں، آپ سب بہنوں سے درخواست ہے کہ دعا کریں کہ میرے ابو ہم سے راضی ہو جائیں، پلیز دعا کرنا سب۔

س:- شادی کے بعد شوہر نے آپ کو دیکھ کر کیا کہا؟

ج:- ارے ارے کیا سوال پوچھ لیا آپ نے۔ سب سے پہلے کمرے میں آئے سلام کیا۔ پھر

آ کر بیڈ پر بیٹھ گئے۔ سادہ سی زبان سے سادہ سے تعریفی الفاظ کہے تھے۔ (بہت سوئی لگ رہی او)

س:- شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

شادی کے بعد تین چار دن ہی ہم شہر میں رہے۔ پھر ہم گاؤں چلے گئے۔ ادھر ہم ایک مہینہ

رہے پھر ہم اسلام آباد چلے گئے۔ ادھر میرے میاں گاڑی چلاتے تھے اور خالہ کو بھی میں کام کرتی تھی۔ اور

میرا چھوٹا سا دیور تھا، وہ اسکول جاتا تھا۔ اور میں گھر میں ایکی رہتی تھی۔ کوئی وی بھی نہیں تھا نہ موبائل

تھا۔ ایک دن میرے میاں مجھ سے کہنے لگے کہ جاب تمہیں موبائل چاہیے تو تم یہ میرا رکھ لو۔ تب خالہ کہنے لگی نہ میرا پتہ تو اپنا نال لے کے جا۔ سو فون

آ جا دے۔

پھر خالہ نے اپنا موبائل مجھے دیا، چھوٹا تھا موبائل ای لوگوں سے بات کر لینا۔

میں نے کہا ”ٹھیک ہے“ میں نے موبائل رکھ لیا۔

کے بارے میں کیا خیالات تھے؟

ج:- خیالات تو بہت اچھے تھے۔ دراصل میرے بو خالو ہیں، انہوں نے خالہ سے کہا کہ میں

نے اپنے بیٹے کے لیے صبا ہی لینی ہے۔ تو خالہ نے کہا کیوں جی وہ تو میرے بیٹے سے بڑی ہے۔ میرا بیٹا

چھوٹا ہے، میں نے کوئی نہیں یہ رشتہ کرنا۔

پھر خالو نے کہا کہ ”شادی تو تو نے کرنی ہی ہے۔ بچہ کی پھر اور بھی تو کوئی آئے گی ہی تو یہ کیوں

خالو نے کہا کہ یہ تو ہمیں رشتہ دے دیں گے دوسرے لوگ نہیں دیں گے کیونکہ ہم نے کوئی گھر نہیں

بنایا ہے کوئی، دوسرے گھرتوں اگر پتر کی شادی کرنی ہے تو پہلے گھر بنانا س کے لیے۔“

پھر خالہ کے ذہن میں بات آئی تو وہ مان گئی۔

ہائے میرے بھائی بھائی ماں کہنے لگی۔

”میری دھی! توں ہاں کروے۔ دیکھ نا، کتنے پرارے رشتہ مانگ رہے ہیں۔ دیکھنا کتنی قدر کریں

گے۔ اور توں یہ بھی تو اپنے غیر کا کیا پتا۔ پتا نہیں کیا سلوک کریں۔ پر جب یہاں آئی تو سارا

الٹ ہو گیا۔

س:- شادی کے لیے تعلیم چھوڑنا پڑی یا کوئی قربانی دینا پڑی؟

ج:- کسی خاص چیز کی قربانی نہیں دینا پڑی۔ میری عمر بہت چھوٹی تھی۔ بس ہر لڑکی کی طرح میرے

بھی بہت سے خواب تھے۔ اور ان مصوم خوابوں کی قربانی دینا پڑی۔ تعلیم تو بہت پہلے ہی بھائی نے

چھڑوا دی تھی۔

س:- شادی بخیر و خوبی انجام پائی یا رسموں کے دوران سین دین پر کوئی سختی نکلی ہوئی؟

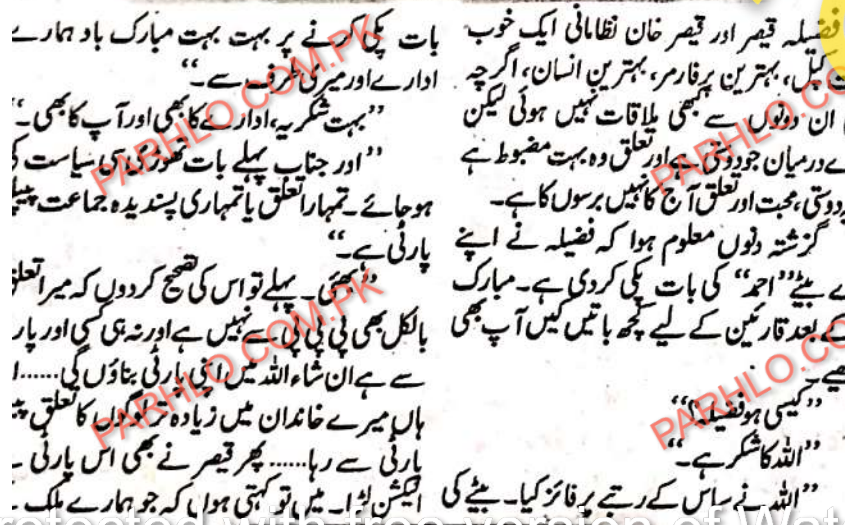
ج:- جی ہاں۔ ہماری شادی بخیر و خوبی انجام پائی۔ میرے ساتھ میری آپ کی بھی شادی تھی۔ ویسے

تو سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا، مطلب ساری تیاری وغیرہ پر۔ اک دکھ جو مجھے ساری عمر یاد رہے گا۔ میرے ابو

شادی والے دن ہماری شادی میں نہیں شریک لیا۔



فَضِيلَةُ قِصْرِ سَمْعِ الْمَلَائِكَةِ



☆☆

س:۔ میکے اور سسرال کے ماحول میں کیا فرق

ج:- میرے میکے میں ہنسی مذاق اتنا نہیں تھا



والدین کو پریشان کر رہے ہوتے ہیں۔ کیا نکاح پھر لڑکیوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی شادی بھی اس طرح دھوم دھام سے ہو۔ اور اسی خواہش میں وہ اپنے ماں باپ کی زندگی میں حرام کر دیتی ہیں۔ ان کو شاید اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ سب اس شادی میں ہوتی ہیں اور ان کا ایک روپیہ ہی خیر نہیں ہوتا۔ تو میں یہی کہوں گی لڑکیوں سے کہ کئی دینی خاندانوں کی شادیوں سے ہرگز متاثر نہ ہوا کریں جو شادیاں دکھا رہے ہوتے ہیں ان کا کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا۔

میں تو اس طرح کا دکھاوا اور اسراف نہیں کرنا چاہتی میرا یہ کہنا ہے کہ شادی دو خاندانوں کے درمیان ہوتی ہے اور آپ اپنے خاندان کے دیگر لوگوں کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا ہے۔ اگر شریعت کی رو سے دیکھا جائے تو یہی حکم ہے کہ بچوں کا نکاح کریں، رخصتی کر کے گھر لے آئیں اور دوسرے دن کھانا کر دیں۔ جیسا کہ سنت رسول ہے کہ آپ لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ہم نے اپنی بیٹی یا بیٹے کی شادی کر دی ہے اور اس خوشی میں ہم نے کھانے کا اہتمام کیا ہے۔

لیکن ہمارے یہاں تو شادیوں کو اتنا مشکل بنا دیا گیا ہے کہ حد نہیں۔ اول تو اچھے رشتے ملنا بہت مشکل ہیں اور اگر مل جائیں تو پھر دھوم دھام شروع ہو جاتی ہے دونوں سائیلیں۔

آپ وہ ضرور پورے کریں۔ لیکن ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ بس ہمارے بچے محبت سے رہیں، سلوک سے رہیں۔ ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔ ایک دوسرے کو عزت دیں۔ محبت دیں۔ سسرال کے رشتے۔ اور میاں بیوی کا رشتہ عزت و محبت اور احترام سے ہی آگے بڑھتا ہے۔ رشتہ تو بن جاتا ہے مگر اسے احسن طریقے سے نبھانا سب سے بڑا کمال ہے۔

”کوئی پلاننگ ہے کہ کیا کیا کریں کرنی ہیں؟“  
”پلاننگ تو ابھی نہیں کی۔ لیکن کوشش ضرور کریں گے کہ جتنی سادگی ہو سکے اختیار کریں۔“  
”مہندی کی تقریبات کے حق میں میں بالکل بھی نہیں ہوں۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اب لوگوں کے پاس بھی اتنا نام نہیں ہے کہ دس دس تقریبات میں جائیں۔ شوہر میں یعنی ڈراموں میں جو شادیاں دکھائی جاتی ہیں۔ اس طرح کی شادی کی تقریب ہم تو نہیں کر سکتے۔“

ڈراموں کی شادیاں تو ایسا نرس ڈونی ہیں۔ ڈیزائنرز سے کپڑے آرہے ہوتے ہیں۔ جیولری ایسا نرس ہوتی ہے۔ کیئرنگ والے۔ ڈیکوریشن والے۔ لویئرنگ والے۔ سب ایسا نرس کر رہے ہوتے ہیں۔ اور بے جا اسراف دکھا کر لڑکیوں کے

کی فیلڈ سے ہیں۔ اس سے جو نرس ہے احمد کی پہنڈ ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ شادی میں بچوں کی پہنڈ شامل ہونی چاہیے۔ کیونکہ انہوں نے ہی ایک ساتھ زندگی گزارنی ہوتی ہے اور پھر وہ اس رشتے کو نبھانے کی ذمہ داری بھی لیتے ہیں۔ میں نے تو خود اپنی پسند سے شادی کی تھی اور میری زندگی تو آپ کے سامنے ہی ہے۔ یہی ہوتا ہے کہ بچے پسند کرتے ہیں۔ والدین تحقیق کرتے ہیں سبیل اور خاندان کے بارے میں۔ اور پھر شادی لواریٹج ہو جاتی ہے۔ اور یہی بہتر ہوتا ہے بچوں کے لیے بھی اور دونوں طرف کی فیمیلیز کے لیے بھی۔ اور میں نے بات کہی ہے۔ ہمارے یہاں عموماً سختی نہیں ہوتی۔ اور شادی ان شاء اللہ دسمبر میں ہوگی۔ آگے اللہ تعالیٰ جانے۔ جو اسے منظور ہوگا۔“

”عموماً۔ بلکہ زیادہ تر شادیوں میں خواہ وہ امیروں کی ہو یا غریبوں کی، اسراف بہت ہوتا ہے۔ اور آپ تو سلیپر ہیں۔ آپ تو بہت دھوم دھام سے شادی کریں گی۔“

”بہت اچھا کیا جو آپ نے یہ سوال کر لیا۔ کیونکہ میں خود بھی اس بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ کہ شادیوں میں یہ اسراف اور فضول خرچیاں مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔ ماں باپ بہت محنت سے کماتے ہیں خواہ وہ لڑکی کے ہوں یا لڑکے کے دنیا دکھانے کے لیے کرتے ہیں والی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ عزت و ذلت دینے والی خدا کی ذات ہے۔ اور عزت تو آپ کے اچھے برتاؤ۔ اچھے رکھ رکھاؤ، دوسروں کو محبت دینے سے ہوتی ہے۔ پسند رکھانے سے یا شوٹا دکھانے سے کیا عزت ہوتی ہے؟ میں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اور آپ یقین کریں کہ میں نے بڑی سختی کے ساتھ لڑکی والوں کو منع کیا ہے کہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ آپ ہمیں اپنی بیٹی دے رہے ہیں اس سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کچھ نہیں۔ ہاں آپ نے اپنی بیٹی کو جو دینا ہے، دے دیں کیونکہ والدین کے بھی ارمان ہوتے ہیں۔

لیے کام کرے گا جو ملک کے لیے مخلص ہوگا، ہم اس کو ووٹ دیں گے جو نئے لوگ آئے۔ ان کو بھی دیکھ لیا اور جو پرانے ہیں۔ ان کو دیکھ بھی لیا اور دیکھ بھی رہے ہیں۔ بس کسی کی نیکیاں کام آرہی ہیں اور اللہ کا کرم ہے کہ ہمارا ملک قائم و دائم ہے۔ جب بھی سیلاب کی خبر سنو، تیز بارشوں کی خبر سنو، کسی سونامی کی خبر سنو تو دل میں کے رہ جاتا ہے کہ اگر سیلاب خدا نخواستہ آ گیا تو کراچی تو ڈوب جائے گا۔ اللہ نے ہی بچایا ہوا ہے اور اللہ ہی ہمیں بچائے گا۔“

”قیصر صاحب نے پہلے بھی ایکشن لڑا تھا اور اب 2023ء ایکشن کا سال ہے۔ تو کیا اب حصہ لینے کا ارادہ ہے؟“

”بھی تک تو ایسا ارادہ نہیں ہے۔ کیونکہ قیصر بھی بہت افسردہ ہوتے ہیں۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے لوگوں کے لیے کچھ کریں اور کرتے بھی رہے۔ لیکن جس لیول پر کرنا چاہتے تھے ویسا نہیں کر سکے۔ وجوہات کی وضاحت ضروری نہیں ہے۔ تو بات ساری یہ ہے کہ زندگی میں کوئی چیز کے شدہ نہیں ہوتی، بندہ بہت سے پلان کرتا ہے۔ سوچتا ہے مگر ہوتا کچھ الگ ہی ہے۔ تو اللہ ہر طرح سے خیریت رکھے۔ فی الحال تو ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“

”اس لیے پوچھا یہ پارٹی والا سوال کہ فہمیدہ مرزا صاحبہ شاید تمہاری پھوپھی ہیں جو تحریک انصاف میں چلی گئی ہیں؟“

”اگر میری پھوپھی تحریک انصاف میں ہیں۔ یا میرے میاں نے پیپلز پارٹی کی طرف سے ایکشن لڑا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں بھی اس جماعت سے تعلق رکھتی ہوں یا اسے سپورٹ کرتی ہوں۔“

”خیر یہ بتاؤ کہ احمد کی پسند سے ہے۔ لڑکی؟ اور تمہاری فیلڈ سے ہے؟“

”آپ کو پتا ہے کہ میرے دونوں بچے لائر ہیں۔ ماشا اللہ لڑکی میری فیلڈ کی نہیں ہے بلکہ ”احمد“





میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی نسلوں کے لیے اور  
نے والی نسلوں کے لیے کام چھوڑ جائیں۔ بس  
اچھے ملک سے باہر ہونا چاہتا ہے جس کے  
آج ہی ہم نے فیصلہ لیبر سے اجازت چاہی  
لے لیا ہے۔

”فیس جوت میں دیکھتی ہوں کہ تم ملک سے رانجواے کر رہی ہو۔ ایسا ہی ہے۔“

”بات ساری یہ ہے کہ وقت آتا ہے۔ تم بڑے ہو رہے ہو۔“

”تمہارے خیالات بدل رہے ہوتے ہیں۔ اور

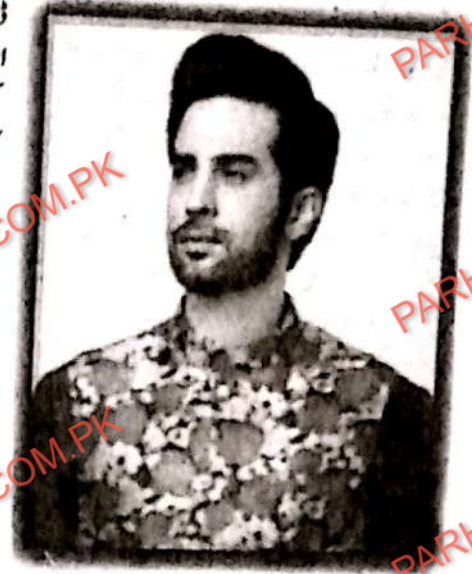
”بچے بچہ پھونے سے تو انہوں نے ٹوکا کہ  
 اٹھا، اور جس نے بھی کیا اور زورین نے بھی کیا لیکن  
 ان داری کی بات ہے کہ میرے بچوں کو کھانا  
 زورین کہتا تھا کہ میں تھک جاتا ہوں  
 کاری ایک مشکل کام ہے یہ بن نو فانیہ والی جاب

”چلو۔ جو ہو بہتر ہو۔ اور مجھے خوش رہیں۔“  
اب اپنی مصروفیات کے بارے میں کچھ بتاؤ۔  
”میری مصروفیات تو وہی ہیں جو ایک زمانے  
سے ہیں۔ فی وی اور کھر۔ ملائی دوڑ سبھ تک والی  
بات ہے۔ میں کام پر جاتی ہوں۔ واپس آتی  
ہوں۔ میں آپ کو تو بتا رہی ہے کہ میں بالکل  
بھی سوشائیز نہیں کرتی۔ مجھے پسند ہی نہیں ہے اور  
گاہیات تو یہ ہے کہ شوبز ایک تھوڑی جھک رکھ  
ہے۔ بس کام پر چاڑھ اور اپنا کام پورا کر کے کھر  
آ جاؤں مجھے تو ایسے بھی کھر کے بہت سے کام ہوتے  
تھیں۔ شوبز سے علیحدہ ایسی انسان ہے مجھے اپنا کھر  
میں چاہیے۔ شادی سے پہلے بھی زیادہ وقت کھر پر  
توڑا ہی اور اب بھی۔



## دستک دستک

شاہن رشید



### آغا طلال

”کیسے مزاج ہیں؟“  
”اللہ کا شکر ہے۔“

”کیا مصروفیات ہیں آج کل؟“

”وہی جو آپ ڈراموں میں دیکھ رہی ہیں۔  
”پچھلے آن ایئر ہے کچھ پہ کام ہو رہا ہے۔ کچھ کے لیے  
بات چیت چل رہی ہے۔ آج کل ڈرامہ سیریل  
سوپ انٹ الیات آن ایئر ہے۔ فرقان کارول ہے  
میرا۔“

”ہاں میں دیکھ رہی ہوں۔ ایک بات تو بتاؤ  
ایک خاصے فنکار کو جو کہ زیادہ تر ”سوپ“ میں آتے ہو  
کیوں؟“

”وہی آپ کو بتاؤں کہ ڈرامے سب ہی  
دیکھ جاتے ہیں خواہ وہ سب ہوں یا براہ کرم ہوں۔“

ڈرامے کا فائدہ والے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور  
ایسا بھی نہیں ہے کہ میں نے صرف سوپ میں ہی کام  
کیا ہو۔ میں تقریباً سب ہی سلاٹ کے ڈراموں میں  
کام کر چکا ہوں۔“

”اس فیلڈ میں جگہ بنانے کے لیے مشکل کا  
سامنا کرنا پڑا یا آسانی سے جگہ بن گئی؟“

”کوئی حباب ہو۔ کوئی بڑس ہو۔ یا پھر شو بڑ  
ہو۔ جگہ آسانی سے نہیں بنتی بلکہ بہت محنت کرنا پڑتی  
ہے اور محنت کا پھل میٹھا بھی بہت ہوتا ہے تو میں نے  
اس فیلڈ میں محنت کی اور جگہ بنی گئی۔ کہتے ہیں تاکہ  
جتنا کڑا ڈالو اتنا ہی میٹھا ہوگا تو جتنی محنت کرو گے اتنا  
ہی صلہ ملے گا۔ مجھے میری محنت کا صلہ مل رہا ہے۔“

”اس فیلڈ میں آنے کے لیے جنونی تھے؟“  
”نہیں۔ بالکل بھی جنونی نہیں تھا۔ یونہی

آڈیشن دے دیا اور کامیاب ہو گیا۔ بس پھر سلسلہ بنا  
چلا گیا اب تو اس فیلڈ میں تقریباً چار ساڑھے چار  
سال ہو گئے ہیں۔“

”آڈیشن کے وقت ہارل تھے؟ مطلب کسمرہ۔“

”نایک وغیرہ وغیرہ۔“

”ارے آپ یہ کسمرہ، مائیک ڈرنے والی  
چیز نہیں رہیں۔ سو بائیں کی بوجہ سے اب سب ڈر خوف  
تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ ہر وقت تو کسمرے استعمال ہو  
رہے ہیں۔ اس لیے میں نے تو بڑی آسانی سے  
آڈیشن دے دیا۔“

”جی بالکل۔ مجھے اس فیلڈ میں اپنی جگہ  
بنانے اور ایڈجسٹ ہونے میں ڈراما بھی مشکل پیش  
کئے؟“

”جی بالکل۔“

”میں آئی۔ مجھے تو بچپن سے ہی تصاویر بنانا، ویڈیو بنانا،  
ان سب کا شوق تھا جب بڑے ہوئے تو ہائی کی  
کمر مو بائل فون نے پوری کر دی تو اللہ کا شکر ہے کہ  
اس نے عزت دی ہوئی ہے۔“

”اور آ رہا ہے اس فیلڈ میں؟“

”بہت حوصلہ رہا ہے اور جس جاب سے یا جس  
کام سے آپ کو روزی کی جاب ہو۔ عزت مل رہی ہو اور  
شہرت بھی تو اس سے اچھی بات بھلا کون سی ہوگی۔“

”آپ کچھ سوپ سیریل کے بارے میں کہنا  
چاہتے ہیں؟“

”جی میں سوپ کے بارے میں کہہ رہا  
تھا کہ اگر کسی کو بہت اچھا پر فارم رہتا ہے تو وہ سوپ  
میں ضرور کام کرے۔ لیکن ایسے سیریلز میں سیکنے کو  
بہت ملتا ہے۔ اور سوپ زیادہ شوق سے دیکھے جاتے  
ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے میرا سوپ ”سویا  
بھینس“ دیکھ کر ہی مجھے کال کی اور میرا انٹرویو کیا۔  
میں نے کٹ کر دیکھا ہے کہ آٹھ بجے والے ڈرامے  
بہت زیادہ کامیاب نہیں ہوتے۔ جتنے سوپ کامیاب  
ہوتے ہیں۔“

”جو آج کل کے فنکار ہیں وہ گزرے دور کے  
ڈراموں کی زیادہ تحریف نہیں کرتے اور جو کل کے  
فنکار ہیں (گزرے وقت کے) وہ آج کے  
ڈراموں کی تعریف نہیں کرتے۔ ایسا کیوں ہے؟“

”وقت کے ساتھ ساتھ ڈرامہ ٹیکنالوجی اور  
ناظرین کے دیکھنے اور سمجھنے کا انداز بھی بدلتا رہتا ہے۔  
جس طرح فیشن بدلتا ہے۔ تو گزرے زمانے کے  
ڈرامے اپنے وقت کے حساب سے بہت اچھے تھے  
اور آج کل کے ڈرامے اپنے دور کے حساب سے  
بہت اچھے ہیں۔ ہاں یہ فرق میں نے ضرور دیکھا ہے  
کہ پرانے زمانے میں زبان و بیان اور تلفظ اور زبان  
کی شائستگی کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ کوئی ایسی لینگویج  
استعمال نہیں کی جاتی تھی کہ جملے کے لیے کہا جائے کہ  
نوجوانوں کی زبان خراب ہو جائے گی یا بچے اس کا

لفظ مطلب لے لیں گے۔ سب ان باتوں کا خیال ذرا  
کم ہی رکھتا تھا ہے۔“

”ان باتوں کا خیال بھی ذرا کم ہی رکھتا تھا ہے  
اور موضوعات بھی ذرا گھٹا لے ہو گئے ہیں۔“

”اب حقیقت نگاری میں ذرا  
کم ہو گئی ہے۔ دھماکا زیادہ ہو گیا ہے کہ دار کے  
حساب سے بہت سی چیزیں ٹھنڈی کر دی جاتی ہیں۔  
خیر پھر بھی آج کا ڈرامہ بہت مقبول ہو رہا ہے۔“

”اب مقابلہ زیادہ ہے یا پہلے تھا؟“

”بہت زیادہ مقابلہ ہے۔ بہت زیادہ تعداد  
میں ڈرامے بن رہے ہیں اور مقبولیت چند ایک کو ہی ملتی  
ہے۔ تو اس لحاظ سے مقابلے کی فضا اب زیادہ ہو گئی  
ہے۔“

”اور ایسا بھی تو ہے کہ لوگ اپنے چھلے وہ چھترو  
کے ڈرامے زیادہ دیکھتے ہیں؟“

”جی ایسا بھی ہے۔ مگر جو رائٹرز جو فنکار جس  
چیمبل کے لیے کام کر رہا ہوتا ہے وہ اپنے جاننے  
والوں کو بتاتا ہے، اس طرح دیگر چھترو کے ڈرامے بھی  
دیکھے جاتے ہیں۔ بس ڈرامہ اچھا ہونا چاہیے۔“

”بالکل، جی ڈرامہ اچھا ہونا چاہیے۔ اب اپنے  
بارے میں کچھ بتاؤ؟“

”بس کیا بتاؤں۔ کوئی خاص بات تو ہے  
نہیں۔ شادی تو ہوئی تھی۔ گھر میں والدین کے  
علاوہ میرا ایک چھوٹا بھائی اور بہن ہے۔ بہن شادی  
شدہ ہے۔ میں نے اسے بھی کی ہے کیا ہے اور  
گرجویٹ بھی ہوں۔ دنیا میں 23 اپریل 1989ء  
میں آیا اور کچھ۔“

”چلیں جی خوش رہیں۔ ان شاء اللہ پھر بات  
ہوگی۔“

☆☆











”نکلی“ نے وبار کو ہلائی دیا۔ ایک عی بات کو  
 پوری طرح سے سمجھا لیا۔ اور نہ حاشی کی تحریریں  
 اچھی بہت اچھی ہوتی ہیں، مگر ”ایک نئی محبت“ دائمی  
 میں جائے اور شاندار محبت ہی تھی۔ ”ہو کے مجبور“ آئیہ  
 رکھیں کی جگہ تحریر کا پک پرانا نمونہ کر دیا۔  
 ”قصص“ اپنے ذوق پر اب بھی سنا نہیں کیا۔ ہا جہ  
 آپ ایسے پہلے کب ملتی ہیں؟ ”تائیں ذرا؟“  
 ”معاذت مند“ اچھی اور سیدھی سادی ہی تحریر تھی  
 فرزند جیسے بہت ہی اچھی لگی آپ کی تحریر۔ عزت کی روئی  
 بلاشبہ بہترین افسانہ ہے۔ اس ماہ ہماری فیملی میں  
 ایک ”سہو“ صاحبہ جو شادی کے پہلے ماہ سے الگ رائج  
 کرتی ہیں۔ ایک سال کا بیٹا ہے اور صرف سر کا ساتھ  
 ہے۔ سر بھی بہترین انسان جو روز اپنی خون پسینی کمانی  
 سے روزہ دہی، فروت، سبزی حتیٰ کہ بچے کے ممبر زینک  
 لا کر دیتا ہے بیٹے کی کمانی ”بنائی“ ہے جو آج تک کسی  
 نے نہیں دیکھی۔

وہ بہو اس بات پر گھر چھوڑ کر کیے جا بیٹھی کہ مجھ  
 سے سر کا کمرہ صاف نہیں ہوتا۔ انتہائی چھوٹی سی بیشک  
 ایک پتنگ اور صوفے پر مشتمل۔ سر بھی صاف ستھرا  
 آئینہ۔  
 سرکل والے ہی ہر جگہ برے نہیں ہوتے۔  
 لڑکیاں خود نہیں عزت کی روئی کھا رہی آج کل۔  
 ”ریج خوشیوں کے“ اتنا طویل افسانہ نہیں ہوتا  
 بھی۔ توجہ فرمائیں۔ مزید برآں یہ کہ تحریر اچھی نہیں لگی  
 بالکل بھی۔ سو رہی!  
 ”کیسے“ صاحبہ نور لے کر آئی ہیں۔ ہماری بھی  
 بہت سی یادیں تازہ کر دیں۔  
 ”ایک خط“ نیلوفر جاوید نے اتنا شاندار لکھا مصنفین  
 کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے کہ ہم ”نیلوفر“ کو خراج  
 تحسین پیش کرتے ہیں۔  
 بیاری صدف! آپ کا نہ صرف تبصرہ بہت اچھا۔  
 اور جان دار ہوتا ہے۔ آپ کی لکھائی بھی بہت اچھی اور  
 صاف پڑھائی ہے۔ اچھا کاغذ استعمال کرتی ہیں اور  
 بیسٹ سطر چھوڑ کر لکھتی ہیں۔ آپ کا خط پڑھ کر بہت خوش

ہوں ہے۔  
 تہہ دل سے شکر ہے۔  
 تہہ دل سے ہاں ملتا ہے۔ شریک محفل ہیں  
 تہہ دل سے شاعر میراجید جی اس تحریر کو میں نے دو  
 تین بار پڑھا اور ہر بار دنا آ۔ یہ تو ہر عورت کی کہانی تھی  
 میں نے بھی اب کے سالگرہ نمبر کے سروے میں حصہ لینا  
 تھا۔ لیکن میں کوئی میراجید تو نہیں تھی۔ کہ دو یا کو کوڑے  
 میں بند کر لی کہ شاعر کی کس خوبی نے متاثر کیا، یہ تو واقعی  
 ہماری ماں کی طرح ہے ہر مشکل وقت میں ہمارے ساتھ  
 رہا۔ جو اسٹیک فیملی سسٹم میں ساس مندوں کے مسائل ہوں  
 یا پریکٹسی کے مسائل یا زندگی کے مسائل بچوں کو پالنے کے  
 طریقے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کے طریقے کہاں  
 کہاں شاعر نے ہمارا ساتھ نہیں دیا۔ شاعر نے ماں،  
 بہن، سہیلی پر رنجے کو نبھایا اور بخوبی نبھایا۔  
 ”نور القلوب“ کہانی بہت سولو چل رہی ہے جیسا  
 کہ میں نے پہلے بھی کہا کہ ہمارا دین اتنا مشکل نہیں ہے  
 جتنا مندوں کی جیسے لوگوں نے بنا دیا۔ اگر مندوں کی نے  
 نہ رہا کا ساتھ نہیں دیا تو زیادہ حیرت کی بات نہیں لگی جو  
 عورت اپنی ساری اولاد کی نہیں، وہ کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔  
 حنا بشری کی بھی اچھی تحریر تھی۔ لیکن جہاں کشف  
 کے نیکے پن پر آٹھ لگے گائے تو جب کشف سکھ بن گئی  
 تھی۔ تو دو چار صفحے اور لگا دیتی۔ تاکہ ہم بھی دیکھ لیتے کہ  
 اتنی بھی نہ سکھ بن کر کیسے بیچ کیا۔  
 ”کہانی“ فرزند جیسے نے بہت اچھا لکھا۔ ہو کے  
 بیلور آئیہ رہیں خان کا بہت اچھا ناول تھا۔ عاتکہ بشیر  
 ”عزت کی روئی“ لے کر آئیں اچھی تحریر تھی۔ لیکن بعض  
 لوگوں کو عزت اس کی آئی جیسے صاحبہ کی ماں کو۔ اگر  
 بیٹوں کو اتنا پڑھا لکھا کہ ان کو خود فیصلہ نہیں کرنے دینا  
 ہوتا تو ان کو جاں ہی رہنے دیا کریں۔  
 ”ایک نئی محبت“ میراجید جی اینڈ دھی تھا۔ ہمیشہ  
 کی طرح آپ نے اس بار بھی میدان مار لیا۔  
 حسنہ حسین جی۔ سرسیرا کی اسپنڈ بڑھادیں۔  
 ”واہمہ“ امت اعزیز شہزاد بہت اچھا لکھ رہی  
 ہیں۔ ایک لڑکی اپنے اوپر اس سے زیادہ ظلم کر نہیں سکتی۔

جیسا کہ روئی کر رہی ہے۔ اتنی محبتوں کے بعد بھی ایک کے  
 پیچھے لگنا۔  
 خوشیوں کے رنگ۔ عاتکہ بشیر کی بہت دلچسپ تھی۔  
 صاحبہ نور جی آپ نے ہر گھر کی کہانی لکھ ڈالی۔ میری  
 ساس مرحومہ کی یاد دلا دی۔ میں بھی یہی سوچا کرتی کہ  
 انہوں پر اپنی اپنی ہی کئی بات یاد نہیں کیا۔ مخلوط سب ہی  
 بہت اچھے تھے۔ کوشی جمال صاحبہ آپ کا خط دھونڈ کر سب  
 سے پہلے پڑھتی ہوں شاید آپ دوکان کی دھج سے مصروف  
 ہو گئی ہیں۔ اللہ آپ کو کامیابی دے، ایک خط نیلوفر جاوید  
 صاحبہ آپ کے خط کو اب تک شاعر کا خلاصہ کہتا ہے جا  
 نہیں ہوگا۔ پرانی یادیں تازہ کر دیں آپ نے۔  
 تاریخ کے مجبور کے سے۔ اچھا انتخاب تھا۔  
 اور آل سارا دو سالہ ہی بہت اچھا تھا۔ 12:30 ہو گئے  
 گیس آنے والی ہے ہندیا بھی بنائی ہے۔ اس لیے خط کا  
 انتقام کرتی ہوں۔ اتنا انتظار اپنے شوہر کا نہیں ہوتا شام کو  
 جتنا گیس آنے کا کرنا پڑتا ہے۔  
 ج: بیاری تہہ دل سے لکھا آپ نے کہ یہ تو گھر گھر کی  
 کہانی ہے۔ گیس اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ نے سب ہی کے  
 معمولات کو متاثر کیا ہے۔ سنا ہے کہ وزیر اعظم نے گیس کا  
 معاہدہ کیا ہے اور اب گیس کی لوڈ شیڈنگ نہیں ہوگی۔ اب  
 یہ کس حد تک سچ ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔  
 رضوانہ وقاص نے کرلاں ہری پور سے لکھا ہے  
 اس وقت شاعر 13 تاریخ کو ملا ناڈل بس ٹھیک ہی  
 نکلی۔ ”پہلی شاعر“ پڑھی بارش رحمت ہے۔ لیکن جو لوگ  
 سندھ میں سب سے زیادہ دگڑا ہیں۔ ان کے لیے دل بہت  
 اداس ہے۔ اپنی طرف سے تو یہی کوشش ہے جتنا ہو سکے۔  
 بندہ کرتا ہے۔ ہمارے ملک کے عورتوں کو بھی خیال رکھنا  
 چاہیے کس طرح لوگ مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔ میری  
 آپ دکان دار بھائیوں سے درخواست ہے پلیز اگر آپ  
 مدد دیکھ کر سکتے تو چیزیں تو نہ بھیجیں کریں۔ اب پیاز نہیں آ  
 رہی، وہ بھی۔ گائیں بیار ہو گئیں لوگوں کی کوئی ایسی بیاری  
 آئی ہے۔ تو موسیقی ڈاکٹر نے بولا۔ گائیں ڈیوئل سے  
 نہلا لیں۔ تو ڈیوئل مہنگا کر دیا۔ یہ کیا ہو گیا ہمارے مسلمان  
 بھائیوں کو پلیز ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔

میراجید جی! اراکمان کی ہی یہ سیلاب میں ادب ہے  
 لوگوں کو دیکھ کر رونے لگ گیا۔  
 ”بیارے“ نئی کی بیاری باتیں۔ بہت ہی اچھی  
 لگیں۔ ”جب تجھ سے ملتا جوتا ہے“ پڑھا۔ ”نہن  
 آپ کا پڑھ کر بہت ہی دل لکھا اللہ ایسا سسرال کی کو کسی کو  
 بھی نہ دے۔ میں شہ کو تو آپ کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔  
 خط آپ کے پڑھے۔ شہ کو پڑھا قرآن پاک حفظ کر رہا  
 ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کامیاب کرے  
 (آمین) نجمہ بیار۔ مایا نور۔ نسیم سب کے تبصرے اچھے  
 ہوتے ہیں۔ جویرہ میراجید صاحبہ آپ کا بھائی پڑھ لکھ کر  
 آپ بہنوں اور والدین کا سہارا بن جائے۔ شاہدہ نور۔  
 وردہ غزل خوں آٹھ تاریخ نام مختلف لگا۔ ہمارہ۔ سونیا  
 ربانی۔ آپ کے خط بھی اچھے ہوتے ہیں۔ ”واہمہ“  
 پڑھا روئی اچھی لگتی ہے۔ لیکن سہرا اب نے پہلے چوری سے  
 فون پر بات کرنا اب پیچھے بھی ٹھیک سے کل میں کرتی  
 ہے۔ سہرا سے ملاقات کرنے لگتی ہے۔ یہ بات اچھی نہیں  
 لگتی۔ باقی ان کڑلوں کی لوگ جھوٹک اچھی لگتی ہے۔ کہانی  
 ہے حے کی دیکھتا ہے آگے کیا ہوتا ہے۔ ”انا“ ذلیفہ ظفر  
 نے کیا بہترین لکھا۔ ”نور القلوب“ واہ کی کیا خوب لکھا۔  
 ”نور القلوب“ میں خان بابا نے کچھ ٹھیک نہیں کیا۔ نہ  
 لاریب کے ساتھ اور نہ اپنے بیٹے کے ساتھ۔ ”سرسیرا“  
 پڑھا۔ فارس کے ساتھ تو بہت ہی برا ہوا۔ جیلہ داؤد کے  
 بھائی نے ہی اپنے بہن کا گھر اجاڑ دیا۔ سوتیلی ماں نے  
 بہت اچھا رویہ رکھا، فارس کے ساتھ۔ راتم نے بھی بھر پور  
 ساتھ دیا۔ ”حساب برابر“ حسن نے ٹھیک کیا ”ہری  
 مرچیں“ سالن میں ڈالنی چاہئیں۔ انہی جڑواں بچے اچھے  
 لگتے ہیں۔ آپ سب دعا کریں۔ میرے بھائی کو اللہ جی  
 جڑواں بچے دیں۔ (آمین)  
 ج: بیاری رضوانہ! شکر یہ کی تو بات ہی نہیں آپ  
 اتنی محنت سے خط لکھ کر پہنچائی ہیں، اتنا اچھا تبصرہ کر لی  
 ہیں۔ ہم آپ کا خط شاعر نے دیکھ کر بھی تو محنت ہی نہیں۔  
 آپ کے بیٹے فوزان کو سالگرہ کی مبارک باد اور  
 دعائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے زندگی کی ہر نعمت سے نوازے۔  
 آمین، جڑواں بچوں کی پرورش بہت مشکل ہوتی ہے۔



پہلے مجھ بھی سے پوچھ لیں۔ اگر انہیں بھی پسند ہیں تو دعا  
سورہ ظہر اقبال بھرمے کلاں ضلع قصور  
ہم چہ نہیں، میرے تایا کی دو بیٹیاں، میرے دادا  
جان، میرے پیارے ابا، میرے تایا، میرے بھائی زبیر  
اور ہم سب لڑکیاں ڈانچٹ پڑھتے ہیں۔ میں تو اب کے  
ساتھ مل کر بھرے بھی کرتی تھی۔ میرے ابا اور چھوٹے  
چاچا کو شیش سال فقط ایک ماہ اور انیس دن کے وقفے سے  
نہیں چھوڑ کر چلے گئے (ہمارے غم کا اندازہ آپ کر سکتی  
ہیں۔ اتنے مختصر وقفے میں ہم نے اپنی دو عزیز اور بے حد  
پیار کرنے والی ہستیوں کو کھو دیا ہے۔ اور پھر بڑے ابا دادا  
جان) کا تو غم ہی الگ ہے۔ برسوں پہلے دو چھو بھیاں  
اپنے پانچ پانچ بچوں کو چھوڑ کر چلی گئیں پھر دادی جان اور  
اب چاچا اور ابا، اس شخص کے ممبر کا اندازہ لگا سکتے ہیں  
آپ، جس نے اپنی سات اولادوں میں چار اولادیں  
بھری جوانی میں قبروں میں اتاریں، بڑے ابا اور میری امی  
ہی اب ہم لوگوں کا سہارا ہیں اللہ ان کو طویل عمر عطا کرے  
آمین۔

بیاری باجی کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ یہ ناؤ پڑھنا  
ڈانچٹ پڑھنا تم لوگوں کو کیا دیتا ہے تو میرا جواب ہوتا  
ہے۔ یہ زندگی سنوارتے ہیں۔ غموں سے لڑنے کا حوصلہ  
دیتے ہیں۔ ہم لڑکیوں کو سکھاتا ہے کہ ہم کمزور نہیں ہیں۔  
ہمارا وقار، ہماری عزت بہت اہم ہے اور کیسے ہمیں اپنے  
وقار اپنی عزت اور اپنے رشتوں کی حفاظت کرنی ہے۔  
کبھی ثانیہ امی کو کوئی کہانی پڑھ کر سناتی ہے۔ تو وہ  
خوش ہوتی ہیں۔ پہلے کہا کرتی تھیں کہ تم باپ بیٹیوں کو بھی  
کاروبار سے بس ڈانچٹ پڑھنا مگر اب کچھ نہیں کہتی  
ہیں۔

اور یہاں میں آپ کو بتاتی چلوں کہ ہمارے گاؤں  
میں سب سے پڑھا لکھا خاندان ہمارا ہے۔ میری بڑی  
بہن نے ماسٹر کیا ہوا ہے۔ اب میں اور ثانیہ بی انیس  
کرنے کے بعد ماسٹر کے انگرام دینے والے ہیں۔  
9 ستمبر کو پہلا پرچہ ہے۔ میرا ایک بھائی پاک نئی میں  
میرمن لینڈ ہے۔ ایک انجینئر اور اب جا جا کا

بیابھی ان شاء اللہ اسی ماہ راجی چلا جائے گا بطور سکران  
پاک نئی، میری بہن کے میٹرک میں بہت اچھے نمبر  
آئے ہیں آپ دعا کریں۔ وہ میڈیکل میں چلی جائے۔  
میرے ابا کی خواہش تھی یہ اور اب ہماری بھی ہے۔  
پہلی بار جب دو سال پہلے میں نے ڈانچٹ میں  
خط کے ساتھ اپنی تحریریں ارسال کی تھیں اپنے سیکنڈ انکل  
کے ذریعے جو پوسٹ آفس میں ٹھکر گئی تھیں۔ تو میرے ابا  
نے کہا تھا ”میرا اتم مجھے دیتیں میں پوسٹ کرواتا۔“ جی  
ہاں میرے ابا ہم بچوں سے اتنا ہی پیار کرتے تھے۔  
گاؤں کی ساری لڑکیاں اور سارے خاندان والے رشک  
کرتے تھے۔ مگر آہ! اب نہ وہ لوگ نہ وہ محبتیں، مائیں  
کہاں وہ پیار اور مان دیتی ہیں جو باپ دیتا ہے۔ ان  
ساری لائق کو اپنی ہی بیٹیاں ٹکی اور بدحرام لگتی ہیں۔ بانی  
محلی کی لڑکیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ (پتا نہیں وہ لڑکیاں  
ہوتی کہاں ہیں مریج ہے یا مشتری وغیرہ پر) اچھا آخری  
بات اگر میری کہانی شائع ہو جائے تو امی کو جو مجھ سے  
ہزاروں شکایتیں ہیں نا شاید ان میں سے سو دو سو ختم ہو  
جائیں۔ دافصہ باجی کا لہجہ بات کرنے کا انداز اتنا پیارا اتنا  
دلکش ہوتا ہے کہ بس کیا کہوں؟

ج: بیاری۔ دیا! آپ میں صلاحیت ہے۔ اچھا  
لکھتی ہیں لیکن ہم آپ کی کہانی پڑھ نہیں سکے۔ وجہ آپ  
کی لاپرواہی ہے۔ آپ نے صفحات پن اپ نہیں کیے، پن  
نہیں تھا تو سوئی دھاکے سے ناکہ ہی لگا دیتیں پھر سب  
بڑی غلطی کہ صفحات پر نمبر بھی نہیں ڈالے۔ اب ہمیں  
ڈاک سے جو کہانی موصول ہوئی اس کے صفحات منتشر تھے  
اور ان پر نمبر نہیں تھے۔ آپ ہی بتائیے کہ ہم کیا کریں۔  
موت بہت ظالم چیز ہے ہماری عزیز مستود کو ہم  
سے چھین لیتی ہے لیکن یہ تو ابن آدم کا مقدر ہے۔ مشیت  
ایزدی کے سامنے چارہ ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر  
دے۔ آمین۔

قرآن العین نے آٹھ اکبر شاہ سے لکھا ہے  
شروع سے ہی ایک خواہش تھی کہ کاش کبھی کراچی  
جاؤں اور ڈانچٹوں کے آفس۔ درگزر، رودی کی ٹوکریاں  
تک دیکھ دوں، لیکن یہ شاید ممکن نہیں ہو سیکم اگر کبھی

اتنی دور جو ہے۔  
سب سے پہلے میں آسے رئیس خان کے بارے میں  
بات کروں گی کہ ان کے بارے میں یہ پڑھ کے بہت خوشی  
ہوئی کہ اتنی دور سے وہ بھی اس ڈانچٹ میں لکھتی ہیں۔  
ان کا مکمل ناول ”ہو کے مجبور“ پڑھا بہت ہی اچھا تھا اب  
آئی ہوں موٹ فورٹ عسیرا۔ حسن حسین نے بہت  
ہی کم وقت میں اتنا اچھا لکھا شروع کیا ہے۔

واحد بھی اچھا ہے اس کا اے ابن سلیمان سے  
شروع ہونے والا انداز بڑا اچھا لگتا ہے۔ نورالغلوب اس  
میں بھی زہرہ کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوا اور تائی شاہدہ نے تو  
بالکل ٹھیک نہیں کیا صندل بی کے ساتھ۔ مغرور عورت۔  
اب ناولٹ کی بات کرلوں، حنا بشری کا ”نکلی“ اچھا تھا۔  
کیا بات ہے سیر احمد کی تو بھی آپ کا جو نام پڑھ کے  
سب سے پہلے اسی ناؤ کو ہی کھولا۔ ”ایک نئی محبت“ جس  
یعنی بھی اور جتنا اندازہ تھا اس سے بھی سیڈ اینڈ ہوا۔

افسانے سارے ہی اچھے تھے فرزانہ جیمہ کی کہانی  
میں زویا بڑے دل والی تھی۔ ویسے اس مرتبہ امی نے ہی  
فوری کیا کہ خط لکھتے ہیں۔ میں نے لکھ لیا اور اب امی بھی  
لکھیں گی۔ (بھینٹیں) اب میں سب سے دعا کا کہہ رہی ہوں  
کہ میری ایک بہن شہناز اور کران علیزہ، صندریہ لوگ  
ایشری ٹیسٹ دے رہے ہیں تو سب دعا کیجئے گا کہ اللہ  
پاک سب کا کامیاب کرے (آمین)

بیاری قرآن العین! آپ ہمیں بھی اپنی دوست ہی  
بھیجیں اور جی کھول کر باتیں کریں۔ ہم بالکل بور نہیں  
ہوتے۔ آپ کی باتوں سے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ  
افسانہ لکھ سکتی ہیں۔ آپ افسانہ بھجوادیں۔ پکا وعدہ آپ کو  
انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

فخر ناصر..... شور کورٹ کینٹ سے شریک محفل ہیں،  
لکھا ہے

”والعصر“ ہائے اتنی مختصر قسط ہوتی ہے جیسے کسی ڈیلی  
سوپ کی میں منٹ کی ایسی سوڈ ہلو ویسے کہانی ہے بہت  
شاندار۔ حنا بشری جی کا ناولٹ ”نکلی“ کمال کی تحریر  
تھی۔ ویسے کشف روئیاں کیسی بنائی تھی؟ یہ تو آپ نے  
بتایا ہی نہیں ”ایک نئی محبت“ شروع سے آخر تک اس اعلا

تحریر نے اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ سیر احمد اور آپ کا یہ  
پہلا ناول پڑھ کر میں آپ کی دیوانی ہو گئی۔ اب بات  
ہو جائے افسانوں کی تو ”کہانی“ نمبر ون پڑھ لیا۔ آپ کا  
جملہ ”اللہ اور نبی پاک کی محبت کے بعد باقی تمام تعلقات  
بیچ ہیں۔“ دل جیت لیا۔ اس کے بعد ہا ہر جی کا  
نقصان دہرے نمبر پر ”سعادت مند“ بھی اچھی تحریر  
رہی۔ پر آپ شائد دعا کو بھول گئیں اویسے اتنے عرصے  
سے غائب ہیں شائد جی ا۔

بیاری فجر آپ کا ترجمہ اچھا لگا۔ امت العزیز  
شہزاد کی قسط مختصر ہونے کی شکایت بہت ہی قارئین کو ہے۔  
در اصل پچھلے ماہ امت العزیز شہزاد کا پنے کا آپریشن ہوا  
ہے جس کی وجہ سے وہ زیادہ نہیں لکھ پارہی ہیں۔

☆ ☆

## قاری بہنوں کے لیے خوشخبری

نمرہ احمد کا مشہور و معروف ناول  
”صحف“

بہترین کاغذ، خوب صورت سرورق،

مضبوط جلد اور بڑے سائز پر

قیمت صرف: 600/

40% فیصد ڈسکاؤنٹ

رعایتی قیمت: 360/

پاکستان میں ہر اچھے بکسٹال پر دستیاب ہے۔

منگوانے کا پتہ۔

مکتبہ عمران ڈانچٹ 37 اردو بازار کراچی

فون: 02132216361

واٹس اپ نمبر: 03478356396



五

میں زہن کا آغا زکب ہوتا ہے؟  
 ج: کبھی نہیں آگم کل جاتی ہے طبیعت ہوں  
 اسی کو اعلیٰ جاتی ہوں مگر نماز پڑھ کر تعویذ دینے سے  
 سو جاتی ہوں کیونکہ اسکول جاتا ہوتا ہے تو نہیں سنت  
 آدمی کے لئے سو جاتی ہوں۔ چہ بے امنی  
 رہے آگوندہ کرانے لئے ہوتا کرتا کرتا کر کے  
 جن بھائیوں نے اسکول دلائی جاتا ہوتا ہے ان کے

میں زہن کی تالی کی ہو جائے گی میرے لئے آگم  
 کیونکہ واحد یہ ہے جو بہت خیال کرتی ہے۔  
 کسی کو خوش کرتی ہوں کسی کے کام آسکوں۔  
 مرضی دے دے ہر شخص کو کوئی بے شک جتنا  
 بقیہ صفحہ نمبر 216 پر

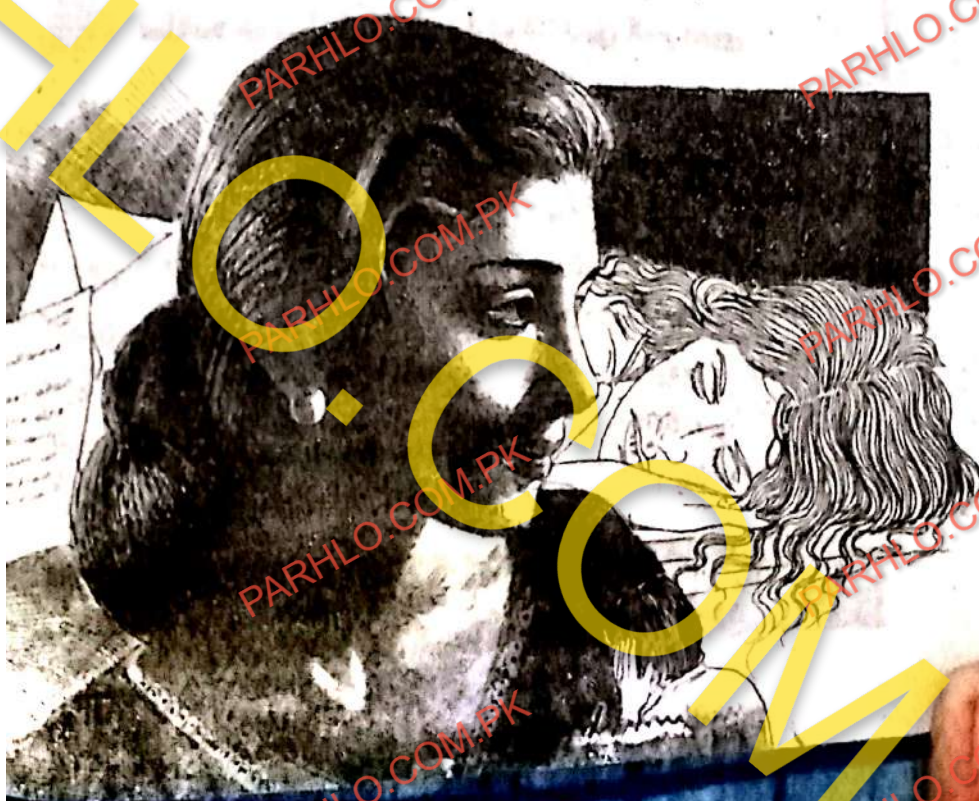
۲۱۶

0317-2266944 برائے چال و اسل اپ بر 0317-2266944



# والعصر

دورانی اپنی مانی اور ماموں کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کی ماں مریجی ہے۔ گھر میں دو ماموں، ممانی اور ان کے ہیں۔ ان میں آپس میں اچھے تعلقات ہیں مگر بڑی ممانی اسے پسند نہیں کرتی ہیں۔ عبادان کا بیٹا ہے۔ آپس جو سراپا اسرار ہے، وہ لوگوں کو اپنی گفتگو سے زیر کرتا ہے۔ اس کے بے شمار عقیدت مند ہیں۔ وہ ایک بے ہوش لڑکی کو لے کر آپس کے ہاں پہنچ جاتی ہے۔ آپس اپنے اس سنٹ خاقان کے ذریعے ڈاکٹر بلاتا ہے۔ مانی دورانی کو پڑھانے کی ذمہ داری عباد پر ڈال دیتی ہیں۔ لڑکی ہوش میں آتی ہے لیکن حواسوں میں نہیں۔ اپنا نام تک نہیں بتا سکتی۔ آپس کے گھر پولیس آ جاتی ہے۔ پولیس کا نام سن کر بی بی کی گھبرا جاتی ہے۔ آپس اسے پرسکون رہنے کا کہتا ہے۔ پولیس انسپکٹر امیر علی اپنے جونی فاروق احمد کے ساتھ آتے ہیں۔ وہ آپس کو تربیتی درکشاں میں روک کر کہتا ہے۔ فاروق احمد تھوڑا سا ہے۔ عباد دورانی کو پڑھانے بیٹھے ہیں، دورانی بتاتی ہے کہ وہ کبائیں امتحان دے رہی ہے، جسے ہر بجیکٹ انتہائی مشکل لگتا ہے۔ فیروزہ کی بیٹی شوہن کی شادی ہوتی ہے، اس میں ہالی کا بھی نکاح کر دیا جاتا ہے، ہالی انتہائی کم عمر ہے۔ شاکر فیروزہ کا بڑا بیٹا اپنے باپ کے حکم پر گھر تعمیر کروا رہے ہیں۔ ان کے والد بنگلہ دیش میں کاروبار کے سلسلے میں رہتے ہیں۔ فیروزہ کا چھوٹا بیٹا عاصر بہت خود مر ہے۔ وہ میس سے بہت چڑتا ہے۔ وہ ماں سے پیسے مانگتا ہے۔ انکار پر مانی بالکونی سے الٹا لٹکا دیتا ہے۔









”میں تو بھی اتنا اہتمام ہی کروں گی۔“ واصل میری طبیعت یہ گوارا ہی نہیں کرتی کہ محبت کے غبار میں غبار نہ لگایا جائے۔ ”آپ اگر یہ سیاسی بیان انہوں نے انکار کے لئے دیا ہے تو بات ٹھیکہ دینی چاہیے۔“

"تم مجھے غصہ کرنا چاہتے ہو۔"  
"میں نہیں، میں صرف آپ کا نام روشن کروں گا۔"



بعد تو اسے کچھ نہیں تا کہو گے۔ ابھی ہم زندہ ہیں جو ڈانٹ ڈھک کرنا ہے وہ ہم خود ہی کیے لیں گے۔  
 سہیل نے کہا کہ آپ نے ڈانٹ ڈھک اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس وقت اس کچھ نہیں کے ساتھ کیا  
 کروائے مگر وائے بے بسی۔ بس اسی قدر کر رہا تھا۔  
 ”چلو جاؤ یہاں سے کلہ وراز کہیں کا۔“ فیروزہ نے ناگواری سے عامر کو بھڑکا پھر اپنے کام میں جمید کی  
 سے مفرور بیٹھی کو پکار کر بولیں۔  
 ”اے بابو۔۔۔ تم آؤ نے ہرے کمرے میں۔۔۔ یاد رہے ہر ایک کو اتار دو۔“  
 ”جی امی۔۔۔ وہ ان کے کہنے پر تالیاں داری سے فی الفور اپنا کام اور ہوا چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔ غلطی کی جو جزل  
 وہیں چھوڑ دیا۔  
 کام پورا کر کے جب لوٹا تو وہ وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆  
 ”میلہ۔۔۔ یہ ٹرائفل لوٹا۔۔۔ واللہ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔“  
 کھانے کی میز پر تو ظاہر ہے سارے کمرے والے موجود تھے وہاں کوئی ”بے ضرر“ سا جھوٹ بولنے کی ہمت  
 شریفہ نہ کر سکیں۔ ہاں مگر کھانے کے بعد جب سہراب دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا تو وہاں اب سوائے  
 صلاح، عینا اور خود ان کے کوئی ”غیر“ نہ تھا تب اس موقع کو شریفہ نے اپنے ہاتھوں بازو کا بوجھ  
 بڑھانا گزیر خیال کیا تھا۔  
 ”نہیں آنٹی۔۔۔“ ہلکی کسمی، حیر اور گہری سرخ شرٹ میں ملیوس، بیش قیمت خوشبوؤں میں نہایا سہراب  
 قطعیت سے بولا۔ ”میرا۔۔۔ بس ہو گیا۔“

”ارے کیوں بیٹا۔۔۔“ شریفہ اصرار کرنے لگیں۔ ”کیا پتہ نہیں آتا؟“  
 ”نہیں آنٹی بہت پیٹھ پیٹھ ہے۔“ وہ زبردستی سکرا کر بولا۔ ”مگر میں اور نہیں لے سکوں گا۔“  
 ”ارے لے لو بار۔“ سہراب کے برابر میں بیٹھ کر بیٹھے سے پورا پورا انصاف کرتے صلاح کو بھی آداب  
 میرانی ادا کرنے کا خیال آتا۔ ”میں تو خود حیران رہ گیا ہوں یہ جان کر کہ یہ واللہ نے بنایا ہے۔“  
 ”کیوں اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔“ عینا نے کہا اس کی نگاہ سے اسے کھو کر ٹوکا مگر۔  
 ”میں سمجھا تھا کہ یہ بچی ٹیکس نے بنایا ہے۔“ کیوں کا جواب حاضر تھا۔ ”دراصل اس کا ڈالہ بالکل  
 چچی۔۔۔“

”صلاح میرے بچے۔۔۔“ اسے پیٹ ڈالنے کی شدید خواہش دل میں ہوتے ہوئے شریفہ نے جس ”دل  
 سے اسے اس قدر شہداء گئیں۔ لہجہ میں مخاطب کیا تھا اس وقت یہ بس ان کا ”دل“ ہی جانتا تھا۔ ”تم اسے چھوڑ  
 اور جاؤ جا کر جائے تیار کرواؤ۔“

”نہیں آنٹی۔۔۔“ سہراب جلدی سے بولا۔ ”چائے رہنے دیں۔“

”جاؤ نا صلاح۔۔۔ اچھا سا قہوہ بنا کر لاؤ۔“ عینا بڑی مسلسل کموریوں پر وہ بھی سمجھا کہ شاید وہ کچھ زیادہ  
 ہی اندھے پن سے کھارہا ہوگا۔ تب ہی اس باران کے ٹوکے پر وہ قدرے خفیف سا ہو کر بیٹھے کی ٹرے اٹھائے  
 ایک دھماکا اور ڈرائنگ روم سے باہر شریفہ لے گیا۔  
 اور اس کے ڈرائنگ روم عبور کرنے کی دیر بھی نہ تھا مزید وقت ضائع کیے بغیر جلدی سے مطلب کی بات پر  
 آتی ہوئی بولیں۔

”اور بھئی باب۔۔۔ آگے کے کہا پانزویں؟“  
 ”کیسے پانزویں؟“ وہ بھی سے انہیں دیکھنے لگا۔  
 ”بھئی کمرے کے۔“ وہ جتنا ہوا کر عام سے لہجہ میں کہہ گئیں۔ ”ہوں کب تک اکیلے ہو گئے؟“  
 ”ارادہ تو ہے۔۔۔“ وہ ”بیٹا“ سا بن کر بولا۔ ”پکوئی اچھی سی لڑکی ملے بھی تو۔۔۔“  
 ”تو کیا تمہاری امی نے نہیں دیکھ رکھی؟“ شریفہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس ضمن میں پہلا سوال  
 پوچھا۔

”مورے نے اس بارے میں سارا اختیار مجھے ہی دے رکھا ہے۔“  
 وہ دل ہی دل میں ان کے سوالات پر ہنستا ہوا بظاہر متانت سے بتاتے گیا۔  
 ”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ شریفہ یہ سن کر کھل اٹھیں۔ ”میرا مطلب ہے کہ جب زندگی تم نے  
 گزارنی ہے تو لڑکی بھی تمہاری ہی پسند کی ہوئی چاہیے۔“

”جی۔۔۔“  
 ”جی واوے۔۔۔“ عینا نے بغور سے دیکھتے ہوئے اختیار کیا۔ ”پتہ ہے کیا تمہاری؟“  
 ان کے ذہن میں یہی خیال تھا کہ جو خود اس قدر سین و جمیل ہے یقیناً جیون ساتھی کے حوالے سے اپنے  
 جیسی ہی کا مطلب گار ہوگا مگر۔  
 ”بس یہی کہ نیک، خاندانی اور گھریلو لڑکی ہو۔“ ہاں۔۔۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بہت عمدہ ”ادا کار“ ہے مگر  
 اتنا۔

”ہیں۔۔۔ واقعی؟“ شریفہ پر تو اس کا ”سیدھا سادا“ سا جواب ان کی شادی مرگ طاری ہو گیا۔ کہ ظاہر  
 ہے یہ عینا اور صاف واللہ میں موجود تھے۔ اگر جو وہ کسی حور پری کا ذکر کر دیتا تو۔  
 پتا نہیں اس لفظ کے ساتھ ہی ان کے ذہن میں اس منحوس ماری ورٹی کا چہرہ کیوں ابھر اٹھا۔ بہر حال  
 انہوں نے جبر جبری سے لڑکیوں سے لاجول پڑی۔  
 ”جی آنٹی۔۔۔“ وہ کھمبیر تانے سے بولا۔ ”کیوں کہ میں کہتا ہوں کہ حسن ہو یا امارت۔۔۔ یہ سب فانی  
 ہے۔“

”اگر یہ۔۔۔“ عینا حقیقتاً متاثر ہو کر بولیں۔ شریفہ بھی بے اختیار کہ اٹھیں۔  
 ”واہ بچے۔۔۔“ کتنے عمدہ خیالات ہیں تمہارے۔۔۔ مگر نہ آج کل کے نوجوان اس طرح کہاں سوچتے  
 ہیں۔“

”بس آنٹی۔۔۔ میری سوچ تو یہی ہے۔۔۔“  
 ”دیش دیری گڈ۔۔۔ عینا دھیرے سے سکرا کر اسے سراہتی ہوئی بولیں۔  
 ”تو کیا خیال ہے پھر۔۔۔ ایسی کوئی لڑکی ہم تمہارے لیے ڈھونڈیں؟“  
 ”شیور۔۔۔“ وائے ناٹ۔۔۔ وہ بلاتامل بولا تو عینا اور شریفہ نے بے ساختہ ایک دوسرے کی جانب بے پناہ  
 مسرت سے دیکھا۔

”سوچ لو۔۔۔ پھر اعتراض تو نہ کرو گے؟“ شریفہ اپنے تئیں اسے ”پکا“ کرنے کی غرض سے بولیں۔  
 ”نہیں آنٹی۔۔۔“ وہ تالیاں داری سے بولا۔ ”میں کیوں اعتراض کرنے لگا۔“  
 ”واہ بھئی۔۔۔“ شریفہ حیرت و شادمانی کی ملی جلی سی کیفیت کے زیر اثر بولیں۔ ”تم تو بڑے ہی سیدھے اور  
 سادے۔۔۔“



”آپ کی محبت..... چلیں آئی اب میں چلتا ہوں.....“ وہ کہہ کر ایک دم ہی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”ارے بھوہ تو پتے جاؤ.....“  
”پھر کبھی بچو..... ابھی تو میں فل ہو چکا ہوں.....“ وہ الوداعی مسکراہٹ لبوں پر لا کر بولا تو عینا نے مزید اصرار نامناسب خیال کرتے ہوئے کہا۔  
”چلو جیسی تمہاری مرضی.....“  
”اور اب آتے جاتے رہنا بچے.....“ شریفہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے شفقت سے بولیں۔ ”بس سمجھ لو کہ آج سے یہ ہی تمہارا اہل گھر ہے.....“

☆☆☆

”سو..... کیسا ہاتھ مارا پر و مشغل ٹرپ؟“  
بی۔ ڈی دو چار روز قبل ہی ترکی سے اپنی فلم کی پروموشن کر کے لوٹی تھی..... اور ان دنوں سفر کی تھکان، گھر ہی پر رہ کر اتار رہی تھی..... پر آج جب اس کے چند قریبی دوستوں نے اسے اس ”کیشورول گیدرنگ“ میں بلوایا تو اس نے انکار یوں نہ کیا کہ وہ ان دو چار دنوں میں گھر میں تنہا رہ کر ناک تک بے زار ہو چکی تھی..... بہر حال.....  
اب وہ رومی کے فلیٹ پر منعقدہ اس گیت نو گیدر میں موجود تھی اور اس کے ٹرپ اور فلم سے متعلق دل چسپی سے کہے جانے والے ان سب ہی کے سوالات کے جواب بڑی خوش دلی اور مسرت سے دے رہی تھی۔  
”اوہم..... فٹاسٹک۔ (میری توقعات سے بڑھ کر)“ وہ ٹی کے سوال پر جواباً بولی۔  
”وٹش گریٹ.....“ رومی بولا۔ ”اور مودی کب ریلیز ہو رہی ہے؟“  
”اسی منٹھ یار.....“ وہ اورج سیش کا گھونٹ بھر کر بولی۔ ”تم سب نے لازمی دیکھنے جانا ہے اچھا۔“  
”واٹ ڈارنگ.....“ ٹی بولی۔

”ان فیکٹ..... وی آر ڈائمنگ ٹو وچ پور مودی یار.....“ رومی بولا تھا۔  
”اوہ.....“ بی۔ ڈی سینے پر دایاں ہاتھ رکھ کر از حد ممنوعیت سے بولی۔ ”سو سوٹیٹ۔“  
تب ہی اس کا فون بجنے لگا تھا..... اس نے سیاہ جینز کی جب سے نکال کر دیکھا..... کوئی انجان نمبر تھا..... سواس نے نظر انداز کرنا چاہا مگر جب وہ نمبر نظر انداز ہونے پر راضی ہی نہ ہو تب چارو نا چارو اپنے دوستوں سے معذرت کرتی ہوئی اندر جاری شور و ہنگامے سے پرے نسبتاً پرسکون کونٹے میں آ کر فون موصول کرتے ہوئے بے زار رہے۔  
”ہیلو.....؟“

”ہیلو.....“ دوسری جانب سے ایک بھاری مردانہ آواز ایئر میں گونجی..... ”بی۔ ڈی سے بات ہو سکتی ہے؟“

”لیس..... بی۔ ڈی از میئر..... وہ اکتاہٹ سے بول کر بھی سمجھ رہی ہوگی کہ ہوگا کوئی اس کا انٹرویو کرنے کا خواہاں صحافی یا یوٹیوبر.....“

”میم..... میں تیمور راجپوت بات کر رہا ہوں.....“  
”کون تیمور راجپوت.....؟“ تعارف تو اس نے یوں کروایا تھا گویا کوئی بہت مشہور ہستی ہو تب ہی بی۔ ڈی استہزائیہ لہجے میں مستحضر ہوئی۔

”علائقہ خان سوسائٹیڈ کس کا انو۔سٹی گیشن آفیسر.....“

”اوہ.....“ اس کی ساری بے زاری واکتاہٹ اس ایک نام کو سن کر ہوا ہو گئی۔  
”لیس میم.....“ وہ اس بار خاصے پیشہ وارانہ لہجے میں بولا تھا۔ ”اس کیس کے سلسلے میں آپ سے چند سوالات کرنے ہیں.....“

”مگر اس کیس سے میرا کیا تعلق؟“ وہ خوف زدہ تو ہو گئی تھی مگر پھر بھی سنبھل کر بولی۔  
”وہ بتا کرنا ہمارا کام ہے۔“

”ایک کیس کیس.....؟“ وہ اس بات پر ناگواری محسوس کرتی ہوئی بولی۔

”میم..... آپ کا وقت چاہیے.....“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”ہیلو..... ہیلو..... آواز نہیں آرہی آپ کی.....“ وہ اس کے مطالبے پر گھبرا گئی تھی..... اب اور کیا کہتی سو بہانے سے فون کاٹ کر اندر آ گئی۔

”کس کی کال تھی؟“ رومی نے پوچھا۔

”ڈونٹ نو.....“ وہ پھیکے سے انداز سے مسکرا کر بولی۔

”سے کی رائگ نمبر.....“

”ہاں بھئی اب سنی ری جو بن گئی..... اب فیض تو کال کر کر کے بچ کریں گے.....“ ٹی مٹا کر سے لہجے میں بولی۔

”لیڈاٹ..... لیڈاٹ.....“

”یو کی کی آن فرینڈز.....“ یکا یک اس کی دل چسپی اس محفل سے ختم ہو گئی تھی۔ تب ہی وہ یہاں سے نکلنے کے لیے توتلے ہوئے بولی۔

”پر تھیں ابھی ایک بہت ضروری کام سے نکلنا ہوگا.....“

”اوہ نو.....“

”سو سوری مائی ڈیئر.....“ وہ اس کے گال سے گال ملا کر الوداع کہتے ہوئے بولی۔ ”پر کام کام ہے۔“

”اوہ یے.....“ وہ بے دلی سے بولا۔

”چلو پھر ویک اینڈ پر ملتے ہیں ڈولی کے ہاں.....“

☆☆☆

”دو پہر میں عامر اور عیسیٰ کا اتنا جھگڑا ہوا۔“

ہوا کے ایک مہربان و لطیف سے جھونکے نے بڑے پار سے اس کے عارض سہلائے تو وہ چونک پڑا۔ اب یہاں کوئی نہیں بس وہ اکیلا تھا۔ ہاں مگر وہ تنہا ہی۔ وہ اس کے آگے کچھ بیان کرنا تو چاہ رہی تھی۔ شاید ایک اور منظر۔ ہاں ایک نیا منظر جہاں کمرے میں موجود فرج اپنے دفتر سے لوٹنے والے اپنے مجازی خدا کو چائے پیش کرتے ہوئے دو پہر میں ہونے والے واقعہ سے آگاہ کر رہی تھیں۔

”اچھا کس بات پر؟“ ململ کے سفید کرتے شلوار میں ملبوس، اپنے بستر پر نیم دراز، تین سالہ ارسل کو گود میں لیے بیٹھے شاکر نے سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔

”وہی عیسیٰ کی سکرپٹ بننے والی بات۔“ وہ کاٹ میں پڑے ارسل کے کھلونے سمیٹتے ہوئے بولیں۔

”اچھا..... ہاں ہوں۔“ چھوٹا بھائی بگڑ رہا تھا۔ وہ بیوی کے سامنے اچھے خاصے شرمندہ سے ہو گئے۔

”ظاہر تو وہاں بس گیا الگ تھلک.....“ فرح لہجہ کو سرسری سا بنا کر کہہ سمیٹنے کے ہاتھ ساتھ ہولے گئے۔



اور اپنے آپ کو اتنا بچھڑے کر بھیج دیا کہ بڑے ہو۔ چھوٹے بھائی بہنوں کا خیال رکھا کرو۔ حال آں کر خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اب آپ کی پہلی خود بڑھ رہی ہے۔ اور یہاں تو ہر کوئی اپنی مرضی کا مالک ہے بھی۔ کسی کو سمجھانا اپنی ہی بے عزتی کر دینے کے مترادف ہے۔

”ہاں، کہہ تو تم بھی ٹھیک ہی رہی ہو۔“ وہ ارسل کو بستر پر بٹھاتے ہوئے تشویش زدہ سے لہجے میں بولے۔

”کیوں شاکر؟“ وہ سائینڈ ٹیبل سے چائے کا کپ اٹھا کر انہیں دیتے ہوئے ان کے سامنے آ بیٹھیں۔ ”آپ کے گھر کا کھانا لاواحول دیکھ کر ڈر گئی ہوں مثلاً۔ مجھے اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر ہے۔“ انہوں نے اغا دایاں ہاتھ ابھرے ہوئے بطن پر یوں رکھ لیا جیسے آنے والے لوگوں کے گھر والوں کے شر سے بچانا چاہتی ہوں۔

”فکر تو مجھے بھی ہے فرح۔“ شاکر پریشان سے ہو کر بولے۔ ”پر سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں؟“

”آپ کہیں باہر گئے لیے اچھائی کیوں نہیں کر دیتے؟“

”باہر گئے لیے؟“ وہ نا اچھی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگے۔

”ہاں، میرا مطلب ہے کہ امریکہ یا پھر کینیڈا؟“ وہ ازل کو گدگد کر بولیں۔

”یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔ کئی سال لگ جاتے ہیں پراسس میں۔“ مگر شروع تو کیجیے۔“

وہ پرجوش سی ہو کر بولیں۔ ”اگر آپ راضی ہوں تو میں نیلو باجی سے بات کر دوں؟“

”ان سے کیا بات کرو گی؟“

”افوہ۔۔۔۔۔“ وہ مرتاج کی سادگی پر ہنس کر بولیں۔ ”اتنے سالوں سے وہ لوگ وہیں سٹلو ہیں۔ بزنس میں ہیں شس بھائی (بہنوئی) اتنے تعلقات ہیں وہاں ان کے۔ آپ چاہیں تو وہ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔“

”ہوں چلو بات کر کے دیکھ لو۔“ وہ پرجوش سے لہجے میں ہم رضا مندی سے بولے۔

”ٹھیک ہے پھر آپ مجھے کل آفس جاتے وقت امی کی طرف ڈراپ کر دیجیے گا۔ وہیں میں ان سے فون پر بات کر لوں گی۔“

☆☆☆

”ارے میں تو سمجھ رہی تھی کہ ناجانے کتنے باپڑ بیٹے پڑیں گے اسے رام کرنے کے لیے، مگر یہ مرحلہ تو بہت ہی آسان ثابت ہوا۔“ نہ صرف دعوت اچھے سے منجھ گئی تھی بلکہ شریفہ نے مطلوبہ ہدف بھی با آسانی حاصل کر لیا تھا یوں اب وہ بے اندازہ شاداں و فرحاں سی عینا سے مخاطب تھیں۔

”چلیں یہ تو ہو گیا نا۔۔۔۔۔“ اپنے دائیں ہاتھ کے ناخنوں سے نکل کر منائی عینا، شریفہ کی بہ نسبت معتدل سے لہجے میں بولیں۔ ”اب یہ بتائیں کہ آگے کیا کرنا ہے؟“

”اس کی ماں کو گھر بلوائیں گے۔۔۔۔۔ اور کیا کرنا ہے؟“ شریفہ آئندہ کالا کھٹ گل واضح کرتے ہوئے بولیں۔

”اور دادی بیگم، آپ ان سے کیا کہیں گی؟“ عینا روٹی کے چھوٹے سے گالے کو نفاس سے اپنے گلابی ناخن پر رکھتی ہوئی کسی قدر تشویش سے مستحضر ہوئی۔

”بھئی کہوں گی کہ سہراب کی ماں وائلہ کے لیے آنا چاہا رہی ہے۔“ ظاہر ہے سب سے آسان جواب یہی ہوتا۔

”اور وہ اتنی آسانی سے رضامندی ظاہر کر دیں گی ہے نا؟“ عینا چوں کہ ایک حد تک ہی خوش گماں ہو سکتی تھی سو منہ نہ بولیں۔

”نہ کریں۔“ تازہ بہ تازہ کامیابی کا شمار چوں کہ ابھی سرچڑھ کر بول رہا تھا۔ سو انہاں نے لہ پروائی سے۔

کہا۔

”ادھر ان کی رضامندی کی فکر بڑی بھی کسے ہے؟“

”پر ڈیڈ ایسے معاملات میں ان کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں مام۔“ عینا نے یاد دہانی کر دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ آپ مت بھولیں۔“

”ہاں تو ان کی رائے کی اہمیت کے چکر میں، کیا میں اتنے اچھے لڑکے سے ہاتھ دھو لوں؟“ وہ عینا کے جتانے پر خفا سی ہو گئیں۔

”یہ میں نے کب کہا۔۔۔۔۔“ عینا نیل ریموڈر کی شیشی کا ڈھکن مضبوطی سے بند کرتے ہوئے بولیں۔ ”میں ایک امکان ذہن میں رکھیں کہ ان کی طرف سے اعتراض کیا جاسکتا ہے۔“

”ہوں چلو ایسا کرتی ہوں کہ بات پہلے بڑی بی کے کان میں ڈال دیتی ہوں۔“ اس بار وہ عینا کی بات پر غور کرتے ہوئے بولی تھیں۔

”پھر سہراب کی والدہ کو بلوائیں گے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ یہ زیادہ ٹھیک رہے گا۔“ دونوں بیٹھ کر مزے سے اپنی دانش میں مستقبل کے منصوبے بناتے گئیں۔

اور آج بطور خاص ان کی گفتگو سننے کی غرض سے دروازے کے اس پار کھڑی وری کا جی چاہا کہ وہ زور زور سے قہقہے لگاتے ہوئے تہہ بہ تہہ بارہونا تو کجا مسکرا بھی نہ سکی کہ اس ایک پریشان کن سوچ نے دفعتاً حملہ آور ہو کر اسے جدوجہد شکر کر ڈالا تھا کہ۔

”وائلہ کے لیے سہراب کا نام اگر نانی بیگم نے رد کر دیا تب انہیں وہی نام وری کے ساتھ جوڑنا کیوں کر قابل قبول ہوگا؟“

☆☆☆

”کہاں ہے آتش؟“ وہ وری کے گھر سے سیدھی آتش کدے چلی آئی کہ اور جاتی کہاں سکتی تھی۔

”جیم۔۔۔۔۔ پر آتش تو ابھی تک گھر نہیں پہنچے۔“ خاقان مودب سے لہجے میں اسے آگاہ کرتا ہوا بولا۔

”جیم پہنچا۔۔۔۔۔“ وہ جو اپنا بیڈ بیگ ایک طرف ڈال کر لاؤنج کے مومنے پر براجمان ہونے کا ارادہ کر رہی تھی، اسے اطلاع یا گھرے ساختہ خاقان کی جانب گھوم کر بولی۔ ”پر رات اس نے کہا تھا کہ آج شام کی فلائٹ سے وہ کراچی پہنچ جائے گا۔ میں تو یہی سوچ کر آئی تھی کہ اب تک تو وہ یہاں پہنچ چکا ہوگا۔“

”جی جیم۔۔۔۔۔“ خاقان دھیرے سے گردن اثبات میں ہلا کر تائید بولا۔

”میرا خیال ہے کہ سربس جیتنے ہی والے ہوں گے۔“

”اور تب تک میں کیا کروں؟“ وہ کوفت زدہ سی ہو کر بولی۔

”آپ چاہیں تو لاہریری میں ان کا انتظار کر سکتی ہیں۔“ خاقان بولا۔

”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔“ واقعی اگر آتش اب تک نہیں پہنچا تو بس جیتنے ہی والا ہوگا۔ اور اسے تو ہر حال میں آتش سے ملاقات کے بعد ہی واپس جانا تھا، سو وہ اپنا بیگ کندھے پر لٹکائی ہوئی کتب خانے کی سمت بڑھ گئی۔

☆☆☆

”کیسی ہو؟“

گھر کے درود یوار سے لپٹی تہائی کی سرگوشیاں تا حال جاری تھیں سو وہ رخ انداز ہونے کے بجائے خاموشی



”کچھ تو کیا ہی ہوگا ناجو وہ اتنے یقین سے والٹہ کے لیے تمہاری امی کو بلوانے کے لئے مامور ہیں۔“  
وہ سلگ کر بولی۔

”وہاٹ؟“ وہ حیران ہوا۔ پھر ہنسنے لگا۔ ”انٹر سٹنگ۔“

”کیا انٹر سٹنگ سہرا ب.....“ وہ اس کے ہنسنے پر غلطی سے بولی۔  
”بہت نازک معاملہ ہے۔ وہ تو اسے طور پر سب کچھ طے کیے تھے۔ بلکہ آج وہ وہاں تھے۔“  
والٹہ کے رشتے کے لیے نانی بیگم سے بات بھی کریں گی۔

”میں نے تو یوں ہی مذاق کیا تھا ان سے.....“ وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ”اب مجھے کیا ہوا؟“  
سنجیدہ ہو جائیں گی۔

”انگرا نبھوں نے والٹہ کے لیے رشتہ لانے کو کہا تب تم کیا کرو گے؟“

اس نے پریشانی سے جانا چاہا مگر وہ اچانک ہی بھڑک اٹھا۔

”بھڑا میں کئی والٹہ اور یہ رشتہ دشتہ، تم کسی اور ناپک پر بات نہیں کر سکتے۔“

”اتنا چلا کیوں رہے ہو سہرا ب؟“ ورنی نے انھیں زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

”اگر تمہاری اس لڑکی شریفہ کا دماغ خراب ہے تو میں کیا کروں؟“ وہ درختی سے ہلکے چلے۔ ”تم کیوں

اس کا ذکر بار بار کر کے یہ وقت برباد کرنے پر توجہ دیتی ہو؟“

”یہ بات میرے لیے بہت اہم ہے۔“ وہ دوبارہ بولی۔ ”تب اس بارے میں سوال تو میں پوچھوں گی نا

.....“

”میں کوئی مجرم ہوں جو تم مجھ سے سوال پوچھتی ہو؟“ وہ بولا۔ ”اس کی جانب دیکھ کر دھاڑا تھا۔“

”سہرا ب.....“ وہ سہم کر ہراساں نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے مری ہوئی آواز میں بولی۔ ”یہ تم مجھ سے

کس طرح بات کر رہے ہو؟“

”کس طرح بات کر رہا ہوں؟“ یہ ایک سنسان سڑک تھی کہ جس کے کنارے سہرا ب نے گاڑی ایک جھکے

سے روک دی اور بغور بہت عجیب ناقابل فہم نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھے گی۔ دیکھے گیا اور پھر..... اچانک ہی

تقبہ لگا کر ہنس پڑا۔

”سہرا ب.....“ اس سے دور ہٹتے ہٹتے اپنی طرف کے دروازے سے تقریباً چپکی ہوئی ورنی نے سر اسیکی

سے اسے پکارا تھا۔

”ہاں سہرا ب کی جان.....“ وہ جب اچھی طرح قبضہ لگا چکا تب بولا۔

”کیا ہوا؟“

”تمہیں کیا ہوا ہے۔“ وہ خوف زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ کر بولی۔

”مجھے کیا ہوا ہے کچھ بھی نہیں.....“ وہ کندھے اچکا کر بہت مزے سے بولا۔

”مگر تم اچھی بہت عجیب طرح بیہو کر رہے تھے۔“

”تمہارے چہرے کا یہی تاثر دیکھنے کے لیے تو تم سے مذاق کیا تھا خوف زدہ ہوئی.....“ وہ ہاتھ بڑھا کر

اس کی ٹھوڑی چھو رہا ہوا۔

”تو یہ مذاق تھا؟“ جان براؤس کے دل کو ذرا ڈھارس ہوئی۔

”ہاں دل رہا.....“ یہ مذاق ہی تھا۔ ”وہ گاڑی اشارت کر کے دوبارہ سڑک پر ڈالنے ہوئے بولا۔ ”چلو بتاؤ

.....“

کے لئے گیا۔  
عمر اس وقت فون پر ریٹا سے مخاطب تھا۔ تب ہی دوسری طرف سے وہ اسٹارٹ کر بولی۔

”میں ویسی ہی حسین ولا جواب تم بتاؤ میرا کام کیا؟“

”وو..... دراصل عیسٰی نے اسکول میں بات تو کی مگر.....“ اس نے جواباً بہانے بازی سے کام لینا چاہا مگر

مقابل بھی ریٹا بھی سوچک کر بولی۔

”مگر کام نہیں بنا..... یہی نا؟“

”میں نے یہ کب کہا.....“ وہ سنبھل کر بولا۔ ”میں تو تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ اب میں کل خود جا کر.....“

”رہے دو.....“ وہ ناراضی سے بولی۔ ”مجھے تمہاری باتوں میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔“

”ناراض کیوں ہوتی ہے۔“ وہ اسے پکارنے لگا۔ ”میں کہہ رہا ہوں نا کہ کل خود جا کر کوئی سینگ بنانے کی

کوشش کروں گا۔“

”اس احسان کی ضرورت نہیں۔“ وہ زور دے پین سے بولی۔ ”میں خود کچھ دیکھ لوں گی۔“

”تم کیا دیکھو گی؟“ اس نے جانا چاہا۔

”میرا بھائی مشکل میں ہے..... کچھ نہ کچھ تو کروں گی نا اس کے لیے.....“ وہ عزم سے بولی۔

”سب سے..... سیدھا راستہ یہی ہے کہ اسے کہو جو بات کے پھرے بنا کر ساتھ لے جائے۔“ وہ بہت خیر

خواہی سے اس کے مسئلے کا حل نکالتا ہوا بولا۔

”مشورے کا شکریہ.....“ ریٹا تنک کر بولی۔ ”فون رکھ رہی ہوں میں۔“

”بات تو سنو یا ر.....“ وہ منت بھجے لہجے میں بولا۔

”صرف باتیں ہی تو کرنا آتی ہیں تمہیں۔“ وہ طنز سے بولی۔ ”جنہیں سننے کا اس وقت میرا کوئی سوز

نہیں۔“ اس نے نخوت سے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ تب عامر نے بھی بے بسی آمیز غصے سے ریسیور کرڈیل پر پٹ

دیا۔

اسے اس وقت عیسٰی پر شدید تاؤ چڑھ رہا تھا۔

”کیا تھا جو وہ میرا کام کر دیتا۔ مگر نہیں مگر چلے خیر ہے۔ میں نے بھی اسے سبق کھانے کا خاطر خواہ انتظام کر

لیا ہے۔“ اس کی تسلی بھری سوچ نے آ کر اس کو کسی قدر پرسکون کر دیا تھا۔ تب ہی وہ سیٹی بجاتا ہوا دہاں سے اٹھ گیا۔

☆☆☆

نظر انھی محبت نے انگڑائی لی

دل کا سودا ہوا چاندنی رات میں

”میں کل تمہارے لیے تمہارے گھر آیا تھا اور تم ہی سامنے نہ آئیں۔“ اس کے دن ملاقات ہونے پر وہ ورنی

کے سامنے سر اباٹھو بنا ہوا تھا۔

”یہ کیا مذاق تھا زندگی؟“

”میری چھوڑ دتم اپنا بتاؤ.....“ وہ کل رات شریفہ اور عینا کے مابین ہوئی گفتگو کی خلاصی الجھتی تھی۔ تب ہی

جواباً استفسار کرنی ہوئی بولی۔

”یہ تم کل کیا مذاق کر کے مجھے ہولڈی شریفہ سے؟“

”میں نے کیا کہا ہے؟“ وہ تالا.....“







میں نے اپنی دیدہ زیب شمع افغانی ہی تھی کہ تب ہی شریف طہی آئیں۔  
 "ہاں، ہاں، ہو بیگم۔" چون کہ وہ بھی بکھار ہی ان کے کمرے کو اس طرح رونق بخشی تھیں سو لیاقت بیگم نے  
 شمع ایک طرف رکھ دی اور خوش دلی سے بولیں۔ "آؤ بیٹھو سب خیریت تو ہے نا؟"  
 "ہاں اللہ کا شکر۔" وہ غار غار ابھی ابھی نہا کر نکلی تھیں سو بڑے انداز سے اپنے مختصر سے نم بالوں میں تیز  
 تیز انگلیاں چلاتے ہوئے لیاقت بیگم کے پٹنگ کے سامنے پڑے سونے پر براجمان ہوتے ہوئے بولیں۔  
 "سب خیریت ہی خیریت ہے۔"  
 "ماشا اللہ۔" لیاقت بیگم خلوص دل سے بولیں۔

"اللہ تعالیٰ سے بجائے۔"  
 "ہاں بھئی۔" بالوں میں اچھی طرح انگلیاں چلا چکنے کے بعد شریفہ کسی قدر زراہٹ سے بولیں۔ "یہ  
 دعا تو آپ میرے بچوں کے لیے ضرور ہی کریں۔ ابھی تو عینا کی شادی اتنے شان دار گھر میں کی ہے اور اب  
 دیکھیے نا۔" دائلہ کے لیے بھی ایک اور بڑے گھر سے سوال آ گیا۔ "مفتکو کو اپنے مطلب کے رخ پر لے جانے  
 میں تو انہیں ملکہ حاصل تھا۔ سو وہ بڑے مزے سے کہہ گئیں۔  
 "ارے ماشاء اللہ۔" ظاہر ہے دائلہ بھی انہی کی پوتی تھی سو وہ بے ساختہ بے پناہ مسرت میں گھر کر  
 بولیں۔ "سو بیگم، تو بہت اچھی خبر سنائی تم نے۔"  
 "ہاں بھئی۔" وہ گھبرتا سے بولیں۔ "سچ پوچھیے تو میں دائلہ کے لیے بڑی فکر مند تھی۔ ایک تو عینا جیسی  
 حسین و جمیل بھی نہیں اور پر سے ہے بھی عقل کی پوری۔"

"خدا کا خوف کرو ہو بیگم۔" ان کے نار و خیالات پر لیاقت بیگم بے اختیار انہیں ٹوک بیٹھیں۔  
 "ہر کسی کی اپنی شخصیت اور گمن علیحدہ ہوتے ہیں۔ یوں بچوں کا ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ درست  
 نہیں۔"  
 "میں ہاں ہوں اس کی اماں بیگم۔" شریفہ چڑ گئیں۔ "یہ تو لوگ ہی خیر جانے دیں۔ میں آپ کو رشتے  
 کے بارے میں بتا رہی تھی۔"  
 "ہاں۔۔۔۔۔۔ ہاں ہم اللہ کرو۔" لیاقت بیگم پر شوق سے انداز میں چوکنی سے ہو کر بیٹھ گئیں۔ "میں سن رہی  
 ہوں۔"

"لڑکا بہت اسمارٹ، پڑھا لکھا اور خاموشی ہے۔" اب ہاتھیں سہراب کے یہ کوائف شریفہ نے کہاں سے  
 حاصل کیے تھے بہر حال وہ زور و شور سے بتائے گئیں۔ "باپ کا برس چلا تا ہے خوب پیسے والا اکوڑا لڑکا ہے۔"  
 "میں۔۔۔۔۔۔" لیاقت بیگم نے آنے والے رشتے کی چیدہ چیدہ خصوصیات سماعت کرنے کے بعد اپنے  
 مخصوص انداز سے ہنکارا بھرتے ہوئے پوچھا۔  
 "اور یہ رشتہ آباؤ کے توسط سے ہے؟"

"وہ۔" شریفہ کی بے نقط چلتی زبان ذرا کی ذرا لڑکھا گئی کہ جان گئی تھیں پریشان کن سوالات کی ابتدا ہوا  
 چاہتی ہے۔ "وہ دراصل لڑکے نے عینا کی شادی پر دائلہ کو دیکھا تھا۔ تو اسی نے اپنی والدہ کو۔"  
 "لڑکا کون ہے؟" اب لیاقت بیگم کوئی بے عقل، ہستی تو تھیں نہیں جو شریفہ کے تاثرات سے کسی گڑبڑ کا  
 اندازہ نہ لگائیں، تب ہی کچھ چونک کر گھبرتا سے بولی ہیں۔  
 "لڑکا۔" شریفہ نے ہزار کوشش کی کہ اپنا لہجہ بہت عام، بے حد سرسری سا بنائیں مگر۔ "ہاں وہ جو مفتاح کا  
 دوست ہے نا وہ سہراب۔"

"بس۔۔۔۔۔۔ بس۔" لیاقت بیگم نے درشتی سے انہیں ٹوکتے ہوئے حریم کی جانب سے باز رکھتے ہوئے  
 پسندیدگی سے کہا۔ "میں اچھی طرح جان گئی کہ کون سہراب۔"  
 "جان گئی ہیں تو بتائیے کچھ میں اس کی والدہ کو کب بلواؤں؟"  
 شریفہ، لیاقت بیگم کی ناپسندیدگی محسوس کرنے کے باوجود ہنوز سماج کے لحجے میں پوچھنے لگیں جب کہ وقت  
 کے بعد لیاقت بیگم صلاح دیتے ہوئے بولیں۔  
 "دیکھو ہو بیگم! اگر تم مجھ سے پوچھ رہی رہی ہو تب میں خدا گئی کیوں کہ تم اس کی والدہ کو یہاں نہ لے کر  
 صاف نکال دو۔"  
 "کیوں بھئی؟" شریفہ اس مفاہجت جواب پر تمغلائی تو گئیں۔ "کیوں منع کروں؟"  
 "کیوں کہ مجھے وہ لڑکا ناچنا سب نہیں لگتا۔" لیاقت بیگم سنبھلاؤ سے بولیں۔  
 "رہنے دیجیے اماں بیگم۔" شریفہ بے طرح چڑ گئیں۔ "آپ نے تو بس خدا تو وہ کا یہی پال لیا ہے  
 بے چارے سے۔"  
 "کچھ عقل کی بات کرو۔" لیاقت بیگم کے چہرے پر پیش آنے والا دیرینہ جھگڑائی۔

"میں بے وجہ میر کیوں پالوں گی اس لڑکے سے۔"  
 "وجہ تو آپ ہی دلائیں۔" اب ظاہر ہے وہ چاہنے کے باوجود یہ تو کہہ نہیں سکتی تھیں کہ لیاقت بیگم  
 چنانچہ دامن بچا کر مختصر آویں۔ "مگر ماں ہونے کے ناتے میں بھی اپنی بیٹی کا بھلا سوچے کا حق راجح ہوں اور  
 میرے حساب سے دائلہ کو اس سے بھلا رشتہ نہیں مل سکتا۔"  
 "جب سارے فیصلے خود ہی کیے بیٹھی ہو تب یہاں کیا کرنے آ گئی تھیں؟" لیاقت بیگم از حد خفگی سے  
 بولیں۔

"ہاں مہاری غلطی میری ہے جو میں یہ سمجھی کہ آپ دائلہ کے لیے بھی اپنی پوری ہی کی طرح سوچیں گی۔"  
 جب شریفہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تب ظاہر ہے، انہوں نے لیاقت بیگم کی دھمکی میں چاہتے ہی چاہتے  
 "ورنہ کیا یہاں کیا کرنا؟" لیاقت بیگم حقیقتاً خیران رہ گئیں۔  
 "رہنے دیں۔" وہ جیلا کر مٹھنے سے اٹھتے ہوئے بولیں۔ "کچھ کہوں گی تو بدتمیزی میں شمار کر لیا جائے  
 گا۔ مگر اتنا ضرور بتا دوں کہ اپنی بیٹی کے لیے بہترین فیصلہ کرنا میری ذمہ داری ہے اور میں یہ ذمہ داری پوری  
 کر کے رہوں گی۔"

"وہ۔" شریفہ نے بے نظیر غصے کے بجائے تن فن کرتی دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔ وہاں سے چائے کی ٹرے  
 تھا سے عارفہ داخل ہوئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اپنے مخصوص حلیم و تبسم لہجے میں بولیں۔  
 "بھابھی بیگم۔۔۔۔۔۔ آپ کی چائے بھی پیئیں۔"  
 "نہیں بیٹی۔" وہ ان کی بات قطع کر کے ہلکا سا چلائیں۔ "پھینک دو اٹھا کر۔"  
 "انہیں کیا ہوا؟" شرمندہ شرمندہ عارفہ چائے کی ٹرے سونے کے ساتھ دھری چھوٹی سی تپائی پر رکھتے  
 ہوئے تعجب سے بولیں۔  
 "دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔۔۔۔۔۔" عام طور پر لیاقت بیگم اس طرح کے غیر عادی الفاظ کا استعمال کرنے  
 سے گریز الں رہا کرتی تھیں مگر اس وقت شریفہ کی حد درجہ ہٹ دھرمی اور بدلتا ہی نے ان کے منہ کے پانے کو  
 لبریز کر دیا تھا سو وہ سخت برا فروشی سے بولیں۔  
 "آنے دو شریف کو آج بات کرنی ہوں اس سے۔"



”اچھا چلیں چھوڑیں۔“ عارفہ ساس کے کبھی بکھار بگڑنے والے تئور دیکھ کر جلدی سے انہیں معتدل کرنے کی غرض سے بولیں۔

”نہیں تو طبیعت بگڑ جائے گی آپ کی خدا نخواستہ اور یہ گرما گرم چائے پیجئے۔“

☆☆☆

”نہی باجی۔ میرا فریکس کا پریکٹیکل جنرل نہیں مل رہا۔ کیا آپ نے کہیں دیکھا ہے؟“ اب کی بار عدم توجہ کے باعث سوگرے کے بے جان ہو جانے والے پودے نے گلوگیر آواز میں اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ افسردہ کی طرح سوڑے اس کی پتا سے گیا کہ خود اس کی اپنی کہانی اس سر جھائے ہوئے پودے سے مختلف تو نہ تھی۔ سوگرے کو تو پھر وہ میر تھا جب کہ خدا سے۔

اس کے ذہن میں بادِ موسم کے جھکڑے چل رہے تھے اور ہاں..... ایک منظر بھی جس میں وہ خود کو کسی شے کا محتاشی پاتا تھا۔

”ہاں..... اسی جنرل کا جو وہ اس روز لان میں بیٹھا ہوا تھا۔“

”نہیں میں نے تو نہیں دیکھا۔“ نہی کھانے کی میز پر شاہی کباب کا ڈھیر سارا پسا ہوا آمیزہ رکھے ان کی نگاہیں پتار ہی پتار کے پریٹانی سے استفسار کرنے پر جواب دیا۔

”تم نے کہاں رکھا تھا؟“

”کل میں لان میں بیٹھا ڈالیا مگر ام بنا رہا تھا۔ امی نے بکسا اتروانے بلایا تو میں اسے وہیں چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ جب واپس جا کر دیکھا تو وہاں وہ جنرل نہیں تھا۔ کل سے ڈھونڈ رہا ہوں اب تک نہیں ملا۔“ اس نے تفصیلاً بتایا۔

”تمہارے علاوہ بھی وہاں اور کوئی تھا؟“ نہی تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے پرسوج سے لہجے میں پوچھنے لگی۔

”ہاں..... عامر بھائی۔“ اس نے سادگی سے بتا دیا۔

”تو اس سے پوچھو۔“ نہی سنجیدگی سے بولی۔ ”اس نے تو نہیں اٹھایا؟“

”کیوں شایاں پڑھا رہی ہو اسے.....“ وہ جو کہیں جانے کے لیے تیار تھا، نہی کی بات سن کر ڈھٹائی سے بولا۔ ”میں اس کا جنرل چھپا کر کیا کروں گا؟“

”چھپانے کا میں نے کب کہا؟“ نہی چپیں بہ چسپ ہو کر بولی۔ ”میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ شاید تم نے اٹھا کر کہیں سنبھال رکھا ہو۔“

”جس کی چیز ہے جب اسے ہی سنبھالنے کا خیال نہیں کیا مجھے کیا پڑی تھی۔“

”کہاں ڈھونڈوں؟“ یہی سی روہا سنا سا ہو کر بولا۔ ”پرسوں تو اسے بحث کروانا ہے ٹیچر کے پاس۔“

باہر کھڑے عامر نے اس کی آواز بڑی سرشاری سے سنی تھی۔

”آج موسم بڑا بے ایمان ہے۔“

گھر کا صدر دروازہ پار کرتے ہوئے وہ باقاعدہ گنگنا رہا تھا۔

☆☆☆

”کیوں کھڑے توں نظر ان ہٹاواں

نہیں تیرے جیلا ہور وسدا

یہ ان کی بانجھیں ملاقات تھی اور آج ورٹی اس سرخ لباس میں ان چھوٹا گلاب لٹک رہی تھی، شعلہ و جوالہ یا پھر وہ ارمان کہ جسے پورا کرنے کو عاشق اپنا ایمان تیاگ دے۔ سہرا بے حد طور فیصلہ نہ کر سکا۔ ہاں مگر ایک فیصلہ اس پر ہی دس کے قرب کی پاگل کر دینے والی خوشبو نے اس سے ضرور کروا لیا تھا۔ آج اسے ”بول آواز“ دینا پڑا۔

”بول آواز“ دینا پڑا۔

جانے دینے کا فیصلہ!

کہ پچھلی ملاقات کو سہرا ب کے سابقہ ناہم سے رویے پر کسی قدر خائف اور روٹھی ہوئی کسی کو منانے ہی میں گزر گئی تھی۔ پر آج وہ اپنے بے اختیار دل کی سننا چاہتا تھا تب ہی اپنے ریشہ زدہ ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام کر ایک دم بڑے جذب سے بولا۔

”سنو.....“

”کیا ہوا؟“ وہ جو گردن موڑے باہر دیکھنے میں منہمک تھی بڑی طرح چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

”تمہاری آنکھوں کی توہین ہے ذرا سوچو.....“

”تمہارا چاہنے والا تیرا کیا پتا ہے.....“

”میرا کون چاہنے والا تیرا پتا ہے؟“ وہ چوں کہ اتنا تو سمجھ ہی گئی تھی کہ اس شعر میں اس کی آنکھوں کی تعریف کی گئی ہے سو ٹھٹھکا کر شرارتا بولی۔

”تم تو یہاں کافی پیئے آئے ہونا۔“

سہرا ب آج اسے اپنے من پسند چائے خانے لے کر آیا تھا اور وہ دونوں اس وقت گاڑی ہی میں بیٹھے آنے والی کالی کالی انتظار کر رہے تھے۔

”ہاں پیئے تو یہاں کافی ہی آیا تھا مگر تمہاری ان قاتل نگاہوں نے میرا ارادہ بدل دیا۔“ وہ بڑے بھرپور انداز سے مسکراتا بولا۔

”اب تم چاہو تو مجھے آنکھوں سے بھی پلا سکتی ہو۔“

”یکومت۔“ وہ جینپ کئی۔

”مجھے براعتدار کر لو جائم.....“ وہ اپنا آپ کوٹھنے لگا تھا۔ اس کے چہرے کی لالی دیکھ کر۔

”کرئی تو ہوں.....“

”تو پھر چلو.....“ وہ بے خود لہجے میں بولا۔ ”آج میں تمہیں اپنے ساتھ چاند تک لے جانا چاہتا ہوں۔“

”کیا کہہ رہے ہو۔“ وہ الجھی۔ ”مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”میرے ساتھ مگر چلو دل کشیں.....“ وہ ہنسنے ہوئے جذبات کی یورش سے بوجھل آواز میں طالب ہوا۔

”گھٹک..... گھ..... گھر۔“ ورٹی اس اچانک مطالبے کے لیے تیار ہی نہ تھی سو بے طرح بوکھلائی گئی۔ ”مگر۔“

”آج ان چنگھڑیوں سے میں اگر گھر نہیں..... صرف ہاں سننا چاہتا ہوں۔“ وہ ٹٹٹا کر رہا تھا۔ ”تو نہیں پھر؟“

”آں..... ہاں۔“ اب یہ اس کے عقل سب کر دینے والے لہجے کا اثر تھا یا پھر مدہوشی میں ڈوبے لمحے کا، جو وہ زیادہ سوچے سمجھے بغیر اس کی چابوت پر لپیک کہہ بیٹھی۔

”چلو.....“

”میری جان۔“ اس کے ہامی بھرتے ہی سہرا ب گویا ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ تب ہی وہ فور جذبات سے اس سے ورٹی کا برف پڑتا ہاتھ زور سے کھینچ کر چھوڑا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے ایسی لیٹر پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ

تب ہی بالکل اچانک..... ہاں دفعتاً ہی کوئی گاڑی کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

اور وہ چہرہ ایسا تھا کہ جس پر نظر پڑتے ہی ورٹی کا دم خشک ہو گیا۔

”س..... س..... سریشی۔“

”س..... س..... سریشی۔“

”س..... س..... سریشی۔“

”س..... س..... سریشی۔“

”س..... س..... سریشی۔“

”س..... س..... سریشی۔“

”س..... س..... سریشی۔“



# محبت کا کادو

رات کی پہر میری آنکھ کھلی تو عجیب سا احساس ہوا۔ اچانک سانس روک لی پاول کی دھڑکن مجھے کسی نے بہت بھاری ہتھیرے سینے پر لگا رکھا ہو مجھے تو ابھی دل کا کوئی عارضہ نہیں تو پھر ایسا کیوں محسوس ہو رہا ہے شاید بہت دیر سے بائیں جانب کروٹ لیے سو رہا ہوں اب مجھے کروٹ بدلتی چاہیے۔ ویسے بھی کروٹ نہ بدلتے کی وجہ کی تو نہیں سمجھتا۔

ایک بار پھر میرا دل اچھل کر مطلق میں آ گیا اور میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہوں؟ میں نے خود کو جبراً کھینچ رکھا؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسے کیسے جاسکتی ہے ناٹا میں نے بھی اس کا ہاتھ تھام کر ساتھ چھینے مرنے کی قسمیں نہیں کھا میں مگر کیا ہم مشرقی لوگ شادی کرتے وقت غیر ارادی طور پر اپنے دلوں میں ایسے ہی عہد و پیمان نہیں کر لیتے کسی کے سمجھائے بغیر ایک دوسرے کو ٹھیک سے جانے پہچانے بغیر ہی نہیں ایک دوسرے سے محبت ہو جاتی ہے ایسا میں نہیں، میری مرحوم اماں بی کہا کرتی تھیں جب شادی سے ایک رات پہلے میں نے ان کی گود میں منہ چھپا کر تے ڈرتے کیا تھا کہ۔

”اماں بی بھلا میں کسی انجی عورت سے محبت کیسے کر سکتا ہوں جس کو بس ایک نظر دیکھا ہو جس کی آواز تک کی پہچان نہ ہوئی ہو، جس کی آہٹ بھی محسوس نہ کی ہو، جو خوشبو کون سی لگائی ہے وہ تک نہ معلوم ہوتا بھلا ایسے کی کو کیسے دل دیا جاتا ہے؟“

اور اماں بی نے ہمیشہ کی طرح کس قدر بڑا سے سمجھایا تھا۔

”محبت تم نہیں۔ وہ تم سے کسے کی اور نہیں

مردوں پر کہ مرد محبت کیسے کرتا۔؟

میں چاہتا تو اماں بی کی باتوں میں گھیر سکتا تھا مگر میں اماں بی سے الجھتا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کتنے دنوں بعد میری شادی کے سلسلے میں ہونے والے چھ ماہوں میں دن رات مصروف ہو کر بھی بے حد سرور تھیں۔ شاید ایسا میں نے بعد وہ پہلی بار اس قدر ہشاش بشاش نہیں تو اب میں ان کا مزاج برہم کیوں کرتا۔

میں کوئی گندا بچہ خود ڈیڑھوں۔ میں بچوں کی طرح کئی دوسری باتوں میں کن اماں بی کی محبت و شفقت کا مزہ لیتا رہا تھا مگر دل ہی دل میں کتنی میرا خود کو مکمل طور پر جاگ دکھاتا تھا۔

خیالوں کا سلسلہ تو ناگہر کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کیا مگر پھر سلسلہ نہ ہوا۔ دلوں بچے تو شام سے ہی اپنی چو پھو کے ساتھ پلے گئے تھے۔

چلو اچھا ہوا ورنہ میں بھلا ان کو کیسے سنبھالتا۔

کام تو وہی کر سکتی ہے۔ مجھے تو بے مکی بچوں کو صاف سہرا، مطلق اور سکون سے بیٹھا دینے کی عادت ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ہنر بچوں کے ساتھ وقت گزاروں کسی نامناسب بات پر ان کو جبراً کڑوا دوں ہوتی ہے تو میرے جاننے پتا نہیں کیسے

دلوں بہت ہی شرابی تھے۔

دائرے میں رہتے ہیں، مجھے ان کی باتوں کا علم کہ باپ کی ہزار اذیت و محبت کے ارشاد میں باپ کی باتوں کے دلوں میں باپ کے لیے سب سے زیادہ اہم دیتی ہے کہ کوئی مانی تھی کہ پانی دیتے دیتے تیار اور دست باندھا ہے تو اچھا اس سے سوچنے والی چو پھو کے ساتھ چلے گئے ہیں اور اس کے لیے دی ہوئی گی۔ وہ دن اور بھی سوچا تھا۔

میں نے سوچے سوچے کہ کون سی بیٹی اور بھتیجی کے دوسری جانب سب سے زیادہ غالی کا سب سے زیادہ بھلا کر دیا تھا کہ اس کی شادی کے گھر سے آٹھ سالوں میں تقریباً سات سال میں نے اس کی جانب کروٹ لے کر سونے میں ہی مست محسوس کی۔ مجھے کس بات کا خوف رہا تھا، شاید اس بات کا کہ میں وہ جاگتی نہ ہو جیسا کہ وہ اکثر ہی جاگتی رہتی تھی اور پھر میری اس کے چہرے پر نظر پڑی اہم دلوں کی آنکھیں ملنے لگ کرے کے اندر میرے شادی اس کے چہرے کو دیکھنے سے ہاتھ پیر کرتا تھا اور آج رات جبکہ وہ میرے برابر میں تھی تو پورے ہنر پر غل کر سونے کے بجائے اس کے منہ کی جانب تھری چادر کی سلوٹ خراب ہونے کے وار سے سب سے





ماہیں سب کے سب اس کے اخلاق کے گرویدہ تھے۔ اس کی خوش خرمی اور مہمان نوازی کے چہرے تھے ہمیں بہت ذوق و شوق سے مکتوں میں لکھا جاتا تھا۔ وہ خوشی میں ہمیں شامل کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا اور میں جانتا تھا کہ یہ سب اس کی ہی خوش اخلاقی کی بدولت تھا مگر ہاتھ بٹا کر دیا تھا۔

پانی لینے کے لیے گاؤں اٹھایا ہی تھا کہ طبعیت مکدر ہو گئی۔ کسی نے تیل کے گناہوں سے گلاس پکڑا تھا اور پانی لی کر دیئے ہی الٹ کر گلاس کے اسٹینڈ پر رکھ کر چھوڑا تھا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ میں اس طرح ڈرا ڈرا سی سیل پر ہتھارہا تھا حالانکہ مجھے اس طرح اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کو ڈانٹنے یا سچھاتے تھیں تو دل میں اس کی صفائی پسندی پر ناراض ہو جاتا۔

میں نے دوسرا نسبتاً صاف گلاس نکال کر سلفی کے ٹکے سے پانی لے کر پیا اور ایک عجیب سی آوازی محسوس کرتا ہوں کہ میری اکیلا دو ہاتھوں کی طرح محسوس ہو کر اپنے کمرے میں لوٹ آ گیا۔

میں جذبہ پانی انسان کی نہیں رہا۔ بس اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ٹھکانا پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ میں نے بھی کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں دکھانے کی بات نہیں کی پھر بھی اکثر لوگ مجھے مغرور سمجھتے تھے اور مجھ سے بات کرنے سے کتراتے تھے جب سے وہ میری زندگی میں آئی تھی۔ سب نے مجھ سے بات کرنے کا ذریعہ سے بنا لیا تھا اور کیونکہ وہ نہیں سمجھتی، لہذا گھر پر آئے ہوئے میں سے کسی نے بھی جاتے ہوئے مجھے بتایا کہ میں تھا، شاید وہ سب مجھے کمرے میں سوتا ہوا سمجھے ہوں اور نیند خراب کرنے کے ڈر سے ہی مجھے بتایا نہ ہو۔

چھوٹی بہن کا بچوں کو لے جانے کا بھی اپنے موبائل پر چھوٹی بہن کے رخ سے بتا چلا تھا تو اب کیا کروں؟ کاش چھوٹی بہن جاتے جاتے دو چار منٹ مجھ سے بات کر سکتی۔ مجھے کسی کے سامنے تو آخر ہر گز عی ہے۔ کسی کو بتانا ہی ہے کہ میں اس کے بغیر بہت

کئی تھی۔ شاید یہ آوازی نہیں رہا ہو کہ آج کی رات ہاورچی خانہ سینے صاف کرنے والی موجود نہیں ہے۔ میں نے خود کو اس کی کمی کو محسوس کرتے سوچ کر جلدی سے اپنی توجہ ہاورچی خانے کی حالت زار پر مرکوز کی۔ ٹھنڈے پانی کے لیے فریج کھولا تو پانی کی ایک گلی بوتل نہ لی بلکہ شادی کے بعد سے آج پہلی بار مجھے اسے گھر کا فریج کھول کر بھی اجنبیت کا احساس ہوا تھا۔ ایسا محسوس نہیں ہوا تھا کہ میں نے فریج کھولا ہو اور گھر پر بنے انواع و اقسام کی کھانے پینے کی اشیاء سے بھر ہوا نہ ہو۔

مجھے تو ہمارے دوعی تھے میں بھی دن بھر آفس میں رہتا مگر ہمارے گھر مہمان بہت آتے تھے اور مہمانوں کا ان کے گھرنا وہ خوب جانتی تھی اور اچانک آنے والی رحمت کو دیکھ کر اپنی مہمان داری سے مایوس ہونے نہیں دیتی تھی۔ برکت خود ہی عود آئی۔ اس نے بھی گھر کے خرچے کو بڑھانے کا نہیں کہا۔ مجھے اکثر حیرت ہوتی کہ کسی طرح وہ میری محدود آمدنی میں بچوں کے ساتھ ساتھ گھر کے اخراجات بھی سنبھال رہی تھی مگر میں اپنی حیرت اپنے دل ہی میں دھندلے دھندلے کرتا۔

اس سے علاوہ بات چیت اور بات سے بات نکال کر باتیں کرنا مجھے بھی نہیں بھایا۔ اس نے بھی مجھے بھی تنگ نہیں کیا اس کی مصروفیات ہی اس قدر ہوتی تھیں۔

گھر کی صفائی، کھانا پکانا، کپڑے دھونا، استری کرنا بچوں کو پڑھانا، مہمانوں کے آنے پر ان کی خاطر داری دینا، ہر وقت ایک مشین سی بنی پورے گھر میں دوڑتی پھرتی تھی۔ ہمارا پرانی طرز کا ایک سوئیں گز پر بنا آبائی گھر کا کوئی کونا ایسا نہ تھا جہاں اس کی موجودگی محسوس نہ کی جا سکتی ہو۔ ہر جگہ ہر وقت ہر طرف اپنے سلیقے اور محنت کی نشانی چھوڑ جاتی تھی اور میں چاہ کر بھی اس سے ناراضی کا کوئی بہانہ ڈھونڈ نہیں پاتا تھا۔

میرے بھائی، بہن ان کے لیے میرے بوڑھے جوان رشتہ دار دوست احباب ان کی بیویاں بیٹیاں

دیکھا۔ اس میں گندے برتن ڈھیر تھے۔ آج شام سے میری چھوٹی بہن نے بھی گھر سنبھالا ہوا تھا۔ نئے اسکول سے واپس آنے والی کو پر سکون رکھنا، گھر میں آنے والوں کو چائے پانی دینا دلاتا، بچوں تو میرے بھائیوں کی بیویاں بھی موجود تھیں مگر خود بخود دیکھیں پورے گھر کی ہاگ دوڑ پھری چھوٹی بہن نے سنبھال لی تھی۔

میں جانتا تھا ایک میں ہی کیا سب ہی پریشان تھے پھر بھی میں یہی امید کر رہا تھا کہ چھوٹی بہن ہاورچی خانہ اس قدر پھیلا ہوا چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ دل تو چاہتا تھا کہ اس کی پھر چھوٹی بہن کو اور بھائیوں کی بیویوں کو کون لگا کر کھری کھری سنا ڈالوں۔

یوں بھی کبھی دیکھا میرے گھر کا ہاورچی خانہ اس قدر پھیلا ہوا ہے، نظم اور گند اور یہ پانی کی ٹھنڈی بوتلیں لگائی تھیں تو بھر کر واپس بھی نہ رکھی گئیں۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ پیچھے بھی لوگ آسکتے ہیں تو کیا اب آنے والوں کو اس گرمی میں ٹھنڈا پانی بھی نہ ملے یعنی میرے گھر میں کوئی آنے اور اس طرح بیا سار ہے۔ گندے برتن دھو کر تو دور کی بات سمیٹ کر بھی نہ رکھے گئے جس نے جو چاہا فریج سے نکال کر کھایا پیا اور بھائی میز پر ہی چھوڑ کر چلا ہٹا۔ کیا کیا جا سکتا ہے تم سب کی عادت ہی بگڑی ہوئی ہے۔ میرے گھر میں آکر تو تم سب کو بادی ہی نہیں رہتا کہ انسان کے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔

یہ بار بار میرا گھر، میرا گھر کیا لگا رکھا ہے

کسی نے چپکے سے میرے کان میں کہا یہ جو تم اس قدر اترائے ہوئے سب کو میرا گھر میرا گھر کہہ کر شرم سار کرنے کا سوچ رہے ہو تو کبھی سوچا کہ اگر وہ گھر میں ہر دم چلتی پھرتی محنت شہت کرنی کو نے کسی کی دیکھ بھال نہ کرتی ہوتی تو کیا فقط ان چار دیواریں کو تم میرا گھر کہہ سکتے تھے؟

چچا بات ہے دنیا کا دستور یہی ہے محنت کسی کی اور شاباشی کوئی اور سیتا ہے۔ چھوٹی بہن یقیناً بھول

بٹھا سوچ رہا ہوں کہ میں ایسا ہیوں کہ رات بھر ہاتھ دیکھا۔ اس میں یہ آج کس قسم کی باتوں میں الجھتا ہوں میں نے ایک بار پھر خود کو جھڑکا اور ہاورچی خانے جا کر پانی پینے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاورچی خانے میں ہر طرف شام سے گھر میں ہر طرح کے آنے جانے والوں کے کھانے پینے کے آثار نمایاں تھے۔ اچانک میں مسکرا گیا ایک یا ڈیڑھ ہفتہ پہلے ہی میرا سات سالہ بڑا بیٹا اسکول جانے کے لیے تیار اپنی دین کا انتظام کرنے کے دوران اپنی ماں سے ٹھن پانک کا اردو میں ترجمہ پوچھ رہا تھا، اتفاق سے اس وقت میں بھی ہاورچی خانے کے ایک کونے پر رکھی تین کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا سامنے رکھی میز پر اخبار پھیلائے ٹاٹے کا انتظار کر رہا تھا۔ بیٹے کی بات سن کر میں متوجہ ہوا ہی تھا کہ اس نے اپنی دھیمی اور نرم آواز میں بیٹے کو ترجمہ بتا دیا۔

”واش ٹھن یا سنک کو اردو میں سلفی کہتے ہیں۔“

جب یہ لفظ، سلفی، مجھ جیسے اردو کی اچھی خاصی تعلیم حاصل کیے آدمی کی سمجھنا آسکا تو یقیناً بہت چھوٹا تھا۔ اور آج کل کے بچوں کی طرح اردو بول چال سے دور تھی۔

”کیا سلفی جی؟“

بیٹے نے حیران ہو کر ماں کے ساتھ تیزی سے چلتے ہوئے پوچھا۔ دو تو ہے پراٹھا تار کر پلیٹ میں رکھے میری ہی طرف آ رہی تھی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں تلے ہوئے اٹے کی پلیٹ تھی۔ بیٹے کی بات پر مجھے کیوں وہ تیزی سے چلتے ہوئے ٹھٹک کر رکی ہم دونوں کی نظریں ملیں۔ اور بے اختیار ہم دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔

اور اس ایک بات پر میں پورا دن خود سے کس قدر ناراض رہا تھا۔ بھلا مجھے ایسے ذرا سی بات پر اس کے ہنسنے کا ساتھ دینے کی ضرورت ہی کیا تھی، ویسے بھی بچے کی طرح تو مجھے بھی چچی کچھ خاص سمجھتی آسکا تھا تو پھر میں یوں ہی اپنے اخبار کی طرف متوجہ رہتا۔







## کڑا سی پکارتے

”زارا بیٹی جاؤ! ذرا بخیر ہی بنا کر لے آؤ۔“ میرا میٹھا کھانے کو بی جا رہا ہے۔“  
نفیسہ بیگم نے کمرے سے بی بی نوٹی بی بی بیگم کو آواز دے ڈالی تھی۔ بی بی نوٹی دہن تھی اس رشتے کو ابھی صرف ایک مہینہ ہوا تھا۔ وہ سعادت مندی سے جی کہہ کر کچن میں جا پہنچی تھی۔  
نادیہ جب کمر میں ہوئی تھی تب وہ اکثر خود ہی اپنے اور اس کے لیے کھانا پکا کر لیا کرتی تھیں۔ دوپہر کے لیے بریانی یا پھر آلو کوشت کا ساٹن انہیں تمکاٹ کا احساس نہ ہوتا تھا۔ تین چار روٹیاں ڈالتا کون سا جان جو کھوں کا کام ہے ذرا سا تو کام ہے۔  
مگر اب جب یہو آگئی تھی۔ کسی کام کو ہاتھ لگانے کو بی نہیں چاہتا تھا اپنے بندے سے اپنے کمرے اور اپنے اکلوتے بیٹے سے بے انتہا محبت محسوس ہونے لگی تھی۔ زارا ہوگی کوئی بیس ایکس برس کی مونی مونی آنکھوں والی راج جی لڑکی پہلے پہل من کو بھائی بھی بہت تھی۔  
سکندر کو بھی زارا پسند آتی تھی مگر کہا بھی تو کیا ”جیسی اچانک مرضی“۔ حالانکہ اس لڑکی کو دیکھ کر اس کا من مرضی کرنے کو دل کیا تھا مگر سکندر خاصا سا بندہ تھا۔ جب ہی رہا۔  
اب نفیسہ بیگم دہن بیاہ کر لے آئی تھیں۔ بڑے ارمان تھے دل میں، سو پورے ہوئے اب انتہا لینے کو بی چاہتا تھا۔ دل کرتا کہ ہر وقت عدالت لگی ہو اور ذرا بجرم ٹھہرے اسے کڑی سے کڑی سزا لے۔ ہر جرم اس پر ثابت ہو۔  
بس ایسی ظالم تو وہ بھی نہیں تھیں مگر اب اچانک حراج بدل گیا تھا حراج کا کیا ہے وہ تو بھی بدل گیا تھا۔  
بے موسم کی طرح نت نئے پکوان کھانے کا دل چاہتا بی بی نوٹی دہن تھی اس رشتے کو ابھی صرف ایک مہینہ ہوا تھا۔ وہ سعادت مندی سے جی کہہ کر کچن میں جا پہنچی تھی۔  
نادیہ جب کمر میں ہوئی تھی تب وہ اکثر خود ہی اپنے اور اس کے لیے کھانا پکا کر لیا کرتی تھیں۔ دوپہر کے لیے بریانی یا پھر آلو کوشت کا ساٹن انہیں تمکاٹ کا احساس نہ ہوتا تھا۔ تین چار روٹیاں ڈالتا کون سا جان جو کھوں کا کام ہے ذرا سا تو کام ہے۔  
مگر اب جب یہو آگئی تھی۔ کسی کام کو ہاتھ لگانے کو بی نہیں چاہتا تھا اپنے بندے سے اپنے کمرے اور اپنے اکلوتے بیٹے سے بے انتہا محبت محسوس ہونے لگی تھی۔ زارا ہوگی کوئی بیس ایکس برس کی مونی مونی آنکھوں والی راج جی لڑکی پہلے پہل من کو بھائی بھی بہت تھی۔  
سکندر کو بھی زارا پسند آتی تھی مگر کہا بھی تو کیا ”جیسی اچانک مرضی“۔ حالانکہ اس لڑکی کو دیکھ کر اس کا من مرضی کرنے کو دل کیا تھا مگر سکندر خاصا سا بندہ تھا۔ جب ہی رہا۔  
اب نفیسہ بیگم دہن بیاہ کر لے آئی تھیں۔ بڑے ارمان تھے دل میں، سو پورے ہوئے اب انتہا لینے کو بی چاہتا تھا۔ دل کرتا کہ ہر وقت عدالت لگی ہو اور ذرا بجرم ٹھہرے اسے کڑی سے کڑی سزا لے۔ ہر جرم اس پر ثابت ہو۔  
بس ایسی ظالم تو وہ بھی نہیں تھیں مگر اب اچانک حراج بدل گیا تھا حراج کا کیا ہے وہ تو بھی بدل گیا تھا۔

بخیر ہی کھانے لگیں اور انہی فرمائش کا بھی سوچ لیا تھا۔ کوئی مشکل سی چیز کو بی بہت تمکا دینے والا کمرے ہو کر پکانے والا کھانا میں سوچوں گی کہ کس کس کھانے کو میرا بی چاہتا ہے کہ میں کھاؤں۔“  
انہوں نے طے کیا اور پست پر لمبی لیٹ گئیں۔  
”ایک تو سوچے چلتو آئے ہیں اور کام کی کو بی بھی بات یہاں نہیں ہوئی اور ”ناگنی“ والا ڈرامہ اسے دیکھ کر تو بچوں کو بی آ جاتی ہے ناگن کے یاں پلٹ نہیں ہے۔“  
ناگن کا میک اپ ناگن کا شوہر نے فرمائش کیا تھا۔  
فس کر ہیٹ میں درد ہو جاتا تھا۔ بقول نادیہ کے ماں =  
کون سے زمانے کی بات ہو رہی ہے کہاں ہو رہا ہے ایسا  
پتا نہیں کون دیکھتا ہے یہ سب۔ ہم ناگوں کے چہرے  
بجائے بھر رہے ہیں یہ بی بی اور ساپ کا میل کب ختم ہو  
گا دنیا کہاں سے کہاں جا رہی ہے۔  
ماں بی بی فوس فوس کر رہی تھیں ناگن کے خواب زمردی  
لکڑیں سنہرے نازک دھاتے سنہرے خواب زمردی





# انتباہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی جانب سے سیمینار کی جاتی ہے کہ جو ویب سائٹس ہمارے ادارے کا نام لے کر "افیشل پیج" کی اصطلاح استعمال کر رہی ہیں ان سائٹس سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں، اسے فوری ترک کیا جائے تاکہ ہمارے معزز قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ایسی تمام ویب سائٹس اور سوشل میڈیا گروپس کو مرتب کرنے والے منتظمین جو اپنے سطحی مفادات کی خاطر ادارے سے شائع ہونے والے ماہناموں کے مضامین، اختصار اور کہانیاں بلا اختیار اور غیر قانونی طور پر آپ لوڈ کر کے ادارے کو سنگین مالی نقصان پہنچانے کے ساتھ ادارے کی ساکھ متاثر کر رہے ہیں، انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قبیح فعل کو فوری ترک کر دیں، بصورت دیگر ادارہ، سائبر کرائمز کے قانون

Prevention of Electronic Crimes Act 2016 اور

Copyright Ordinance 1962 / 2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

ماہنامہ شعاع  
خواتین ڈائجسٹ  
ماہنامہ کرن  
عمران ڈائجسٹ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ

دو۔ سوں کی طرح خواب تو نہیں ہے مگر خواب کی طرح ہوتا ہے۔  
جہاں میں لینے کا فیصلہ کیا تھا۔  
جوان اور سکندر ملکی سیاست میں الجھ گئے  
دونوں ماں بیٹی اپنے مشترکہ گھر میں کئی گھنٹے  
کا منہ لٹکا لٹکا ساتھ فیصلہ بنیم نے کریدا تو جاتا چلا  
سائبر کرائمز کو ہر چیز ہر وقت تازہ بنوانے کی پکار  
ہے اور دوسرے سب بے کو تو گویا ناداری کے گھر  
باندھ دیا گیا ہے۔

یہ پتہ یہ کاٹو، یہ موٹا موٹا تھکے ہاتھ پر  
کے لے آؤ۔ "نادیہ بے حد تھکی تھکی لگ رہی تھی یہ  
کرم صرف اسی کے حصے میں آئی تھی۔ ورنہ باز  
بہوین تو آزاد تھیں فیصلہ بنیم کو بڑا غصہ آیا تھا۔  
"ہاگل ہو گئی ہے شاید بڑھیا۔ میں نے یوں  
بیانی ہے ڈرامائی نہیں۔"

جاتے جاتے داماد جی سے کہا تو نہیں مگر اگلے  
روز ساس صاحبہ کو مناسب الفاظ میں سمجھانے کا ارادہ  
ضرور تھا۔

صبح ہی صبح ناشتہ کرنے بیٹھیں، تب نادیہ کا  
خیال آیا تو برتن اٹھا کر خودی کچن میں آئیں اور زارا  
سے کہنے لگیں۔

"اس گھوڑی کو اٹھا کر واپس کباڑ میں ڈال دو  
بلکہ لاؤ میں ہی رکھ آتی ہوں۔"

زارا بھی سکندر نے سمجھایا ہوگا مگر سکندر کے  
کہنے سے پہلے ہی وقت نے بڑی اچھی طرح سمجھا دیا  
تھا۔ اس دن نادیہ بڑے اچھے موڈ میں بھی تھی۔

نہ پتہ نہ پتہ اب میری مرضی ہے سب بے یہ پیسوں یا  
نہ پیسوں۔ باہر نکلے زارا بت خالصہ خول افراختے۔  
ایک ذرا سی بات بھی شکر ہے جلد ہی فیصلہ نے  
سمجھ لی تھی ورنہ دیر ہو جاتی۔

☆☆

پیارا خواب تو نہیں ہے مگر خواب کی طرح ہوتا ہے۔  
دینے کو جی چاہتا ہے خواب تو جی مٹی کے بنے ہوتے  
ہیں اور اسی میں گئے تو ٹوٹ جاتے ہیں اور دل بچوں  
کی طرح روتا ہے مگر یہ زندگی ہے اسے گزارنا تو ہے۔  
نادیہ رخصت ہوئی۔ ایک خواب تھا کہ اسے گھر  
کی ہو جائے وہ بیاہ کر سہ سال چلی گئی تھی۔ فیصلہ بنیم کی  
بیٹھے بیٹھے آنکھیں نم ہو جاتیں۔ وہ تھکیں یاد آنے  
لگتیں۔ جنہیں انہوں نے اور ان کی ناداری نے مل کر  
جایا تھا۔ ابھی نئی نئی بات تھی۔

نیانیا غم تھا سوا ب غم غلط ہونے لگا تھا ب گھر کی باگ  
دور سنبھالنے کا وقت تھا ورنہ داج دھانی گئی پانی میں۔

نادیہ نے آج صبح ہی آنے کو کہا تھا۔ فیصلہ بنیم کا  
بس چلنا تو آنکھیں بچھاتیں۔

کل ہی انہوں نے زارا کو گھوڑی والی سویوں کا  
ڈانٹ تازہ کرنے کے لیے پرانے سامان سے سویوں  
والی گھوڑی نکھائی زارا سے اور لگیں سویاں بنانے کا  
طریقہ سکھانے۔

"بھئی مجھے تو وہی ڈانٹ پسند آتا ہے سویوں کا اور  
نہیں تو کیا یہ پیکٹوں والی سویاں اور بندھنے کی کیر۔"  
وہ بڑی ٹیڑھی کھیر ثابت ہو رہی تھیں زارا کے  
لیے کھیر کر کے بھی وہ غڑ حال ہو رہی تھی۔

سکندر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ امی کو سمجھائے گا اور  
گھوڑی پرانے سامان میں واپس رکھو ادے گا اگر پھر بھی  
امی اپنے اکل ارادے سے نہ نہیں تو پھر وہ گھوڑی ہی  
غائب کر دے گا۔ کون امی کو آدم کے زمانے کی گھوڑی بنا  
کر دے گا۔ زارا کو لگتا تھا وہ نام شین میں بیٹھی ہے اور  
وقت اسے بہت پیچھے لے گیا ہے۔ نام شین کو فیصلہ بنیم  
اپنی مرضی سے آگے پیچھے کر رہی ہیں۔

بہر حال فیصلہ بنیم آج بہت خوش تھیں بیٹی داماد  
کی آمد کی وجہ سے دل باغ باغ تھا دوسرا بہو کی کاٹھیں  
کسنے کی بھی خوشی تھی۔

انہوں نے کچن میں آ کر خاصا تھکا دینے والا  
میٹھے میٹھے کیا تھا زارا نے صرف قومہ بریانی راستہ اور  
سلاد بنایا تھا باقی دس ترخان طرح طرح کے پکوان اور





شانہ جمال طارق

# پیرے انداز کا موسم

ناولٹ

”زویب! آفس جاتے ہوئے مجھے امی کی طرف سے چھوڑ دیں گے؟“ شائلہ نے اپنے ڈیڑھ سالہ بیٹے علی کو تیار کرنے کے بعد زویب سے پوچھا۔ جو آفس کے لیے تیار ہوتا اب باہر نکلنے کے لیے پرتول رہا تھا۔

”میں جانتی ہوں وہ مجھے چھوڑ آئے گا۔ لیکن میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ امی بھی آپ کو پوچھ رہی ہیں۔ کافی عرصے سے آپ نے وہاں چکر نہیں لگایا۔“

”اب میں آفس کے کام چھوڑ کر صبح شام تمہاری ماں کے گھر کے پھیرے لگانے سے تو رہا۔ جب تم میری بچوری نہیں سمجھ رہی ہو وہ کیا خاک نہیں مٹی کی۔ بہر حال انہیں میرا سلام کہنا۔ جلدی سے بولنا وہ آفس بیک اٹھانے باہر نکلا تھا۔ علی باپ کو دیکھ کر ہنسنے لگا تھا۔“

”اچھا لیکن تو آفس کے نا؟“ اس نے آخری امید کے طور پر پوچھا تو وہ گہری سانس بھرتا پلٹا اور سنجیدگی سے بولا۔

”عمار اور ولید فارغ نہ ہوئے تو ذرا نیو کو بھیج دوں گا۔“ شائلہ جب سی رہ گئی۔ علی زور زور سے بازو ہلاتے لگا تھا۔ شائلہ اسے پکارتے لگی جو باپ کو جانا دیکھ کر ہنسنے لگا تھا۔





”ایسی بات نہیں ہے بڑی اماں ایسی بات مجھے  
”چھو“ کر کر رہی ہیں۔ بلکہ میں نے تو انہیں بھی مار  
اچھے لمبے بھی بلایا لیکن دور سے سلام کر کے پانی  
سے نکل گئیں۔

بڑی اماں نے گہری سانس لی بھرے اسے قوت  
کو پہنچتے ہوئے یوں سر ہلایا ”جیسے تمہارا کچھ نہیں ہو  
میں۔“ آج اتنا کام تو خود کروا دیا اور نہ کروا کر اس کی انکی  
باتوں اور سختوں کا جواب دہ اپنی چھری سے دیا  
تھیں۔

”تیرا بچہ اتنا بڑا اماں مل کر بچا ہوا کھانا نہ  
کرنے لگیں بڑی اماں کے حکم پر مہمانوں کی نظر  
تواضع کے لیے اتنا سب کچھ تیار کر رہی تھیں ایک  
انہیں اگلے دو دنوں تک بڑی اماں سے آکر کمر کھانے  
ضرورت نہیں تھی۔ بڑی اماں نے لڑکھی اور مزہ تیار  
کے لیے باہر جانے کی اجازت لے کر کھلی اور مزہ تیار  
ہونے کے لیے اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھیں۔  
”آ جاؤ اب تم دونوں دیر نہ ہارنا باہر جانا نیکل۔“  
علی نے با آواز بلند دھکی دی جو خاموشی کا کرہایت  
ہوئی تھی۔

”انورہ! کیا مصیبت ہے؟ اڑھک سے تیار نہیں  
نہیں ہونے دیتے۔ آؤ نکلتے پر جانے وقت لوگ  
چلیں تک لگاتے ہیں۔“ وہ سنبھلتی کھلی جھجھکی  
ہوئی باہر نکلتی تھی۔ اس کے پیچھے مزہ بھی، دھکی کی طرف  
اپنی تیاری کے بارے میں فائس نہیں ہوئی تھی۔  
کتیڑوں سے ڈرا نیچے آتے سیدھے بالوں میں کھنکھار  
اوپر پوٹی میں قید کر لی۔ کمر میں بھی عموماً کڑوا  
پر ڈھیلے ڈھالے ٹوکھالی والے کرتے پہنے رہتی  
کردن میں اسٹار۔ راجہ بڑی اماں کی خاموشی کا کید پر  
کمر سے باہر نکلتے وقت دوپہ لے گئی۔

”بے چاری غریب عوام کی جیب پر اسے کمر کرا  
دیا۔“ کچن سے علی کا فینڈر لے کر نکلتی تھیں۔ بھانسی کو  
ولید کی بے زار شکل دیکھ کر کھڑکی کے نیچے آ گئی تھیں۔ انہیں  
ولید کے بات سے سکرانے کی حالت تھی۔ زور سے بھانسی  
جتنے کم کو اور سنجیدہ تھے شاید بھانسی اتنی ہی ہنس کھار  
تھے۔

”اس سے کھانا تیار کر دیں لگاؤ ہو  
”دیکھنا۔“  
”کلی شرط۔“ عزم نہ جھنجھک ادا میں اس  
کی طرف دیکھا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔  
”کلی شرط۔“  
”او کے دن آج ہار گیا وہ سب کو آکر کمر کھانے  
کھانے سے لے جانے کا۔“ ولید کی بات پر مزہ  
ساتھ ساتھ علیوں نے فوراً اتفاق کیا تھا۔

☆ ☆ ☆  
”ہاں! جی پارتی! باہر آ جاؤ اب۔“  
”مہمانوں کے جانے کے بعد مٹھالی کا دن، لیے ٹائل  
بھاگی نے پورا دروازہ کھول دیا تھا۔  
”اپنی بیوی کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے۔“  
”کون سی ڈیٹ رہی ہے؟“ باہر نکلتے ہوئے  
عزمہ اور ولید نے ایک ساتھ پوچھا تھا۔  
”اگلے مہینے کی دس تاریخ بروز جمعہ کو نکال دو  
گا۔“

”ہرا۔“ عزمہ نے غلاب جاس اٹھا کر اسی وقت  
چانچا شروع کر دیا تھا۔  
”شرم کرو۔“ بیک وقت رخصت ہو کر چلی جائے گی  
اور تم خوشی سے چھلکیں مار رہی ہو؟“ شاید بھانسی  
نے اسے شرم دلانا چاہی تو محل اطلاع دینے والے  
اعزاز میں بولے۔  
”بھائی جیت کا جشن مار رہی ہے بھانسی؟“  
”جی ہاں۔“ مسیحا کی شکل بنا کے کھڑے  
ولید کے منہ میں زبردستی غلاب جاس ٹھونک کر مزہ  
لیا تھا ان اڑائی۔

”ولید! کمر..... بڑی اماں نے اسے یوں  
بھگوانا دیتے دیکھا تو غلاب جاس نے  
”دیکھو دارا! اس دن ایک ذرا جو شرم لیا ظاہر  
چھو کر گزری ہو۔“ عزمہ نے کچن سے کرا اسٹار اٹھا کر پھر  
سے کردن میں ڈال دیا اور غلاب جاس نے کچن سے بولی۔

”ولید! کمر..... بڑی اماں نے اسے یوں  
بھگوانا دیتے دیکھا تو غلاب جاس نے  
”دیکھو دارا! اس دن ایک ذرا جو شرم لیا ظاہر  
چھو کر گزری ہو۔“ عزمہ نے کچن سے کرا اسٹار اٹھا کر پھر  
سے کردن میں ڈال دیا اور غلاب جاس نے کچن سے بولی۔

خواتین دادی کی کوہنی پوتی سے اس وجہ جوت سے  
تیار ہوئے بغیر نہیں گئے۔  
اس پہلو کے پیچھے دانت پینے کی آواز صرف  
عزمہ ہی کی تھی۔

”جی بڑی اماں کیوں نہیں؟“ انہی کے سے  
اعزاز میں بڑی ترانہ راندی سے کہتی عزمہ اٹھ کھڑی  
ہوئی تھی۔ شرافت سے بھانسیوں کے سامنے سچ کر  
خبر دینا وہ ڈرا بیک درم سے باہر آتے ہی پاؤں  
تھا کر ساتھ والے کمرے میں آئی تھی۔  
”جوہان! کچن چھتے میں ہاتھ ڈال کے دیکھو  
کیا؟“ عزمہ اور ولید نے سچ کر پوچھا تھا۔  
”جی ہاں! کچن چھتے میں ہاتھ ڈال کے دیکھو  
ساتھ چھتے کر بیٹھی تھی پھر بھی بڑی اماں کی صفائی  
ٹائلوں نے تازہ لے لے، کمرے کے مارے مہمانوں کے  
ساتھ چھتے عزمہ کے نکال دیا۔“

ولید کے منہ سے کمرے کی فادان چھوٹ بھاگتا۔ عزمہ  
لکھا جانے والی ٹائلوں سے اسے کھولنا دھپ سے  
کاؤچ پر بیٹھی تھی۔  
”دیکھو! کس نے کمرے کا دروازہ کھول کر رکھا۔ جب  
ایک دفعہ بڑی اماں نے کہہ دیا تھا کہ مہمانوں کی  
موجودگی میں کوئی چیز اندر نہیں آئے گا۔“ علی کی بات  
پر وہ مزہ لگائی۔  
”اب کچن چھتے میں ہے۔“  
”ہاں جی! آئے عزمہ مہمان صلیب اس انورہ۔“  
”میں پورے ایس سال کی ہو جائیں گی۔“ بھانسی  
روکے ولید نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا تو  
عزمہ نے سن کر کچن چھتے کر دے مارا۔  
”دیکھو! یہ اندازہ لگاؤ نکال کے لیے لون ہی  
فینٹ رکھیں گے وہ؟“ عزمہ کے پوچھنے پر عزمہ فوراً بولی  
تھی۔

”اگلے مہینے کی دس تاریخ تیار کر دیں کو جمعہ  
اور بڑی اماں پرانی آئی کا فکری جمعہ کے باہر کمرے دن  
رکھنے کو ہی ترجیح دیں گی۔“ ولید نے غلاب جاس سے  
کہا۔

”اگلے مہینے کی دس تاریخ تیار کر دیں کو جمعہ  
اور بڑی اماں پرانی آئی کا فکری جمعہ کے باہر کمرے دن  
رکھنے کو ہی ترجیح دیں گی۔“ ولید نے غلاب جاس سے  
کہا۔

”کہیں جا رہی ہو بیٹا؟“ اسے برآمدے میں  
کارواز سے کھڑا دیکھ کر بڑی اماں نے پوچھا۔  
”نکل کر اس کی طرف چلی آئی ہیں۔“  
”امی کی طرف جا رہی ہو بڑی اماں! کافی دن  
ہو گئے ان کی طرف چکر نہیں لگایا۔“ بڑی اماں  
ہلانے لگیں۔

”اچھا ہے وہ تو۔“ شاید کمرے کی فادان  
کے سرسراہٹے شادی کی تاریخ طے کرنے کو کر رہے  
تھیں؟ بڑی اماں کی بات پر اسے خود بخود  
ہوئی۔  
”کیا واقعی؟ تو بہت اچھی بات ہے۔ شاید  
مہمان آکر رہیں تو ابھی میرا جانا مناسب نہیں ہے۔“  
”میں کل چلی جاؤں گی۔“  
”جیسی رہو۔“ بڑی اماں کی کوس کی سمجھ داری اور  
معاذ فیہ ہمیشہ یونہی خوش کر دیتی تھی۔

”میں انچوں سے کھڑا دروازہ مہمانوں کی موجودگی میں  
کوئی ان کے آس پاس بھی پھنکا تو۔“ غیروں میں  
سوا بات کا خیال بکھڑا رہا ہے۔ میں نہیں چاہتی ہوں  
کے سرسراہٹے کو غلاب جاس سے لے کر جائیں۔“ بڑی  
اماں کی پابندی پر وہ دروازہ کھول کر اندر کمرے  
میں کھڑا ہوئی تو وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھیں۔  
”اللا! وہ کچن چھتے میں۔“  
”اب کو تک کرے گا بڑی اماں۔“ اس نے  
سکراتے ہوئے کہا۔

”کوئی نہیں! اپنے بچے نہیں سنبھالے تھے کیا۔“  
اس میں تو جان ہے میری۔“ علی کو بڑی اماں کے  
حوالے کر دینا تھا مہمانوں اور میرا چچی کے پاس چلی گئی  
۔ شاید مہمانوں کی آمد کے ساتھ ہی کھڑی ہو کر  
سی پہلے کھل چکی تھی۔  
”عزمہ! جیے آپ! کچن باہر بانی بچوں کے  
ساتھ جا کر بیٹھیں۔“  
”موتے بڑی اماں کی اوت میں دیکھ کر عزمہ نے  
بڑی اماں نے غلاب جاس سے کہا کہ بھانسی کی سہیلی

”موتے بڑی اماں کی اوت میں دیکھ کر عزمہ نے  
بڑی اماں نے غلاب جاس سے کہا کہ بھانسی کی سہیلی











[illegible]

میں اس قدر غریب کی زندگی دیکھ کر، میرا دل بیکار ہو گیا۔  
لوگوں نے کہا چارے سر کے ساتھ کھائیں یا پسینے سے  
مہانوں کا غیر مقدم کریں یا ہتھارواٹھا کر غریب عزت  
کی اسی ہتھارو سے چھوڑ کر دیں۔

ولدے کے پسینے کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔  
”جعل الیک بارکھ بنا جب آفاق صاحبہ  
نے اندر قدم رکھا تو کیسے غرہ نے زوردار ہتھارو دیکھا  
اور.....“ اس کے منہ سے ایک بار پھر پانی کا فوارہ  
پھوٹ نکلا تھا۔

”ہاں تو جس کا کام اسی کو سا تھے۔ سارا قصور  
بڑی ماں کا ہے۔ ان کو کس نے کہا تھا یہ کسی ہی ہتھارو  
پچھے پھرا دیں۔ اور مجھے خواب تھوڑی سی آیت تھا کہ  
ای وقت پھر پھوٹو گ بھی آ جا میں کے۔“ غرہ خود کو  
بے قصور ثابت کرنے کے لیے کوئی ہزار تاویلیں  
دینے لگی۔ اشکر ویدہ تو آفاق بھائی تھے جو  
مرد خاں مٹوں رہے۔ ان کی جگہ اگر دزدہ جیب بھائی کے  
پڑوں کی جگہ پر لگا دیا جاتا تو تمہاری  
شامت تو کچھ تھی۔ کھل کی بات بروہہ چڑھ کر بولی۔  
”اب کیوں سا کسی نے کوئی کسر چھوڑ دی ہے؟“

اس وقت سب نے مہانوں کے سامنے اس کی خوب  
کلاس لی تھی۔

سوائے تائی اماں کے جنہوں نے نرمی سے  
اسے اندر جانے کا کہتے ہوئے اس کی جان بخشی  
کر دی تھی۔

”ماشاء اللہ! ہمارا آفاق اتنا بڑا ہو گیا ہے۔“  
تائی اماں نے آتے ہوئے انہیں دیکھ کر کھڑا ہوا تھا۔  
”السلام علیکم! ماں جان!“

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے چوڑے  
کندھے پر پھکی دی تھی۔ سب اس وقت لاؤنج میں  
ہی موجود تھے۔ شامک بھائی سب کے لیے چائے بنا رہے تھے۔  
”اچھا بھائی! سسرال والوں کے بارے میں

ہاں میں کیسے لوگ ہیں؟ اچھی کھانا پتی پتی نہیں تو ہے؟“ غزالہ بھوکھو بھوکھو جانے چاہے گا کپ اٹھاتے ہوئے سیرایٹم سے پوچھا۔  
”ہماری طرح کے ہی سفید پوش لوگ ہیں۔“  
”نیک شریف، عزت دار.....“  
”وہ سب تو ٹھیک ہے بھابی! لیکن کوئی مضبوط ایک گراؤنڈ بھی ہونا چاہیے نا؟ ویسے بھی اب تو لوگ انہی بیٹیوں کے لیے بھی کچھ دیکھتے ہیں، اپنا زانی گھر، گاڑی، تھوڑا بہت بینک بیلنس..... بھوکے تگلوں کو تو کوئی اپنی بیٹی اٹھا کر نہیں دے دیتا۔“ امریکہ میں رہتے ہوئے ان کی سوچ بھی کچھ کچھ مغربی ہوئی تھی۔  
”ہمارے لیے تو شرافت، نیک نامی اور عزت ہی سب سے بڑھ کر ہے۔ جلدی بات سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ ہماری بیٹی کی قدر کر کے بچاؤ قسمت اچھی نہ ہو تو یہ گھر، گاڑی، بینک بیلنس، دھڑے کے دھڑے رہ جاتے ہیں۔“ بڑی اماں کے ترسانہیت سے کہتے بات سمیٹ رہی تھی۔  
☆ ☆ ☆  
بڑی اماں کے کہنے پر شاملہ بھابی بھی، غزالہ بھوکھو کو پوچھ کر اپنی شاپنگ دکھانے کے لیے اسی ہی جھین کہ علی ان کی ٹانگوں سے لپٹ لیا۔ شاملہ نے زور سبب کی طرف دیکھا جو اپنا چالنے کا خالی کپ میز پر اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھنے لگے۔  
”زور سبب! ذرا علی کو اٹھا۔ میں تو مڑتی رہاں میں آکر آپ سے لے لیتی ہوں۔“ شاپنگ کو اٹھا کر بھوکے زور سبب کی طرف بڑھایا وہ دودھ بخیر کی دے لگے۔  
”سارا دن آنس میں دماغ کھپاؤ پھر گھر آ کر نینے بھی سنبھالو۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے۔ ویسے میں اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں آرام کروں گا۔“ شاملہ کے چہرے پر ایک پھیکا پڑ گیا تھا۔  
زور سبب کا شمار ان مردوں میں ہوتا تھا جنہیں شادی کی فوراً بعد وہ کم لائق ہو جاتا ہے کہ بیوی بچے

کی بجائے بدادیاں اٹھاتے دیکھ کر ایک افسیقہ "زنانِ کج" نہ کھینچے لگ جائیں، کرے گی حد تک تو کھینچتا تو زہر لگتے۔ بیوی کو اپنی حد میں رکھ کر انہوں نے اپنی مردانہ اکانا چہرہ بلند رکھا ہوا تھا۔

تائی اماں نے علی اس سے سے کر لہٹی کو دھیں لایا تھا۔ زہی سے تھکا تو اس کی آنکھیں بند سے بوجھل ہوئی بندھنے کی کڑی تھیں۔ شالک بھابی مسکراتے ہوئے بولیں۔

"میں ابھی آپ کو ساری شاپک دکھاتی ہوں بھوپھو؟"

رات کی چائے عزم اور گل ہمیشہ لان میں ہی پیتی تھیں خرم کھاس پر چل قدمی کرتے تھے پانا گانگ اٹھا کے دیکھا جہاں کی گانگی کے جا تیں۔

"سہیں آفاق بھائی کسے کے گھر؟"

"مجھے تو لگتا تھا افسانوی کہانیاں صرف افسانوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تو بالکل کی افسانے کے ہیرو جیسے ہیں۔ بہت چارم سے ان کی شخصیت میں..... عزم بولی کی آفاق کی شخصیت، اس کی ذریعہ تک، بات کرنے کا انداز سب کچھ بہت متاثر کن تھا۔

گل کو تائی اماں نے آواز لگائی تو وہ "آئی اماں" کہتی ذم ذم کی باڑھ پھلا لگ گئی عزم مزید تو آچا تک نظر راتی کی رانی کے پودے کے پاس کھڑے آفاق پر پڑی تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پر کاکا سا مسکرایا۔ جاکر کسی دم روٹی میں وہ دونوں اس کی وہاں موجودی سے مکمل لاعلم تھے۔

گال ہے کوئی ولایتی سہان تھی کسی جرات کر سکتا ہے۔ دائرہ ہمارے سیدھے سادے دیکھی سہان کہاں چلے ہی دن سے لائی لان میں زندہ مائے نظر آئیں۔ "عزم نے غصے سے سوچا۔ یقیناً انہوں نے اس کا جامع چہرہ دیکھ لیا تھا۔ وہ انہیں نظر انداز کرتی آگے بڑھنے کی تو وہ اپنی کھیر آواز میں بولے۔



عقی - بھول کی چٹاں! بھول کر جھٹ پڑے ہوش بولی  
 "ن دوزوں کے اوپر آ کر جھیں - آفاق سمرا ترزا  
 کھڑا رو گیا۔

”نہ بھڑو سے پیسے اڑا لی ہو۔ کسی پھول  
نہ بھڑو کر آیا ہو۔“

عزیز کو فہم نہ آئی۔ باہر سے آئے پکار رہی تھی۔ وہ  
خوابی تھاں دیتیں صحتی دواؤں کا عہدوں کا چنگاں سے  
جس کو کھوڑا سا اور پانوں سے باہر بھاگتی۔  
”جو مجھ کو چاہو، دوا دیا جائے مگر مجھے۔ بھول  
کہاں ہیں؟“ کوئی اسے باز نہ دیا۔

جھاڑ سے (۱) سے کچھ روادی۔ ہمیشہ سادہ لکھتے ہیں کہ (۲) سے روادی۔

ایک میرزا ہم کو روہ کیا۔ عازارازا "میر  
مای محل جھپٹا" تو لگا۔ "عز نے بیٹل اترتے  
ہوئے اترے۔ ہم کے پاس کوڑی ما سے کہا۔

میں نے کہا کہ میں نے تو یہ سنا ہے کہ وہ ایک عورت تھی۔

چوتھوں نے عزو بائیں

سے سارے لوگ ہلاک ہو گئے۔ مارو رو رو کر پڑھتے تھے۔  
اعمال میں بیٹھے تھے غزوہ کا سرور پہنچا تو کئی عوام کے گھر پر  
دل چاہا اس پوچھنے کے بعد دوسری طرح بھی صرف  
کی پڑے۔ کجا کہ اس عمر سے پندھال میں کھانا کھا

八五

پڑ گیا۔ لیکن اب ولید نے منع کر دیا تو مائیں نے کہا: "میں نے تم کو دیکھا ہے، وہ تم سے بڑا ہے۔" لیکن اب ولید نے منع کر دیا تو مائیں نے کہا: "میں نے تم کو دیکھا ہے، وہ تم سے بڑا ہے۔"

انور اقبال سے دو لفظی عبارتیں

پیشوا کی شاہیوں پر تاج و تخت اور فتح و نصرت حاصل ہے۔  
پیشوا کی شاہیوں پر تاج و تخت اور فتح و نصرت حاصل ہے۔

آفاق نے والد سے نوت نکال کر اس کی طرف  
 بد صائے، وہ بدی۔ "میں آفاق بھائی... میں۔"  
 "تھوڑے جیسے اور دوں؟" انہوں نے حیرت کی  
 ہزار ہزار نوت نکال لیے۔ مزے مزے کرنا کرنا  
 اہل طرف دیکھا۔

”لے لو بیٹا مٹا دے۔“ غزالہ چھو چھو نے کہا۔

”اور تم سیر الہامی کی ایسے مست عکرواد بننا تو۔۔۔“  
 اے نکاحی تے موت کو ق تمام لیے تھے۔  
 ”تیرے بہت زیادہ ہیں آقا قربان ہوئی۔“ وہ ایسے  
 مسکرائے تھے جیسے کہ نادان بچے کی معمولی بات ہے۔

”میں نے تم سے کہا تھا، وہ بالکل کسی افسانے  
 کی طرح ہے۔ اور اترا اترا کر سب کو  
 لے آئی تھی۔“

☆ ☆ ☆  
کراں نے سرگوشی کی تھی۔

اچھے روز ہوئی، مصلحتاً دیا گیا۔ پتہ ان کا  
 ڈھونڈنا سارے شہر میں ہی رکھے جائیں۔ آئینہ  
 سخت مایوس تھا کہ ان بارگ سے تیار ہو کر شادی کر  
 لے اور پھر وہاں سے رخصت ہو کر گھر آئے۔

میں کا اوصیٰ رہی۔ عزا اور سارا علی کی ہے

میں نے اپنے کلاں میں لٹکائیں تھیں۔  
میں نے اپنے کلاں میں لٹکائیں تھیں۔  
میں نے اپنے کلاں میں لٹکائیں تھیں۔

جہاں سے اور عمارتوں کے تمام تر لواحقین

[illegible]

رہے لیکن ان کے پاس بھی ایک بات تھی کہ

۱۰ کو روزہ سب سے پہلے روزے میں آقاؐ نے دعا کی کہ

میں تک پہنچا اور وہاں بھی ساتھ تھی۔ اس کے ایک دو چوتھے وہ گئے تھے۔ ذرا بعد کی فوج داری حسب میرا حکم کی گئی۔ سابق ولید نے ہی اٹھائی تھی۔

تنگیوں اور کمزوری پر مایات کے لئے حاجت ریزیوں کے

...جسٹس کیلئے ایک نیا قانون تیار کیا گیا۔ اس قانون کے تحت جج کی مدت کا تعین کیا گیا۔ اس قانون کے تحت جج کی مدت کا تعین کیا گیا۔ اس قانون کے تحت جج کی مدت کا تعین کیا گیا۔

ہرے سے کہہ کر ان کی ماں، ماں میں نہیں بدلی۔  
 میں مجناش میں ہے۔ "مزد فادہ کی  
 طرہ سے۔ ہی بال آقا۔

اس نے بے نی سے کہہ دے۔ عذہ

اس کا مادہ ہی طرحی آنے والا ہے۔

”اگر مجھ کو ہوا کی پٹریا کی طرح ہوا جھلے، تب

”جی ہاں۔“  
خزالدہ پوچھ کر کہنے پر، وہ بالائی تختی میں  
”خزالدہ سے سارے دس ہزار روپیہ کی خزانہ آگیا  
ہے، یہی اتنی ہمواری ہے۔ ہر جتنی کی قیمت آج کل کی ہے“

وہی تھی۔ بہت مشکل سے سب کی چیزیں بیچ کر کما کر

کر پوری تھیں۔  
 "ساز سے دس ہزار عمر کی خوشی سے بڑھ کر ہیں  
 کمال"

...آپ کی اس لڑکی کی آنکھوں کی دھندلک ہے، آپ

ہم سے کہنے رہے ہیں۔ "اسلام کا ہاتھ اپنی جوتی تک کیا تھا۔"

”میں صرف یہ نہیں کہہ سکتا بلکہ یہی ساری بات ہے“ وہ ہنسی۔  
”کس بات کے متعلق؟“

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”کسی بات کے لئے نہیں۔“  
”اوہ“ اس نے گہری سانس لی۔  
”اسی عمل کا تصور میرا اکثر خوابوں کا افاق ہوتا تھا۔“  
”لوگوں کو اس بات کے بارے میں آگاہ کیا جا چکا تھا۔“

”خیر، میں نے ایسا تو نہیں کیا۔“ جواب دے کر اس نوجوان بھائی نے سکرانٹ دکھائی۔ وہ سنہ ۱۹۷۸ء میں لکھنؤ کے ایک گھرانے سے تھی۔

یہ سب کچھ اگلے کی تھیں۔  
 "ہاں میں کہتا ہوں؟ کون سا جن مجھے لگ گیا  
 ہے؟" سامنے سے آتے ولید سے گرا تے گرا تے پئی

میں۔ وہ اور علماء اس وقت کے ہمارے دکانیں اس پر

جنہوں نے اس کے مقصد تک پہنچنے کے لیے

وہ کہتا تھا کہ میری پھر ساری زندگی  
میں تمام حکم وقت بھائی کا ہے۔  
خدا کا ہے۔“

کمالیہ کے لئے جو کچھ لکھا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆  
"دس جی میں پھنسی کی لاد میں پھر بھی سہارا ملے گا  
جیسا ہوا ہے۔" مسیحا علیکم نے آج کے سہاوی

۱۔ احمس کوڑے شاہک کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

... وہ ایک نئی چیز ہے، کہانی "عزیز نے  
تجربہ کر کے جان لیا کہ ان تمام چیزوں کی پکڑیں۔"







بڑی اماں نے جھڑپ سے بیٹا کا چہرہ دیکھا۔

”عزہ کے لیے آفاق کا رشتہ“

”آپ اتنا حیران کیوں ہو رہی ہیں اماں؟“  
انہیں اماں کی بے چارگی پر حیرت ہوئی تھی۔ بڑی اماں نے غصے سے کہا۔

”بہاؤں آ رہا ہے بہت شرمیلے لڑکے ہیں۔ آپ نے یہ بڑا بھلا لڑکا دیکھا ہے۔“

”نہیں امی ان دلہنوں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔“ وہ زور بول رہی تھیں۔

”ہاں۔۔۔“

”پلیز اماں! میرے اگوتے بیٹے کی خوشی کا سوال ہے۔ اگر ولید آپ کا پوتا ہے تو آفاق بھی تو کوئی غیر نہیں ہے۔ آپ رضامندی دے دیں تو ہماری جان اور بھائی سے میں خود بات کروں گی۔“

”میری رضامندی سے زیادہ ضرور کسی بیٹی کی رضامندی اور خوشی ہے۔“

”تو کچھ بھی اماں کے کمرے تک محدود نہیں رہی گی۔ میرا بیٹا اور تالی اماں نے ہے سائنٹ ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔“

”آپ عزہ سے تو کچھ نہیں کہیں۔ اگر وہ انکار کرتی ہے تو میں دوبارہ اپنی بیٹی بات اپنی زبان پر نہیں لاؤں گی کہ بہر حال زبردستی کی قائل تو میں خود بھی نہیں ہوں۔“

”عزہ! کچھ بھوکھ نے انہیں جیسے کسی مشکل سے لگنے کے لیے آسان راستہ فراہم کیا تھا۔“

”آفاق کی خوشی ایک طرف، لیکن تمہاری رضامندی کے بغیر میں انہیں کوئی جوصلہ نہ جواب نہیں دہن کی پٹیا“

”عزہ کا دماغ سائیکس سائیس کرنے لگا تھا۔ وہ خالی خالی ٹھیکڑوں سے ماں کو دیکھنے لگی۔“

”بلو عزہ! تمہیں منہ پٹنے کے لیے وقت

نے تمہیں سے انہیں بچوں کے کاموں میں لگانے کا سوچا تھا۔ انہیں شہین سے ہم کی لڑکیاں بہت

پہنچیں اور ”اچھی پڑھتیوں کو کمر لے اور میں طاق دیکھتی ہوں۔“

”خیر تو پھر بھی آسانی سے ہاتھ لگاتی ہیں عزہ۔“

”پارہیز کہاں ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر والدین نے حیرت سے دیکھا۔

”پارہیز کہاں ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“

”میں نے تو کہا ہے؟“



”میں نے..... اس نے بات ادا ہو کر چھوڑ  
 ”یہ جھگ دلی نہیں ہے عزمہ۔“ اس نے عزمہ  
 کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ آنکھوں میں نمی

”میں کتابی کتابیں ہیں ساری۔“ عزہ نے  
 ”اے نظربانی! اختلاف کیجئے۔“ کہہ کر  
 کندھے اچکا۔  
 ”تو پھر امریکہ چھوڑ دیں۔“ اس نے ایک دم  
 دہائی خیزی سے مسکرایا  
 ”تمہاری خاطر کچھ بھی چھوڑ سکتا ہوں۔“  
 ”میں ڈرم کی باڑھ پھلانگیں پڑاؤں گی۔“  
 ڈرم کی باڑھ پھلانگیں پڑاؤں گی۔



چھری لے کر ہاتھ، ڈانٹ پانتیں بیڑی اماں اس کے دوڑے جانے کا سرخ آراب دیکھ رہی تھی۔ عزت آرمز ہو کر آگے لے کر چلی۔ تیرتو تیرا فانی اسے کرے کی طرف جانے ہی کی گئی کہ اس نے لیدر آگیا۔ اسے آج ہی لے بیٹھی گئی تھی۔ اسے سے مارے پے نکال کر عزت کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

”کیا ہے؟“

”سمبارا ادھار چکی رہا ہوں۔“ ولید نے مسکراتے کی کوشش کی تھی۔ بڑی شہ، سرخ آگے تھیں۔

”وہ ادھار نہیں تھا ولید۔“ اس نے مارے نوٹ دوبارہ اس کے ہاتھ میں تھا دیے۔ مشہر ہاتھ رکھے بھاتی ہوتی اپنے کرے میں بندھ گئی۔

☆☆☆☆

شام کو نکاح کی تقریب تھی۔ صرف قریبی احباب کو ہی مدعو کیا گیا۔ بوٹی اور گل کے لاکھ سرار کے باوجود عزت مارے تیار ہونے پر رضا مندی نہیں ہوئی تھی شاید بھائی نے اسے کسی عریضی یا کر دیا۔ ”ارے واہ واہ“ اچھے اعزاز ہیں تھا میں اتنی اچھی بیٹی تھی میں ہوں۔“ منجھنی کی عزت کی ٹوک ٹوک سندار کر اس کا حناؤہ حتیٰ شاید بھائی نے فرضی کارا کر اکرانے تھے۔

”اپنی گل کے لیے ابھی سے ایڈوانس اماڈمنٹ منگے ہیں۔ کیوں گل؟“ بوٹی

مشہر اسٹ رہا تے ہوئے کہا تو وہ فریڈا ہوئی۔ ”جی نہیں، میں آپ کی بہن کی طرح تقدیر حسن کی دولت سے مالا مال تو ہوں نہیں کہ دوچار

اٹنے سیدھے بڑن بھوانے سے ابھرا گئے لوگوں؟“ شاید بھائی اسے گھورتے ہوئے سامان سمیٹنے لگیں۔ نکاح سے پہلے تالیما نے اکیلے میں عزت

لاڈلاؤ فاقی سے حق مہر کھانے کی بات کر دی۔ ”وہ حق آباد والا کھرا جہر کا لون کا والا نکاح دونوں میں سے کوئی ایک بھوکے ہمارے حق مہر لگے دیں۔“ تالیما کی بات پر عزت بھوکھوئے آفاق کی

”پل تم بہت مختلف ہو۔“ اس کے رخسار کو ایک نرم چمکی سے پہلا تادہ مسکرایا تھا۔ عزت نے خود بخاک آ کی خزی حد پر کھڑے ہوا۔

☆☆☆☆

رات بہت سوئی نہیں کی تھی۔ اپنی آئینہ زندگی کا ہونا نک تشع اس کے خوف زدہ کر رہا تھا۔ بے چارہ فخر آفاق کو اپنی وجہ است اور اسٹیشن کا ٹھکانہ پر احساس تھا۔ مگر ولید نہیں تو پھر آفاق کی عیوں پر عزت کی بے چینی حد سے سو گئی۔ آگھوں میں برت چکی کہ جس کی لیے وہ اپنے کرے سے باہر آگئی تھی۔ مگر بہت خوش گوار ہو رہا تھا۔ کن میں ہی سب کچھ لگاؤ خوش گھبیوں میں مصروف تھے۔ کچن میں گل پکڑتے تھے رہی تھی۔ دوسرے چہلے پر شاید بھائی نے چائے کا پانی رکھا۔

”سنو غزالہ عاید سے بھر بہت رہ لیا پر دلس میں۔ کس اب سب کچھ سمیٹ کر یہاں آ جائے۔“ تالیما نے عزت کا چھو چھو کر کہا تو ان کے ہاتھ کہنے سے کل آفاق بول پڑا۔

”کم آن ماموں۔ سب لوگ آگے کا مہر تھے۔ بیٹا آپ مزید پیچھے جانے کی بات کر رہے ہیں۔ اس کے پیچھے پیچھے میں ایک چھین کی تھی۔

”میں صاف جزا رہے۔ ابھی تم نے اپنے ملک کی آزادی کا مرا نہیں چکھا اس لیے اب بھر رہے ہو۔“ آفاق نے ناگوار کی سے لب بھلا۔ وہ اپنے

موتیوں پر ان سب کے لائو کی گل آنے والے روکن کا ذخیرہ مند تھا لیکن یہاں ان سب اپنی زمین کا لاک الٹ جا رہے تھے۔

”غزالہ آفاق دور پیچھے وقت ہمارے دل میں بٹا رہا ہے۔ لیکن وہ۔۔۔۔۔ اس میں تو جان ہے ہمارے۔ ہمارے کمر کی رونق ہے۔ اس کے دور جانے کا سوچ کر ہی ابھی سے دل میں ہول اٹھنے لگتے ہیں۔“

بوٹی اماں کا بھتیجی سے بول رہا تھا۔ اس کی پکڑاؤ شہر آفاق و مالا مال حرکتوں کی وجہ سے سارا دن

”لیکن اسے مغربی طرز کے بے ہودہ لباس نکلا تادہ دیکھ کر وہ خاموش نہیں رہی تھی۔“ میں ایسے کپڑے نہیں پہنتی آفاق؟“ اس نے جیسے احتجاج کیا تھا۔

”تمہیں پہننے چاہئیں ڈیزا تھا ہمارے علاقے ملک کی اینٹیں لکر سپر بہت سوٹ کریں گے۔“ ان کی جسامت کو فوریوں دیکھ کر وہ کی دکان سے ٹولے گئیں میں کجا کی خوب صورت ٹیوٹن ہوئے صلیو میں کے سامنے عزت مارے شرم کے زلزلے میں لڑی۔

ایک وہ تھا ولید گردن میں لاپرواہی سے انار ڈالے جس کے ساتھ ایک ہی صوفی پر بیٹھنے کے

باوجود اسے بھی اپنے آپ میں بیٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ نام عزت کا تھا جبکہ سارا

شاہک آفاق نے اپنی پسند اور مرضی سے ہی کھی۔ آخر میں ایک بیٹے ترین رہے ٹیوٹن میں

کیٹن لائٹ ڈیز۔ سب کچھ بہت خوب صورت اور خوشگوار سا تھا۔ اس وقت آفاق کی کچھ بولے ہوتا تو۔۔۔۔۔ ”اس کے خیال کی دیکھو سے بھائی کی

”میں نے اتنی خوب صورت زندگی کا بھی خواب میں ہی نہیں دیکھا ہوگا۔“ عزت نے گہری سانس لی تھی اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں خوب صورت لیکن اننا چاہی۔“ اس نے بھن بھناتے اس کے دل پر فخر مارا ہو جھپٹا پڑا تھا۔

آفاق کی موجودگی میں اس کے لیے گل کر سانس لینا تک مشکل ہو گیا۔ وہ بہت خود پسند تھا۔

موتی کا مخالف رش بھی اپنی طرف موڑنے والا۔ عزت کو محسوس ہوئے کچھ بھی تھی۔ ”میں تھک گئی ہوں آفاق کھر چلیں؟“

”کمال ہے تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو کھر کر کیا اس وقت بڑی دغا بھول جاتی۔“

”میں ان لڑکیوں جیسی نہیں ہوں۔“ عزت اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆  
اگلے جمعہ کو نکاح کی تاریخ مقرر کی گئی۔ عزت بھوکھو کی خواہش تھی کہ عزت آفاق کے ساتھ جا کر ساری شاہک اپنی پسند سے کرے۔ انہوں نے اعازت طلب نظروں سے بڑی اماں کی طرف دیکھا تھا۔

”ٹھیک کہہ رہی ہے عزت اچھا ہے عزت سب بھوکھو اپنی پسند سے لے لے لے۔“

آخر پیچڑوں کی اپنی چوڑی ہوتی ہے۔ تالی اماں کے کہنے پر انہوں نے غائبانہ رہے دی تھی۔

عزت جانا نہیں چاہتی غزالہ ان پر غائب کیا سوچ کر رہی بھولی۔ داپسی پر اسے ڈھچ مارے شاہک

بیٹن کے مراد آفاق کے ساتھ تادہ ولید کے اندر کہیں سے دھواں اٹھنے لگا تھا۔

”بھگتہ زرار کا پستی رنگ کا کا مڈا زرار، جھپک کا تفسیٹ، جوتے، کپڑے، کچ کا جیکس۔۔۔۔۔“ سمیرا ایک کوشش کرنے لگی۔

”کی ضرورت تھی اتنا سب کچھ لینے کی وہ بھی اتنا بھگتہ؟“ انہوں نے دلی زبان میں اسے ڈانٹا تھا۔

”میں نہیں لے رہی تھی انی انہوں نے خود نکال لیا ہے سب کچھ۔“ عزت نے جوتے سے کہا۔ وہ

انہیں بتا نہیں سکتی تھی کہ آفاق کے ساتھ شاہک کرتے وقت وہ مضبوط کن کرے مہر سے

مزمزی تھی۔ اس نے گل کی میں بھولی بار کھو کھو اتنا غیر مارا دم اور ہے بے نیکی محسوس کیا تھا۔ ہاتھ پکڑنے سے لے کر کمال نے بھگتی سے اس کی کمر میں بازو

مائل کرنے کی کوشش کرتے شاہک کر داتے ہوئے آفاق کا چند گھنٹوں کا ساتھ اس کے لیے کئی گوار پر چلنے کے مترادف تھا۔

”یہ آپ کا امریکہ نہیں ہے آفاق؟“ اس نے دلی آواز میں انہیں ٹوکا۔

”وہ کم آن آن! ڈونٹ لی کنزرویٹ۔“ وہ ناگوار سے اسے ٹوک کیا تھا۔ عزت نے کچھ



خلف دیکھا جس کے ماتھے پر ان گنت لکینیں ابھر گئی تھیں۔  
 ”اس کا مطلب ہے آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے ماموں۔“  
 ”ہاں اعتبار کی نہیں کیورنی کی ہے بیٹا۔“ وہ  
 رمانیت سے پوچھے تھے۔  
 ”غزالہ نہیں تو ہمارے رزم و رواج کا ہٹا ہے نا؟ حق مہر میں زمین، زیر و کھونا ہمارے پرکھوں سے چلا آ رہا ہے۔ تمہاری شادی کرتے وقت اباجان نے عابد سے ان کے آباؤی گھر میں سے اس کا شرعی حصہ تمہارے عام گھوڑا کر کے نکال چڑھانے کی اجازت دی تھی۔“ غزالہ چھوٹھو نے اثبات میں سر ہلایا۔  
 ”میں جانتی ہوں بھائی جان۔ ویسے بھی یہ لیکن اب دور بدل گیا ہے۔ ویسے بھی یہ سب چیزیں تو غیر روں میں دھکی جاتی ہیں۔ اپنی تو انسان آکھیں بڑکے اعتبار کر لیتا ہے۔“ آفاق نے انہیں دگاتے ہوئے کہا۔  
 ”دور بے شک بدل چکا ہے۔ لیکن اپنے جگر کے کلہرے دوسرے کے حوالے کرنے والے والدین کے خدشات و تفرعات ابھی تک وہی ہیں۔“ سنجیدگی سے کہتے وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ”بہر حال تم عابد دونوں سوچو اس بارے میں۔ مناسب رہے گا عابد سے بھی مشورہ کرلو۔“ باہر جاتے وقت انہوں نے آفاق کے کندھے کو تھپتھپا دیا تھا۔  
 ”بھئی بھائی جان سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے گی آفاق!“ ان کے جانے کے بعد غزالہ نے آفاق کو سمجھانے والے انداز میں کہا کہ وہ غصے سے بھڑک اٹھا تھا۔  
 ”ہاں تمہیں ہیں آپ نے ان کی؟ کیورنی۔ مائی لنڈ، مجھے یہ سب کچھ بہت افسانگ لگ رہا ہے مائی ماموں! تو صاف صاف بتا دو مجھے ان کی شرط منظور نہیں بالکل بھی نہیں۔ اگر انہیں مزہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دینا ہے تو مجھ پر زبردستی نہ ہوگا۔ ورنہ میں نکاح کے وقت انکار کرنے کا

”مطلبہ خود بخود بھیجے ہوں گے۔“ باقی سب کو طلبہ سے ”مطلبہ ہے؟“

”جی ہاں، میں امان سے بات کر رہی ہوں شاید وہ...“

انہوں نے کو ایسا کہنے پر بند باندھنے کی کوشش کی تھی۔ بھائی جان اپنی بات سے قطعاً متعلق تھا اور اسے لگاؤ کا وقت ہو گیا تھا۔ مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔

”ماں..... دو تو بھول ہی جائے میں اسے دوبارہ بھی یہاں قدم رکھنے دیوں گا۔“ اور اس سے زیادہ سننے اور سنتی نہ سکتی نہیں تھی ولیدہ میں۔ وہ تیر کی تنہری ہے وہاں سے نکلا تھا۔

عزیز کو بتایا کر کے لاؤنج میں بیٹھا دیکھا تھا پانی خالی اندر بن کر سی کیفیت میں کو بار آورڈ سے بہے غنائتھی تھی کہ ایک جھلک سے جبکہ سر پروا نہ تھا۔

”نکلنا روک دیں بروٹی امان!“ ولیدہ بڑی اماں کے قدموں میں بیٹھنا کہہ رہا تھا۔ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پلیئر غمزہ مجھے دے دیں۔ “بڑی اماں دم بخود رہ گئیں۔ ایک نظر قدموں پہ ہاتھ رکھے پوچھتے کو دیکھا۔ دوسری نظر کے حصار میں بہت سارے لوگ آئے تھے۔“

”کیونکہ رہا ہے اماں جان؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ غمزہ تو میرے آقا قاق“ غمزہ انہیں چوکھو سب کچھ بھول بھال کے آگے برومی تصویریں۔

”تمہارے بیٹے نے میرا مان نہیں رکھا غزالہ۔ بات صرف زمین کے ایک ٹکڑے کی نہیں تھی۔ وہ میرا دل کرتے کی خاطر میری شرط ملنے کی بائی بھر لیتا تو نہ کسی بچی کا ہاتھ تھا نہ کسی کی نظروں میں مبتلا تھا۔ احترام بڑوں کے مان، ان کے فیوض کا ہی پتا نہیں ہے اس کے ہاتھ میں اپنی اداوں کی۔ یعنی کا ہاتھ تھا نہ کسی نے مزاحمت کیا اور وہ بھائی کی نظروں میں مبتلا تھا۔

مردمانی ہو سکیں گا۔" تاپا نے یسعلہ بنادیا۔  
 آفاق نے غصے میں وہ کچھ بھی کہہ الا  
 صورت پر ہے چاک کردیہ غزال کچھ بھوکا  
 شرم سار، بولھائی سی۔ نکاح خواہی آج کے۔  
 لاؤنج میں گھبراہٹ سی بچی سی۔ سیرا بچی نے ساراں تھکا۔  
 انتہا رات بڑی اماں کے ہاتھ پر رکھ دئے۔ و۔  
 حیرت کا بت بنی عزمہ کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔  
 اماں نے پوسرت لہجے میں کہا۔  
 "نکاح شروع کریں مولوی صاحب!"

☆ ☆ ☆

"کیوں کل! خوشی کے اس موقع پر  
 مشہور زبان تو لوگ میں الا بچی۔" ایک ڈاکٹر  
 بناتے تھے۔ عمار کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔  
 نکاح ہونے ہوتے جیسے ایک دم ٹھیک ہو گیا تھا۔  
 "مجھے" منتقلی شدہ ہو کر بڑی اماں سے  
 کا کوئی شوق نہیں۔ کل سے بچھوڑی والا ہاتھ  
 کے سامنے لہر کرنا سے یاد دہانی کروائی تو وہ رو  
 ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔  
 "اودہ یاد نہیں تو اس" مبارک انگلی۔  
 چکر میں اٹھا خاصا چپس کر رہا ہوں ایک وہ وہ  
 ہے جو کل تک لنڈا دکھ رہا تھا آج اس کے ڈکے  
 کے چھوہارے بھی بٹ گئے۔  
 سب مہمان جا چکے تھے۔ صرف بڑی  
 سسرالی اور شائکہ بھابی کے سیکے والے  
 تھے۔ سیرا بچی تار تالی اماں بہت  
 ان کے سیرا بچی خوش گیوں میں مصروف تھے۔  
 ہڈی جن میں گھبراہٹ اور شائکہ ملازماؤں کی مدد سے  
 بھلاؤ آٹھنے میں کسی ہوتی تھیں۔ بھوکوں کی چیخ  
 منٹھائی کے خالی ڈبے، گولہ ڈانڈوں کی صو  
 پورے جن میں بھی کرسالی۔  
 "اودہ!" علی نے چل کر ماں کے کانور کے  
 بال اتار دئے تھے کسی کی مار کے تکلیف کے  
 کی آٹھوں ملے آٹھ آٹھ۔ قدرے فاصلہ

ہو کر ان کی طرف دیکھا۔  
”ہمیں، میں، کروں گی۔“  
”میں جانتا ہوں تم کرو گی۔ ہمیشہ سے کرتی آ رہی ہو۔ لیکن لازمی تو نہیں ہے ہر بار وہی ہو جو ہمیشہ وہ خلاف معمول قدرے مختلف لکھ میں کھڑے وہ خلاف معمول قدرے مختلف لکھ میں بات کر رہے تھے۔ شاملہ کی آکھیں نہیں پانی سے پھر نے لگی ہیں۔“

☆ ☆ ☆  
کر تا وہ زبردستی لکھ میں بولے۔ شاملہ کو آواز ان کا قدر بہت اونچا ہو گیا ہے۔  
”سدا ببا کی جان! اپنی اما کو مار کرنے دو۔“  
”معاذ اللہ! سے لے کر ہوا میں اچھلتے لکھ کر تے تو بہت مختلف زور بہت لگ رہے تھے۔“

☆ ☆ ☆  
عزیز نے کمرے میں آ کر سب سے پہلے گلے میں پھینک کر کسی طرح کی طرح اٹار پھینکا تھا۔ کپڑے تبدیل کیے بالوں کی قمیض اتار کر سادہ لونی میں کس اور گہری طویل ساس لائے اندر اتاری۔  
”یہ سب ہو گیا ہے آخر؟“ کمرے میں یہاں سے وہاں چکر کاٹی وہ اپنے اندر اٹھتے اشتعال پر بھلے قابو پانے کی سعی کر رہی تھی۔  
”میری دوستی کو خفا بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں اسے کسی کی نہیں دیتی اور یہ ولید۔ بہرہ بہت ہے۔“  
”اس کا نہیں نہیں چل رہا تھا کچھ کر ڈالے۔“  
”سب کو گلے بانی اور چھت پر بلا کر رکھ دیا۔“  
”اس میں دانت کاٹنے والی کون کی بات ہے؟“

Protected with free version of Watermarkly. Full version doesn't put this mark



”تم میرے جذبات کی شدت سے ناواقف تو نہیں تھے ولید مجھ بھی تم نے.....“ وہ اس کے سامنے روٹا نہیں چاہتی تھی۔ رندھے گلے کے ساتھ بولی۔

میر و محبت کا اظہار کرتے تو عورت اپنی نظروں میں جھک کر ہوجاتی ہے۔ اور لڑکی یہ پہل عورت کی طرف سے ہوتو وہ مرد کی نگاہ میں بہت چھوٹی پڑ جاتی ہے۔ بہت عام کی۔ آسانی سے قابل رسائی، قابل حیرت، میں نہیں جانتی مجھ کی نظروں میں جھکا کی تمہاری اس خواہش کے پیچھے کیا وجہ تھی؟ میں صرف اتنا جانتی ہوں مجھے اپنا وقار، اپنی نسوانیت اور عزت کس ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہے۔ مجھے محبت سے دستبرداری منظور تھی بجائے اس کے کہ میرے چند ارکھیں پیچھے۔ وہ طبعی اور بے لچک انداز میں دل رتی تھی۔ ولید نے دونوں ہاتھوں سے تمھارے کان پر اپنی جانب موڑا۔ ”اگر مجھے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا کہ میری امتحان نہ کرتا، تو ذہن لگ جھکا نے اسے دیکھے تھی۔“

”خدا کی قسم! اگر میری ہر والا ایٹھونہ ہوتا تو بھی میں نے تمہیں کی اور کانٹیں ہونے دینا تھا۔ میں بڑی اماں کے، ابا جان اور کمرہ اپنی کے پاؤں پڑ جاتا کہ میں غڑہ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پلیز غڑہ مجھے دے دیں۔“ غڑہ کی آنکھوں میں جھانکتا وہ جذبات سے بولا تھا۔

”اب تو مان جاؤ۔“

”ایک شرط ہے۔ غڑہ نے مسکراہٹ بولائی۔

ولید جی جان سے تجویز ہوا۔

”آئندہ تم مجھ سے کوئی ادھار نہیں مانگو گے؟“ ولید نہیں دیا۔

”اب تو زندگی بھر کے لیے مقروض ہو گیا ہوں تمہارا۔“ صاف شفاف آسمان کے وسط میں چمکتے چاندیوں کے چاند نے مکرراتے ہوئے اپنی ساری چاندنی ان دونوں پر لٹا دی تھی۔



نوبت ہوتی۔ غڑہ دھڑا دھڑا سیر حسیاں چڑھتی اور اپنی۔ لیکن سامنے گلے کے بجائے رینگ سے لپکتے ہوئے کوکھ کو دیکھ کر بے ساختہ دل چاہا شرمیلی تھی۔ غڑہ نے رکھ دے۔

”اسے واپس سیر حسیوں کی جانب پڑھ دو۔“ ایک دم اس کے سامنے آ گیا تھا۔ غڑہ کو خواہش تھی۔ اس کے سامنے لگا۔

”جہاں تک تمہارے بڑے بڑے اماں نے نکاح کے بعد ہمیں پردہ کرنے کا کوئی قانون لاکو نہیں کیا ابھی تک نہیں؟“ غڑہ اسے بولتی تھی۔

”کس بات پر طعنے ہو؟“ ولید نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

”میں طعنے نہیں ہوں۔“ منہ دھری طرف پھیرتے۔ ”مکانی بھرے لکچے میں بولیں۔“

”ابھی تا راضی کی وجہ سے بتاؤ۔“ وہ صبح جو انداز میں بولا۔ غڑہ بڑھی۔ ”میں بھلا کیوں ناراض ہوں کی تم سے؟“

ولید نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ غڑہ کو جیسے کرنٹ نے چھو لیا تھا۔ ایک تھکے سے اپنا ہاتھ چھڑوا دیا۔

”اگر حق مہر کو جواز بنا کر وہ لوگ عین نکاح کے وقت انکار کر کے مجھے رسوا کرنے ہی والے تھے تو تمہیں کچھ بھی کوڈ کر میرے سر پر احسان کا ٹوکرا رکھنے کی ہر ضرورت نہیں تھی۔“

”یہ احسان نہیں ہے غڑہ!“ ولید کو کچھ میں ہی نہیں آیا۔ اس سے اتنی بدگمان کیوں ہوئی ہے۔

ناراضی سے ہونا چاہیے کہ اس نے آفاق کا رشتہ جھٹ سے قبول کر لیا تھا۔

”تو پھر خود کو عین وقت پر قربانی کا کبرا بنا کر پیش کرنے کے پیچھے کیا وجہ تھی؟ کیونکہ تمہاری خواہش تو ویسے بھی پوری نہیں ہو سکتی۔“

”اوہ!“ ولید کو ساری بات کچھ میں آگئی۔ اس دن یقیناً اس نے گلہ اور اس کے مابین ہونے والی ساری گفتگو سن لی تھی۔ ”اور میں بے وقوف سمجھتا ہوں کہ آفاق کا ساتھ تم نے اپنے دل کی خوشی کے لیے قبول کیا؟“



نجانے تائی امی کو کس چیز کا زعم تھا۔ چار لڑکوں کا بڑے کاروبار کا — تمام خاندان ان کا دم بھرتا تھا۔ بڑی بھابی بڑی بھابی کہتے سب کا منہ سوکھتا تھا۔ یہ سچ ہے، تائی امی نے داوی جان کی بڑی خدمت کی۔ ہمیشہ ان کی فرماں بردار بہو ٹھہریں۔ بیاہتا مندوں کو ہمیشہ خوش دلی سے خوش آمدید کیا۔

چھوٹی چھو چھو کا پہلا بچہ آپریشن سے پیدا ہوا وہ اپنی سسرال سے دور گراچی میں تھیں۔ بڑی تائی دوسرے دن اسپتال سے اٹھا کر انہیں گھر لے آئیں۔ پورے دو ماہ خدمت کی۔ اتنی خدمت کہ گھر جاتے ہوئے چھوٹی چھو کی آنکھوں سے موتی چھڑنے لگے، بولیں۔

”بھابی! خدا کی قسم آج میری ماں زندہ ہوتی تو وہ بھی میری اتنی خدمت نہ کر سکتیں۔ بھابی آپ نے مجھے خرید لیا۔“

بڑی تائی نے شفقت سے ان کا ہاتھ چوما اور بولیں۔

”عاصمہ! میں تمہیں اپنے بہنوں کی طرح خیال کرتی ہوں۔ اللہ شاہد ہے کہ میں نے تم میں اور اپنی بہنوں میں کبھی کوئی فرق نہیں روا رکھا۔ بس خوش خوش اپنے گھر سدھارو اور ہمارے لیے دعا کیا کرو۔“

”بھابی! میری ساری دعائیں اب اور آپ کے بچوں کے لیے ہیں۔“

ماما اور چچی اوپر والے پورٹن میں رہتی تھیں۔ دو کنال کا کشادہ گھر تھا۔ اپنا اپنا بچن اور اپنا اپنا سیٹ اب تھا۔ مگر اب گھر میں کشادگی کم ہو رہی تھی۔ ہم چار بہن بھائی چار بچے چچی کے، ہر بچے کو اپنا اپنا کمرہ چاہیے تھا۔ بابا نیا گھر ڈھونڈ رہے تھے۔ اصولاً تو باری بڑی تائی کی تھی۔ دو بہنیں گھر لے آئی تھیں ان کے بھی دو بچے تھے۔ انہی دو لڑکے رہتے تھے۔ ان کو جگہ کی تنگی تھی مگر بڑی تائی نے بھی شکوہ نہ کیا۔

میں نے ان کا چہرہ اپنے محبت کرنے ہوئے۔ ”میں نے ان کا چہرہ اپنے محبت کرنے ہوئے۔“

”ہاں! آپ جیسا دوسرا کوئی ہوئی نہیں سکتا۔“

”بس بیٹا! میرے لیے یہی کافی ہے۔“

میری بات سن کر ماما کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔

میں تائی سے نفرت نہیں کرتی تھی۔ ماما نے کبھی کسی سے نفرت ہی نہیں سکھائی۔ بس مجھے ان کی تیزی سے الجھن ہوتی تھی۔ مجھے پتا چل گیا تھا وہ اوپر سے اور ہیں اور اندر سے اور۔ مجھے اپنے رشتہ داروں پر خاص آتا تھا جو انہیں بڑا ہم درد غم گھسار بھجھتے تھے اور ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔

نجانے کسی کو ان کے چہرے پر چڑھا نقاب کیوں نظر نہیں آتا تھا۔

”ہاں! آپ نہیں بڑی ہیں آگے سے جواب کیوں نہیں دیتیں، وہ آپ کا مذاق اڑاتی ہیں اور آپ جھکتی ہیں کہ وہ آپ سے مذاق کرتی ہیں۔“

ماما نرمی سے جواب دیتیں۔

”جنا! میری بیٹی! میں جانتی ہوں۔ وہ میرا مذاق اڑاتی ہیں۔ مگر وہ بڑی ہیں۔ میں ان کا لحاظ کرتی ہوں۔ یہ زبان بندی ایک دن میرے کام آئے گی اور یہی زبان درازی ایک دن ان کے لیے مصیبت بنے گی۔“

بیٹا اللہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ میرے دل میں کیا ہے اور ان کے دل میں کیا ہے، وہ سب سے باہر ہے میں جواب دے کر ان کی بولتی تو بند کر دوں مگر اپنی نظروں میں گر جاؤں گی! میں میں برس سے ان کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ انہیں اندر باہر سے جان کی ہوں۔ انہیں نہیں پسند کہ ان کے سامنے کوئی کسی دوسرے کا دم بھرے، وہ بڑی ہیں اور انہیں اپنے آگے کسی دوسرے کی تعریف ہرگز پسند نہیں۔ اتنا تو میں بھی جان ہی ہوں۔ لہذا میں ان کے آگے لیے پیٹ ہی رہتی ہوں تو ایسے بھی مجھے لوگوں سے کیا مطلب، تم، تمہارے بابا، تمہارے بھائی تو میری عزت کرتے ہوتا؟ مجھ سے

پاس بلایا اور بی محبت سے کہنے لگا۔

”جنا! اگر تمہارے دوست آگے سے بڑی چھو کے گھر سے اس ایک بڑی تائی کے پاس تم کس کو قتل کر دیتی؟“

میں ان کی بات سن کر منہ کھول کر اور پھر ہاتھ کرکھڑی ہوئی اور نے اپنے دوست کیلئے ”منہ تو بند کرنا اور نہ کہنے کی بات ہے۔“

”میں کیا کہوں۔“ میں نے کہا۔

جواب دیا۔

”جواب کی بات ہو، مختصر دل ہوئی۔“

”میں تو کوئی مرضی نہ مانا۔“

نظروں سے میری آنکھیں نکلا۔

”نہیں امی! میری کوئی مرضی نہیں۔ ہاں بس ایک چیز ہی خواہش ہے جو مجھے اپنے ماں سے، اس کو ہاں کر دیں۔“

”یہ بات تو میری جانتی ہوں بیٹا! عزت محبت سے بوجھ کر بولی ہے۔“ ماما نے کہا۔

اور انہیں ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ایکس

میرے خواب لوٹا دو	کسی راستے کی تلاش میں	اُجالوں کی بستی	ایک میں اور ایک تم
نکتہ عبد اللہ تیت - 400/-	میمونہ خورشید علی تیت - 350/-	فاخرہ جبین تیت - 400/-	حزلیہ ریاض تیت - 350/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی  
32735021



[illegible][illegible]

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے  
پہلوں کے لیے خوب صورت نازک

37 اردو بازار کراچی فون 32216361



رضا جمیل  
300



تارو خاتون  
بنت 300 روپے

## عزت و شہرت



لورینہ کسمیرا  
بنت 750 روپے



سہیلہ بیگم  
بنت 1400 روپے

## عزت و شہرت



گلشن ملک لکھی



مذہب و ادب نگار کے لیے

## عزت و شہرت



گلشن ملک لکھی



مذہب و ادب نگار کے لیے



# حبیہ شیراز



ہی نہیں، خیر تم چائے پی لو، پھر ناشتہ بنانا۔ انہوں نے بات مکمل کرتے ہوئے چائے کا کپ ہونٹوں سے اگا لیا۔ سیدہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ٹرے اٹھا کر اندر چلی گئیں۔

☆☆☆

”اٹھ جاؤ بھئی، فجر کا وقت ختم ہو رہا ہے۔“ سیدہ بیگم بھاگی جگانے کے لیے آئی تھیں۔ ”خولہ چچی ریڈ پرسونی حرا اور سونیا پر سے چادر اتارتے ہوئے بولیں۔ وہ دونوں کسمائیں۔“

”کیا ہے ای! سونے دیں نا۔“ حرا آنکھیں بند کر کے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”اب نہیں بیٹا! اشو شاباش۔ پرندے ہم سے پہلے

مہر النساء نے قرآن پاک بند کرتے ہوئے پوچھا۔ ”جزدان میں لپیٹا۔ اسرار احمد اور ابرار احمد نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے ایک ساتھ سلام کیا۔“

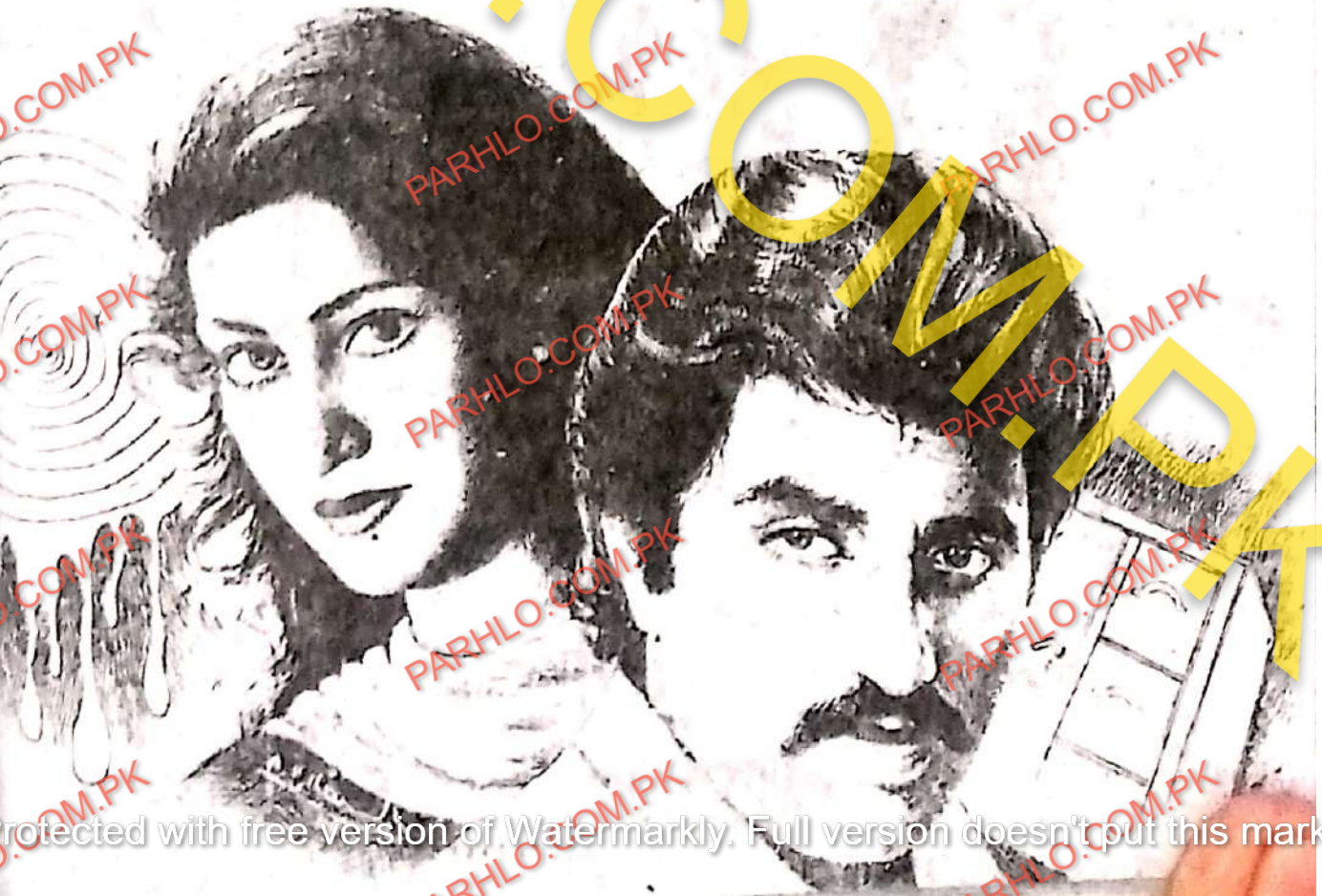
”السلام علیکم اماں جان!“ ماں کا پیار لینے کے لیے وہ ان کے سامنے جھکے۔

”بلیکم السلام اچھے رہو۔“ انہوں نے دونوں کے سر پر باری باری پیار کیا۔ سدرہ بیگم سلام کرتے ہوئے سب کو چائے دے نکلیں۔

”بہو! بچیاں نہیں اٹھیں۔“

”خولہ اٹھانے گئی ہے۔“ چائے پکڑاتے ہوئے سدرہ بیگم نے جواب دیا۔

”اس عمر کی عیند بھی بڑی ظالم ہوتی ہے۔“ نونتی





کے پاس ہو جائے۔" "اس نے لاؤنگ میں  
مہر النساء کے پیچھے کے نیچے رکھتے ہوئے  
کہا۔

"جی دادو!" سونیا نے آہستہ آواز سے کہا۔  
"اور ہاں، آج شام کا کھانا اور چکن کی مکمل ذمہ  
داری سونیا کی ہوگی اور کوئی نہیں جائے گا اس کی مدد  
کرنے۔" مہر النساء نے اگلا حکم جاری کیا۔

"جی۔" سونیا کے منہ سے کھٹی کھٹی آواز نکلی۔  
اس نے پریشانی سے ماں اور تانی کو دیکھا جنہوں نے  
ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کھنکھاتے ہوئے ہنسنے لگے۔

"اگر۔" اشارے بازی ختم ہوگئی ہو تو بشت بناؤ  
جا کر اسے اس کے پاس لے کر آئے۔

شاہ میر نے بھی کانچا دیا۔ شاہ میر سے یاد آیا،  
ابھی آیا نہیں، ورزش کرنے کے لیے۔ مہر النساء نے  
باری باری سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اسی وقت سے دینی دروازہ کھلا اور شاہ میر داخل  
ہوا۔ چنانچہ تین بجے قدر مضبوط کمرتی جسم سرف  
چوڑی پیشانی، بڑے بڑے چشمے کے ساتھ بلاشبہ وہ ایک  
ذہن منور شخص تھا۔

سب پر اس کے بے خبر سواری تھی۔  
"کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"یہ سارا کچھ نہیں اٹھی، دن لکل آیا۔ تم نے  
بچا یا نہیں بہو!" مہر النساء تخت پر چھٹی بیٹھ کر  
ہوئے بولیں۔ پاس داشتہ کرتے ہوئے سدرہ بیگم اور  
خولہ جی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں، آج شام کا کھانا اور چکن کی مکمل ذمہ  
داری سونیا کی ہوگی اور کوئی نہیں جائے گا اس کی مدد  
کرنے۔" مہر النساء نے اگلا حکم جاری کیا۔

"جی۔" سونیا کے منہ سے کھٹی کھٹی آواز نکلی۔  
اس نے پریشانی سے ماں اور تانی کو دیکھا جنہوں نے  
ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کھنکھاتے ہوئے ہنسنے لگے۔

"اگر۔" اشارے بازی ختم ہوگئی ہو تو بشت بناؤ  
جا کر اسے اس کے پاس لے کر آئے۔

شاہ میر نے بھی کانچا دیا۔ شاہ میر سے یاد آیا،  
ابھی آیا نہیں، ورزش کرنے کے لیے۔ مہر النساء نے  
باری باری سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اسی وقت سے دینی دروازہ کھلا اور شاہ میر داخل  
ہوا۔ چنانچہ تین بجے قدر مضبوط کمرتی جسم سرف  
چوڑی پیشانی، بڑے بڑے چشمے کے ساتھ بلاشبہ وہ ایک  
ذہن منور شخص تھا۔

سب پر اس کے بے خبر سواری تھی۔  
"کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔

"نہیں، انہوں نے مجھے جوڑا  
کیا ہے، کیوں تک کر رہی ہیں سونے دیں  
نا۔" سامعہ نے بچکے کے نیچے سے بازو نکالا اور مندی  
مندی آنکھوں سے پوچھا۔







”اچھا تم غیبی ہوا؟“ کہہ کر اس نے سر ہلاتے ہیں۔ ”وہ نام ایک حکمرانی گھرانہ کا ہے۔“

”سامعہ اس کے سب سے بڑے بیٹے کی بیوی ہے۔“

”تم ایسے لگتے ہو گھر کی لڑکی کی طرح۔“ وہ کہہ لگی، کھلتے ہوئے ہنسنے لگی۔

”موتی ہے مجھے کس کو؟“ وہ کہہ لگی۔

”اس وقت ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“ سامعہ نے اسے پوچھا۔

”مجھے نہیں پتا کہ۔“ اس نے جواب دیا۔

”تو بہت مصروف ہوتے ہیں۔“ وہ بات سمجھاتے ہوئے بولی۔

”مجھے خبر لگتا ہے، وقت میں روبرو ہمارا رہتا ہے۔“ وہ منہ ہلاتے ہوئے بولی۔

”اب ایسے تو نہ کہیں، بھائی، بھائی۔“

”لڑکی کو اس کا ایسے بات کرنا چاہتا تھا۔“

”اس کا تو ایک ہی عمل ہے۔“ بادی بیٹائی کو سلتے ہوئے بولی۔

”کیا، جلدی بولیں؟“ سامعہ پر غصہ ہوتے ہوئے بولی۔

”شاہ میر بھائی خود انکار کر دیں۔“ اس نے جیسے ہی پیش کی بولی۔

”تو ٹھیک ہے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“

”موتی ہے مجھے۔“



ہے جانتی تھی، اس نے بعد یہ بین اسے دوبارہ بین کے

version of Water

”نہیں، اگر آپ کے پاس وقت نہیں ہے تو

...doesn't put this



بڑائی۔ ”پتا نہیں کب جان چھوٹے گی۔“ اور  
کمرے سے باہر نکل گئی۔ ساتھ ہی سونیا بھی اُٹھی۔  
”کیا ہوا؟“ حرا نے اسے اُٹھتے ہوئے دیکھ کر

”یہ تم ہر وقت زمانہ ڈبے میں کیا کر  
ہوتے ہو۔“

میں خود کر لوں گی۔“ وہ ان دونوں کو دپائے پکڑا کر  
 سیدھی ہوئی۔ ”خود کر لیتیں تو تین سال سے انکی ہوتیں، بچہ  
 ہمارا ہے نا، کھانے کے بعد فوراً چلی جانا پڑھنے۔  
 انداز میں حکم سنا دیا۔

”شکر ہے، مجھے لگا انہوں نے ہماری باتیں سن لیں۔“

”تو سن لیں، میں کون سا ڈرتی ہوں۔“ سامعہ نے کندھے اچکائے۔



”پتا نہیں، مل نہیں دیتا۔ اچھا میں جاؤں۔“

سامعہ نے جلدی جلدی بالوں کی پوتی بنائی اور دوپٹے کے نیچے کی طرح گلے میں ڈال کر باہر نکل گئی۔

وہ سامعہ کمرے کے دروازے پر جا کر کھڑی ہوئی، حواس بحال کیے، جیسے ہی ہاتھ دھکتے کے لیے اوپر کیا۔ ”آ جاؤ“ شاہ میر کی آواز آئی۔

سامعہ اندر چلی گئی۔ صاف ستھرا کمرہ جس میں دو بنگلے بیڈ لگے ہوئے تھے، جن کے بیچ میں ایک چھوٹی میز تھی جس پر پانی کا جگ اور گلاس رکھا تھا۔

دروازے کے ساتھ کھڑکی اور کھڑکی کے ساتھ اسٹڈی ٹیبل اور کرسی بڑی تھی۔ میز پر بہت سی کتابیں بڑی تھیں، کمرے کے ساتھ اچھا واش روم تھا۔ شاہ میر کرسی پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ سامعہ کتابیں لینے سے لگائے اس کے سامنے آئی۔

”بیٹھو“ اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی۔

”سب سے پہلے جو ناول تمہارے کورن میں ہے اس کا انا لیسر لکھو۔ مطلب ناول کس چیز کے بارے میں ہے۔ کردار کیا ہیں۔ کرداروں کا آپس میں کیا تعلق ہے، رویے کس بات کی نشان دہی کر رہے ہیں۔“

سامعہ کے چہرے کے تاثرات اس کے لفظوں کے ساتھ ساتھ بدل رہے تھے۔

”مجھ میں آگئی بات۔“ اس نے اپنی بات مکمل کر کے سامعہ سے پوچھا۔

”جی.....“ سامعہ بے شکل بولی۔

”مگر، اب لکھو۔ میں بھی ساتھ تھوڑا کام کروں۔“ وہ مڑ کر میز پر پڑے صفحات پر کچھ لکھنا شروع ہو گیا۔ سامعہ نے بھی سر جھکا کر لکھنا شروع کیا۔

”یہ ہو گیا۔“ سامعہ نے پین پر کب پڑھا ہے ہوئے کہا۔ شاہ میر اپنے کام میں مصروف تھا، اس نے سنائیں۔

”کر لیا میں نے۔“ وہ دوبارہ سے بولی۔

”اچھا، اوو دکھاؤ۔“ شاہ میر نے مصروف انداز میں سر جھکا کر دیکھا۔

اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ شاہ میر نے لکھنا شروع کیا۔ جوں جوں پڑھتا جا رہا تھا، چہرے پر عجیب و غریب تاثرات ابھر رہے تھے۔

سامعہ ادھر ادھر نظریں سمھاتے ہوئے کئی گھنٹوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شاہ میر نے اپنی ٹیبل اتار کر پچھلے دیوار پر پین پینا، پھر اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”پینچ میں کیسے لکھتی تھیں۔“

”ہاتھ سے۔“ سامعہ نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... میرا مطلب ایسی انگلیں.....“ اسے سمجھ میں نہیں آیا آگے کیا کہے۔

”ہاں، ظاہر ہے۔“ وہ پورے اعتماد سے بولی۔ شاہ میر نے بھی سانس پھینکی۔

”اوکے، یہ گرامیٹکل مس فیک ہیں۔ وکلیٹری کی غلطیاں ہیں۔ چھپائی پانی میں ڈال دینا چاہیے، تیرا ہے، مارا نہیں۔ میں تمہارے لیے نوٹس بناتا ہوں، تم انہیں یاد کرو۔ اب نام بھی کم ہے۔ یہی شارٹ کٹ ہے کیونکہ تمہیں تو بنیادی چیزیں ہی نہیں آتیں، جیسے چھپائی اور نمک کا فرق نہیں پتا۔“ سامعہ نے اس کی آخری بات پر نظریں چرائیں۔

شاہ میر نے اس کی بھی ہوئی پلکوں پر ایک نظر ڈالی اور واش روم کی طرف بڑھا۔ دروازے پر اس کی طرف مڑ کر بولا۔

”تم جاؤ اور یہ کتابیں یہیں چھوڑ جاؤ۔ میں نوٹس بنائوں گا اور تم یاد کر لیتا۔ کم از کم پاس تو ہو جاؤ۔ اب جاؤ۔“

مڑ کر واش روم چلا گیا۔

سامعہ نے دروازے کی طرف دیکھ کر مڑ کر بنایا پھر آہستہ سے کرسی اور دوپٹے کے پلو میں بند چھپ چکی نکالی اور دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے اسے شاہ میر کی آواز آئی۔

”جی دروازے سے کیا باہر آ کر جھری سے اندر دیکھنے لگی۔“

”تو یہ کس قدر نا اگت ہے۔“ شاہ میر باہر آ کر بڑا آیا۔ سامعہ نے ہوا میں کالہ لہرایا۔ شاہ میر نے بیڈ پر پانی اس کی کتابیں دیکھیں۔

کتابیں اس کے ایک طرف رکھ کر کرسی پر بیٹھا اور کرسی پر فیم دروازے پر کتاب اٹھا کر اسے منہ کے سامنے بیٹھے ہی کی چھپائی اس کی کود میں آ گری، کتاب ہوا میں اٹھتی اور شاہ میر چوٹ کا پیچھے کی طرف دروازے پر بیٹھا تھا، اس لیے کرسی بھی الٹ گئی اور شاہ میر گر گیا۔

باہر کھڑی سامعہ میر پر ہاتھ رکھنے نہی دہائے نیچے کی طرف بھاگی۔

سامعہ بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور پھر جو ہنسنا شروع کیا، اس کے اس طرح آنے اور ہنسنے پر شاہ میر نے کرسی پر گریٹھ لگیں۔

”کیا ہوا بھائی؟“ سو نیا پریشان ہوئی۔

”کرتا.....“ وہ بے شکل پسی روک کر بولی۔

”اللہ خیر..... کہاں سے گر گئے، چوٹ تو نہیں لگی۔ اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے۔“ سو نیا کو اس کا ایسے ہنسنا برا لگا۔

”نہیں، سب ٹھیک ہے۔ کرسی سے گرے ہیں پھلکا دیکھ کر۔ تمہارا بھائی چھپائی سے الرجک ہے۔ آج تو پوری کی پوری اوپر آ گری۔“ اس کا گرتا یاد کر کے پھر ہنسنا شروع ہو گئی۔

”بہت بری بات ہے کسی کے گرنے پر ایسے ہستے ہیں۔“ حرا نے سرزنش کی۔

سامعہ ایک لمحو کو جب ہو گئی۔ تنوں نے ایک دوسرے کے دل سے دھوا اور ہر ایک دم سے یوں کے

یوں کے

وقتے کو بچنے کے۔

☆ ☆ ☆

”یہ کچھ نوٹس مانے ہیں، آج دن میں ان کی تیاری کرنا۔ رات کو نوٹس لکھ لوں گا۔“

شاہ میر کی آواز آئی۔ سامعہ پانی پی رہی تھی، جب نوٹس اس کے سامنے کر کے ہوئے شاہ میر نے کہا۔

اس نے نظر اٹھائی تو شاہ میر کے ہاتھ پر پنی اسٹاکا ہوا تھا، آگے کے نیچے نکل پڑا تھا۔ اس نے سر منہ دھو کر کتابیں پھیلایں اور آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر نوٹس لکھے۔ شاہ میر نے ایک لمحو اس کے ہاتھ کو دیکھا اور حرا لگا۔ سامعہ نے ہاتھوں میں پکڑے نوٹس کو سر منہ کی سے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

بالوں کا رخ سا جوڑا بنائے اپنے سامنے نوٹس اور کتابیں کھول کر روٹی صورت بنا کر سامعہ ٹیبل پر بٹھی تھی۔

”اف، کیا مصیبت ہے۔ کتنی مشکل انگلیں نکلی ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ شاہ میر نوٹس پر پین چھینکتے ہوئے کہا۔

”اوہو، آج سورج کہاں سے لگا ہے۔ سامعہ باجی دن و پہاڑے کورس کی کتابیں پڑھ رہی ہیں۔“ سو نیا اور حرا ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تو اسے بڑھائی میں مشغول دیکھ کر سو نیا نے پھیرا۔ سو نیا اس کے پاس ہی بیڈ پر لیٹ گئی جبکہ حرا بال بنانے لگی۔

”جب کر جاؤ، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تمہارے بھائی نے نوٹس اتنے مشکل دیے ہیں، اتنی بارڈ انگریزی نکلی ہے، بڑھی نہیں جا رہی۔“ اس نے نوٹس سائیڈ پر کیے اور فیم دروازے پر گئی۔

”چلو، تھوڑا زور لگاؤ اسی بہانے۔“ سو نیا نے آہٹیں بند کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں، ہوتی مجھ سے تیاری۔ یا اللہ میرے لیے جلد کوئی سالار سکندر بھیج دے۔“ وہ اپنے سر کو دبا کر اپنے دل سے دعا کرتی رہی۔

یوں کے



ہوئے کہا۔  
”کیا کرتا ہے سالار سکندر نے بی اسے قتل کا۔“  
”مرا شے میں اپنے بالوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔“  
”تو اما نہ کون سی بی اسچ ڈی کر کے آئی تھی۔“  
سامعہ آنکھیں بند کیے بولی۔  
”ڈاکٹر تو بن رہی تھی نا۔“ سونیا نے بھی لقمہ

دیا۔  
”تم اٹھو، جاؤ۔ میرے لیے چائے بنا لاؤ، سر  
دکھ رہا ہے قسم سے۔ ویسے بھی بڑوں میں کیوں تھی  
رہتی ہو۔“ سامعہ نے اٹھ کر بازو دھینچا۔  
”کون سے بڑے۔ آپ بھی بی اسے میں اور  
میں بھی۔“ سونیا اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بولی۔  
”ایک نکاس میں ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ  
عمر میں فرق نہیں، جاؤ جلدی۔“ سامعہ نے رعب  
جھاڑا۔

”جاری ہوں بھئی۔“ سونیا جھٹلا کر اٹھتے  
ہوئے بولی اور دوپٹہ کندھے پر ڈال کر چلی گئی۔  
”آج صبح شاہ میر بھائی کو دیکھا تھا میں نے،  
کافی چوٹ لگی ہے۔ دادو بھی پوچھ رہی تھیں۔“ حرا  
نے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔  
”پھر کیا کہا پروفیسر نے۔“ سامعہ نے ڈرتے  
ہوئے پوچھا۔

”انہوں نے کہا کہ وہ پھسل گئے تھے۔“  
”شکر ہے، کچھ کہا نہیں۔“ سامعہ نے ایک  
پرسکون سانس خارج کی۔  
”کچھ کہا ہوتا تو اب تک تمہاری سزا سنائی  
جا چکی ہوتی۔ ویسے تم ہر دفعہ زیادتی کرتی ہو، سامعہ  
کل چائے میں نمک ملا دیا۔ تمہیں پتا ہے ان کو چھپکلی  
سے اچھن ہوتی ہے۔ تمہاری شرارت کی وجہ سے  
چوٹ لگ گئی۔“

”ہاں تو کس نے کہا تھا پڑھائیں مجھے اور تم نے  
سانہیں۔ اکیسے میں میری شان میں کسی گستاخی  
کر رہے تھے۔“ سامعہ ہٹ دھرمی سے بولی۔  
”اکیلے میں کر رہے تھے، کسی کے سامنے تو کبھی

کچھ نہیں کہا۔“ نہ تمہیں کبھی تکلیف پہنچائی۔ تمہیں یاد  
ہے جس دن ان کا انٹرویو تھا، تم نے اندھوں کی طرح  
بین جھٹکے اور میری سیاہی ان کی شرٹ پر جا گری۔ بی  
شرٹ خراب ہو گئی اور تاہم بھی کم تھا لیکن کچھ بھی نہیں  
کہا۔ انٹائی کو کبھی کچھ کہنے نہیں دیا۔“

”اچھا ٹھیک ہے، آئندہ نہیں کروں گی۔“  
”جھٹلا کر بولی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ صبح سے اسے اپنے  
آپ سے شرمندگی ہو رہی تھی۔ اب حرا کی باتوں نے  
اور اسے نشیلائی میں مبتلا کر دیا تھا۔  
”مجھے لگتا ہے تمہیں ان کی بددعا لگتی ہے۔ جوہر  
دفعہ قیل ہو جاتی ہو۔“ حرا اس کے پاس سے اٹھے  
ہوئے بولی۔  
”نہیں۔۔۔۔۔ وہ مجھے بددعا نہیں دے سکتا۔“ وہ  
بے ساختہ بولی۔

”اتنا یقین ہے۔“ حرا نے گہری نظروں سے  
اسے دیکھتے ہوئے کہا۔  
”ہاں، کیونکہ مجھے پتا ہے، اس کی دعاؤں، بد  
دعاؤں میں کوئی اثر نہیں۔ یہ تو یونیورسٹی والے ہی  
تلاقی ہیں جن کو میری انگریزی سمجھ میں نہیں آتی۔“  
وہ اپنی پرائی ٹون میں آتے ہوئے بولی۔  
”بہت ڈھیٹ ہو۔“ حرا سر جھٹک کر اپنی کتابیں  
لے کر بیٹھ گئی۔

سامعہ نے دوبارہ سے کتابوں کو اپنے سامنے  
کر لیا۔  
”کچھ نہیں سمجھ میں آنے والا۔ رات کو پروفیسر  
خود ہی سمجھا دے گا۔“ کتابیں سائیز پر رکھ کر کچے کے  
نیچے سے ڈائجسٹ نکال کر پڑھنا شروع کر دیا۔

”کتی بڑی عینک لگائی ہوئی ہے، انکل جیدی  
والی، اف، جب اس عینک سے بیوی کو بات بات پر  
گھوریاں مارے گا، ہائے بے چاری۔“ تیل لنگ کر  
ماٹک لپٹی نکالی ہے، جیسے تائی اماں نے منہ پکڑ کر کبھی  
کی ہو۔ ہائے پیرا بیٹے کا چاند جیسا چہرہ۔“ وہ شاہ میر کو  
دیکھ کر سوچ رہی تھی پھر خود ہی ہنس پڑی۔

اپنی لپٹے شاہ میر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔  
”سامعہ کی ہنسی کو بڑی لگ گئی۔  
”کیا ہوا؟“ شاہ میر نے ہنسونیں اٹھا کر پوچھا۔  
سامعہ نے سر کٹتی میں ہلایا۔  
”اوکے، جو ٹوس آج دیے تھے، وہ پڑھے۔“

اس نے سوال کیا۔ سامعہ نے اثبات میں سر ہلایا۔  
”کیا سمجھ میں آیا؟“  
”نہیں۔“ سامعہ دھیرے سے بولی۔  
”کیا مطلب؟“ اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے

پوچھا۔  
”اتنی مشکل انگریزی مجھے تو سمجھ میں نہیں  
آتی۔“ سامعہ نے اصل وجہ بتائی۔  
”جولانا مشکل تھے، اس کے مطلب ڈکشنری  
میں دیکھتیں۔“ شاہ میر ڈاکٹریٹ لہجے میں بولا۔  
”وہ ڈکشنری میرے پاس نہیں تھی۔“ وہ

منہ بائی۔  
”نہیں، تمہارے پاس تھی۔“ مجھے یاد ہے، میں  
نے تو بھلی دھندلا کر دی تھی۔“  
”ہاں، وہ تو روٹی میں دے دی۔“  
”کس قدر رے دو؟“ اور جاہل ہو۔“ شاہ میر کا  
دل اس کی عقل پر ماتم کرنے کو جا رہا تھا۔  
”جاہل مت نہیں مجھے۔ ایک انگریزی چھوڑ کر  
بی اسے ہوں۔“ وہ براماتے ہوئے بولی۔

”اس انگریزی کے بغیر بی اسے نہیں ہوتا اور یہ  
جو تمہاری کرتوتیں ہیں نا، اس سے تو تم ساری زندگی بی  
اسے ہی رہو گی انگریزی چھوڑ کر۔“ وہ بھی تنک کر  
بولا۔

”تو کیا کروں، یونیورسٹی کو انگریزی سمجھ میں  
نہیں آتی تو کیا کروں، کیسے سمجھاؤں۔“ اس نے اپنا  
ہاتھ پریشان کیا۔

”صرف تمہاری ہی سمجھ میں نہیں آتی، باقی  
سب کی آ جاتی ہے۔“  
”وہ چمکتی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ  
ایک لمحے کو اس کا منہ دیکھ کر ہنس پڑی۔

دوبارہ ہوش میں آئے ہوئے ایک دم سے بولا۔  
”بہت بکواس۔“ جتنا ذہن تیز ہے، کارپوں میں  
لگاتی ہو، اتنا انگریزی میں لگاؤ تو پاس ہو جاؤ گی۔“  
سامعہ منہ لگا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ اس نے  
کرسی کا رخ اس کی طرف کر کے ٹوس اٹھا کر پڑھنا  
شروع کیے۔

”اب اگر کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ۔“ وہ مکمل کرنے  
کے بعد اس سے پوچھ رہا تھا۔  
”نہیں، سمجھ میں آ گیا۔“ وہ فوراً بولی۔  
”اوکے۔“ سامعہ ہی کرسی سے اٹھا۔ ”میرے

آنے تک پڑھو۔“  
”سامعہ کی رات والا اٹھا کر نایا د آ گیا۔ نورای  
واپس کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔  
”بے کوئی مسئلہ۔“ اس نے پوچھ پوچھا۔  
”نہیں، اب میں جاؤں۔“  
”ہاں جاؤ، کل تیار کر کے آنا۔“

سامعہ اٹھ کر چلی گئی لیکن شاہ میر کے جذبات  
میں ایک پچھل بج گئی تھی۔ وہ خود کو کپڑے کرتے ہوئے  
واش روم کی طرف بڑھ گیا۔  
سامعہ باہر جا کر کرسی اور پیچھے دروازے کی  
طرف دیکھ کر ہنسی۔  
”پروفیسر پڑھنا تا اچھا ہے۔“ مسکراتے ہوئے  
نیچے چلی گئی۔

☆☆☆  
سامعہ ڈائجسٹ اچھا نہیں لے پڑھ رہی تھی اور  
مسکرا رہی تھی۔ پاس بیٹھ کر ٹوس بنائی حرا کی نظر اس پر  
پڑی۔

”خیر ہے، ایسا کیا ہے جس کو پڑھ کر اتنا  
مسکرا رہی ہو۔“  
”ہائے، انٹاروائٹنگ سین ہے۔ کتنا پیار کرتا  
ہے نا سالار سکندر اپنی بیوی سے۔“ کتابیں میرا سالار  
سکندر کب آئے گا۔“ وہ ڈائجسٹ رکھ کر کچے کے نیچے  
بازوؤں کا تکیہ بنا کر چھت کو دیکھتے ہوئے بولی۔



ہیں، پریکٹیکل لائف میں کون اتنا دیلا ہے جو سب کچھ بیوی کے نام کر دے۔ اسی کے ناز و نخرے اٹھاتا رہے۔“ حرا ڈکٹری دیکھتے ہوئے بولی۔

”اب ایسی بھی بات نہیں۔ نی وی پر کتنے مشہور کپل آتے ہیں، واری صدمے جارہے ہوتے ہیں بیویوں کے۔“

”ہاں کیونکہ بیویاں بھی لاکھوں کما کے ان کو دے رہی ہیں اور ضروری نہیں جو اسکرین پر نظر آ رہا ہوتا ہے وہ سچ بھی ہو۔“

”ایک تو تم بتائیں اتنی نیکیوں کیوں ہو اور رہی لاکھوں کمانے کی بات تو مجھے چانس ملنے کی بات ہے ورنہ کیا عازرہ خان سے کم ہوں۔“

”عازرہ خان کو دیکھا ہے، سکتی مسلم اسمارٹ ہے۔ ذرا اپنے آپ کو شیشے میں دیکھو۔“ حرا نے حیرانی سے آنکھیں پھیلائیں۔

سامعہ نے اٹھ کر شیشے میں اپنے آپ کو گھوم کر دیکھا۔

”ہاں، بس تھوڑا وزن زیادہ ہے۔“

”تھوڑا نہیں، عازرہ کے مقابلے میں کافی زیادہ ہے، ویسے وہ تو بی اے پاس ہے۔“ حرا نے اس کو چھیڑا۔

”ہاں تو وہ تو میں بھی ہوں، ڈگری کون دیکھتا ہے۔“ سامعہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”اللہ سے ڈرو، گھر کی چار دیواری میں عورت محفوظ ہوتی ہے۔“ حرا عجیبہ ہوئی۔

سامعہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ سونیا چائے لے کر آگئی۔

”بڑی زبردست خبر ہے آپ سب کے لیے۔“

چائے پکڑ کر بیڈ پر گر گئی۔

”کیا سالار مسکندر آ گیا۔“ سامعہ کا ذہن ابھی وہیں اٹکا ہوا تھا۔

”جی آ گیا ہے بس بے چارے کی آنکھیں نہیں ہیں۔“ سونیا نے جل کر کہا۔

”کیوں کیا ہوا اس کی آنکھوں کو؟“ سامعہ

☆ ☆ ☆

کار شاہ میر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، ہادی گاڑی سے باہر ٹپک لگا کر کڑا لالہ انتظار کر رہا تھا۔ سدرہ

بہادر حرا سلیف سے چادر کا نقاب لیے گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ سونیا نے بھی چادر اوڑھی ہوئی تھی سامعہ باہر آئی۔ چادر کا پلہ سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے نقاب پیچھے سے پلو میں پر گھسٹا ہوا آ رہا تھا۔

حرا اور سدرہ بیگم کے ساتھ سونیا بیٹھ گئی۔

”دین کہاں بیٹھوں؟“ سامعہ نے پچھلی سیٹ پر ان تینوں کو بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔

”تھوڑی آگے ہوئی ہوں، اب بیٹھ جائیں۔“ سونیا تھوڑا آگے ہوتے ہوئے بولی۔

سامعہ مشکل سے اندر بیٹھی۔

”جگہ کہاں ہے۔“ نقاب اتار کر چہرے کو ہوا دیتے ہوئے بولی۔

دروازہ بند نہیں ہو رہا تھا۔ وہ آگے ہو کر نیچی تھی اور سونیا کوشش کر رہی تھی۔

”دروازہ بند ہو رہا۔“ سونیا نے کہا۔

”ہادی او ہادی کے بچے، باہر سے دروازہ بند ہو گیا۔“ حرا نے ہادی کو بلانے کے لیے کہا۔

”ہادی سب دیکھ رہا تھا، سامعہ کی بات پر فوراً سیدھا ہوا۔ باہر سے دروازہ بند کیا۔

گاڑی جیسے ہی مارکیٹ کی مارکنگ میں رکی۔

شاہزاد ہادی دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔

حرا اور سدرہ بیگم شاہ میر کی سیٹ کے پیچھے بیٹھیں۔ شاہ میر نے ان کا دروازہ کھولا، سامعہ دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ پاؤں سن ہو گیا تھا، جیسے ہی ہادی نے دروازہ کھولا۔ سامعہ باہر جا گری۔

”ہادی کے بچے، ایسے کھولتے ہیں دروازہ۔“

ہادی پاؤں سہلاتے ہوئے بولی۔

”مجھے کیا پتا تھا، دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھیں۔“ ہادی دانت نکالتے ہوئے بولا۔

”یادہ چوٹ تو نہیں آئی۔“ حرا نے پاس آ کر اس کا پاؤں سہلاتے ہوئے پوچھا۔ وہ ایسی ہی تھی سب کا خیال رکھنے والی۔

”پتا نہیں، درد بہت ہو رہا ہے۔“ سامعہ بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔

”اب شاپنگ بھی کرنی ہے یا نہیں بیٹھے رہنا ہے۔“ شاہ میر سامعہ کے ساتھ بائی سب کو دیکھ کر بولا۔

”آپ لوگ چلے جائیں، میں یہیں بیٹھی رہتی ہوں۔“ وہ آنکھوں میں آنی کی کو چھپاتے ہوئے بولی ورنہ رونامو بہت آ رہا تھا۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اپنے سامنے چادر بچھا لو، واپسی پاس کر کے کے پیسے ہو جائیں گے۔“ ہادی نے مسکرا کر کہا۔

”دہنیں تو گھر جا کر پوچھوں گی، اللہ کرے لنگڑی سے شادی ہو تھاری۔“ سامعہ حرا کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

”دہنیں، لنگڑی بالکل نہیں ہے۔“ ہادی نے حرا کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

حرا کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”اب چلو بھی، دیر ہو رہی ہے۔“ سدرہ بیگم کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔ سامعہ بھی لنگڑاتے ہوئے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

دکان میں سب بیٹھ کر پکڑے دیکھ رہے تھے۔

”اماں! مجھے یہ میرون والا لیتا ہے۔“ سامعہ نے میرون کڑھائی والا سوٹ سدرہ بیگم کے سامنے کیا۔

”میرون سوٹ دکھائیں۔“ انتہائی خوب صورت فل کڑھائی والا سوٹ تھا۔

”یہ اتنا تیز رنگ، اوپر سے اتنا کام والا۔“ سدرہ بیگم نے آنکھیں نکالیں۔

”تو کیا ہے ڈیزائنر سوٹ نہیں لے کر دینا تو یہ تو لے دیں۔“ اس نے ضد کی۔ دکاندار نے ایک اور سوٹ کھولا۔

”یہ دیکھیں باجی! ان باجی کے لیے۔“ اس کا ٹراؤزر پہلے سے بنا ہوا ہے، جیسے ان کا پیر میزھا ہے نا، آسانی سے پہن لیں گی۔

وہ ہمدردی بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔



کی بات پر تملاتے ہوئے بولی۔  
 سدرہ بیگم باقی کے کپڑے اٹھا کر اور بل دے  
 کر نکل آئیں۔  
 ”میں اور نہیں چل سکتی۔ بہت درد ہو رہا ہے۔“  
 آپ لوگ کرلیں شاپنگ۔“ سامعہ نے پاس پڑے  
 بیچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔  
 ”لو، تمہیں کیسے اکیلا چھوڑ کر خود شاپنگ کریں۔“  
 سدرہ بیگم نے اسے بیٹھتے دکھ کر کہا۔  
 ”تانی امی! آپ چلی جائیں۔ میں اس کے  
 ساتھ رکتا ہوں۔ ہادی آپ کے ساتھ چلا جائے گا۔“  
 شاہ میر نے آگے ہو کر کہا۔  
 ”ٹھیک ہے، تم رکو۔ ہم بس جلدی آتے ہیں۔“  
 سدرہ نے اس کی بات مانتے ہوئے کہا۔  
 کچھ دیر بعد وہ سب کپڑوں کے شاپر اٹھائے  
 چلے آئے اور سامعہ کے پاس بیچ پر رکھ دیے۔  
 ”شکر ہے، واپسی ہو گئی۔ یہ نہیں خیال آ پائے کہ  
 میں کب سے یہاں بھوکی پیاسی بیٹھی ہوں۔“ وہ  
 بولی۔  
 شاہ میر نے حیرت سے اسے دیکھا جو اتنی  
 ڈھٹائی سے جھوٹ پول رہی تھی۔ گول گپے، آکس  
 کریم اور جوس پی چکی تھیں۔  
 ”اتنا وقت تو لگ ہی جاتا ہے، اب چلو پہلے  
 ہی مغرب ہو رہی ہے۔ گھر جا کر کھانا کھاتے ہیں۔“  
 حرا! بہن کو سہارا دو۔“ سدرہ بیگم بولتے ہوئے شاپر  
 سنبھالتے ہوئے چل پڑیں۔  
 حرا نے شاپر سونیا کو پکڑائے اور سامعہ کو ہاتھ  
 کے سہارے سے اٹھالیا۔ سامعہ نے لنگڑا کر اس کے  
 ساتھ چلنا شروع کیا۔  
 ☆☆☆  
 ”دیکھو، تمہارا سوٹ کتنا پیارا ہے۔“ حرا نے  
 اس کا بیڑ گرین لکڑ کا سوٹ سامنے کیا۔ سامعہ نے  
 تکیہ نظر دیکھا پھر بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔  
 ”رہنے دو، اتنا تیز رنگ قسمت ہی خراب۔“  
 غلط گھر میں پیدا ہو گئی۔“

”کبھی شکر ادا نہیں کرتیں تم، کبھی ہلکا رنگ نہیں  
 پسند، کبھی خیز۔“ سونیا کو بھی غصہ آ گیا۔  
 ”لاؤ، تمہارے پاؤں پر بلدی اور تیل لگا کر پٹا  
 کر دوں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔“ سدرہ بیگم ہاتھ میں  
 ایک کٹوری اور کپڑے لے کر اس کے پاس آئیں۔  
 ”خیریت، آپ کو کیوں اتنا خیال آ گیا میرا۔“  
 وہ پہلے ہی سے جلی بھنی بیٹھی تھی۔  
 ”کیا ہو گیا، ولاد ہو میری۔ تمہارا خیال نہیں  
 ہو گا تو کس کا ہو گا۔“ اس کا پاؤں سیدھا کرتے ہوئے  
 بولیں۔  
 ”میرا خیال ہوتا تو وہ میرا سوٹ لے  
 دیتیں۔“ اس نے گلے کیا۔  
 ”تو کٹوری لڑکیاں ایسے سوٹ نہیں پہنتیں۔“  
 ”تو کیوں رکھا ہوا ہے مجھے کنوارا۔ بی اے کے  
 بجائے بی اے کی فکر کریں میری کسی شہزادی سے۔“  
 ”کیسی بے شرم ہے۔“ سدرہ بیگم کا حیرانی سے  
 منہ کھل گیا۔  
 ”اچھا بس اب تم سب بھی شاباش یہ سالان  
 سیٹو۔“ سدرہ بیگم نے اٹھتے ہوئے سونیا اور حرا سے  
 کہا۔ وہ دونوں سینے لگیں۔  
 باہر سے شاہ میر کی آواز آئی، جو غائب سدرہ بیگم  
 سے سامعہ کا پوچھ رہا تھا۔ سامعہ فوراً سوتی بن گئی۔  
 ”سامعہ جاگ رہی ہے، سوچا اسے  
 پڑھاؤں۔“ شاہ میر نے تھوڑا سا دروازہ کھول کے  
 جھانکا۔  
 ”نہیں بھائی۔“ وہ..... وہ سو گئی ہے۔ وہاں  
 کھائی ہے نا۔“ سونیا نے بات بنائی۔  
 ”اچھا، آج کا دن ضائع۔“ چلو کل پڑھاؤں  
 گا۔“ وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔  
 ”تو یہ کتنا شوق ہے پروفیسر کو پڑھانے کا۔“  
 اس نے کڑوٹ بدل کر چادر تان لی۔  
 ☆☆☆  
 صبح سامعہ کی آنکھ کھلی تو کہنوں کے سہارے  
 پر لیٹ کر اپنے پاؤں کا طرف دیکھا۔

اوپر نیچے کیا۔  
 ”ارے واہ، اماں کا تیل کام کر گیا۔“ اٹھ کر  
 بیڈ پر پٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا پھر رک گئی۔ ”نہیں،  
 ابھی کچھ دن پٹے رہنے دیتی ہوں، پٹن سے اور  
 پڑھنے سے جان چھوٹی رہے گی۔“ دوبارہ لیٹ گئی۔  
 ”کیا ناشتے کی ٹرے کے ساتھ داخل ہوئی۔“  
 ”اب کیسا ہے تمہارا پاؤں؟“ اس کے سامنے  
 ناشتہ رکھتے ہوئے بولی۔  
 ”کچھ بہتر ہے۔“ وہ چہرے پر نقاہت طاری  
 کرتے ہوئے بولی۔  
 ”اس لیے دادو نے تمہارا ناشتہ بھجوا دیا ہے اور شاہ  
 میر نے ٹیبلٹ بھیجی ہے تاکہ درد ختم ہو جائے۔“  
 ”شکر یہ بار پانی لا دو۔“ سونیا جیسے ہی پانی  
 لینے لگی۔ اس نے ٹیبلٹ نکال کر بیڈ کے نیچے رکھے  
 ڈسٹ بن میں پھینک دی اور سیدھی ہوئی۔ سونیا پانی  
 لے کر آئی تو وہ ہاتھ ایسے بند کیے بیٹھی تھی جیسے اس میں  
 کوئی آگ ہو۔  
 ”شکر یہ۔“ سونیا سے پانی لیتے ہوئے اس نے  
 کہا۔ پانی پی کر ناشتہ کرنا شروع کر دیا۔  
 ”تم ناشتہ کرو، میں برتن دھوؤں، پھر آ کر کمرہ  
 صاف کروں گی۔“ سونیا اسے کہتی ہوئی کمرے سے  
 نکل گئی۔  
 سامعہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔  
 ”اب کیسا ہے پاؤں کا درد؟“ سدرہ بیگم اس  
 کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔  
 ”ابھی تو ہے، اب ایک رات میں دوڑنے تو  
 نہیں لگوں گی نا۔“  
 ”وہ جو شاہ میر نے گولی بھیجی تھی، کھالی؟“  
 ”ہاں، نہ ہو چھا۔“  
 ”پیس کھائی؟“ کہہ کر جائے پینا شروع کر دی۔  
 ”تو کیا ساری عمر لنگڑا کر چلتا ہے۔“ وہ غصے  
 سے بولیں۔  
 ”نہیں اسپیشلسٹ کو دکھالیں گے۔“  
 ”تو کیا ساری عمر لنگڑا کر چلتا ہے۔“ وہ غصے  
 سے بولیں۔

”جو بھی ہو، موچی کے حوالے پاؤں نہیں کروں  
 گی۔“ وہ اٹل لکھے میں بولی۔  
 ”تو پھر لنگڑائی رہتا۔ ایک انگریزی ٹیل اوپر  
 سے لنگڑی۔“ وہ غصہ کرنا نہیں چاہتی تھیں، پر وہ بات  
 ہی ایسی کرتی تھی کہ غصہ آ جاتا تھا۔  
 ”ایسا کرنا اہاں! میرے رزلٹ کی ایک کاپی  
 ہر شہر میں بیچ دیں۔ مینار پاکستان پر لگی ہو، ایک گھنٹہ  
 گھر فیصل آباد، ایک پارلیمنٹ ہاؤس، کوئٹہ اس  
 ملک میں سامعہ ابراہیم صرف بی اے کی انگریزی  
 میں ٹیل ہوئی ہے۔“ وہ بد مزہ ہوئی۔  
 ”اس ملک میں تو نہیں مگر خاندان میں صرف تم  
 ہی ٹیل ہوئی ہو۔“  
 ”خدا نہیں کروا رہی ہو۔“ ہادی نے کمرے میں  
 داخل ہوتے ہوئے اسے چھیڑا۔  
 ”نہیں عزت ہو رہی ہے میری، جو ہمیشہ سے  
 بہت ہوتی ہے اس میں گھر۔“ وہ جل کر بولی۔  
 ”کیا حرا تانی امی! کیا آپ نے اسے کریلوں  
 کا ناشتہ کرایا ہے۔“ وہ اس کی بات کا مزہ لیتے ہوئے  
 بولا۔  
 ”میں نے کیا کریلوں کا ناشتہ کرایا ہے، کوئی  
 بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ہر بات پر اعتراض۔“ سدرہ  
 بیگم اس کے سامنے سے ٹرے اٹھاتے ہوئے بولیں۔  
 ”کوئی بات بیچ ہو تو نا، اب سنو تم رضیہ سلطانہ کا  
 نیا حکم۔ دینو موچی کو بلاد رہی ہیں، میرا پاؤں جو کہ اترا  
 نہیں اسے چڑھانے کے لیے۔“ وہ ہادی کو شامل  
 کرتے ہوئے بولی۔  
 ”تمہیں کیسے پتا کہ تمہارا پاؤں نہیں اترا۔“ اس  
 نے گہری نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔ سامعہ ایک  
 لمحے کو گڑبڑا گئی۔  
 ”تو دادی کو کیسے پتا کہ اترا ہے؟“ وہ بولی۔  
 ”خیر یہ تو دینو ہی بتائے گا۔“ ہادی نے اسے  
 چڑایا۔  
 ”کوئی دے والا آیا ہے، کوڑا دینا ہے۔“ ہادی اتم  
 لکھوں کے لیے بائیں طرف دیکھا۔



سوئیالو لے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔  
 "نہیں، تمہیں پتا نہیں، میں اکبر ہاؤس کی رعایا ہوں۔ وہ اپنی سلطنت میں گنبد برداشت نہیں کرتے۔ مجھے بھی سارا دن باہر پھینکا ہوتا ہے۔" پیچھے مڑ کر دیکھنے میں اپنے بال دیکھتے ہوئے بولا۔ "سوئیالو! آگے بڑھ کر بیڈ کے نیچے سے باسکٹ نکالی، جس میں گولی پڑی تھی۔ اس نے ایک لمحے کو اسے دیکھا پھر خاموشی سے باسکٹ اٹھا کر چلی گئی۔

"اوکے، میں چلتا ہوں۔ تم ریٹ کرو۔ شام میں ملتا ہوں۔" برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔  
 "جاؤ، کچھ کھانے کو لیتے آنا، بڑی کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔"

"ہر لیتا آؤں۔"

"نہیں، تمہاری خوراک نہیں کھاتی۔" اس کے پاس بھی جواب تیار رہتا تھا۔  
 "اب آنکھیں بند کرو، تمہارے لیے سر پرانہ ہے۔" ہادی دروازے کے پاس جا کر مڑتے ہوئے بولا۔

"اچھا، جلدی سے بتاؤ کیا ہے؟"

"نہیں، پہلے آنکھیں بند کرو، جب تک تمہیں کہا نہ جائے، کھوٹی نہیں ہیں۔"

"اوکے، میں نے بند کر لیں۔ اب جلدی کرو۔" سامعہ آنکھیں بند کر کے مسکراتے لگی۔  
 "کھولنے لگی ہوں آنکھیں، کھول لوں؟"

"کھول لو۔"

"آنکھیں کھولتے ہی چیخ نکلی گئی۔ شاہ میر اس کے سہانے بیٹھا تھا۔  
 "آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اور ہادی؟" اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔  
 "ہاں ہادی کو میں نے بھیجا تھا کہ اگر تم اٹھ گئی ہو تو میں تمہیں پڑھا دوں، پھر کچھ اور کام کرنا تھا مجھے، کیوں۔"

"کچھ نہیں۔" وہ روتی صورت بنا کر بولی۔  
 "اوکے، تم پھر شروع کرتے ہیں۔ یہ کھول لوں میں بنا کر لایا تھا۔ اس نے نظر انداز کرتے ہوئے کتاب کھولی۔

☆ ☆ ☆

"بھوکھو آ رہی ہوں۔" حرا نے بتایا۔  
 "اچھا، سامعہ پر شوق ہوئی۔"

"پہنچو نہیں، اس حرا دور کی کوڑی لائی۔ دیکھنے آئیں۔" حرا دور کی کوڑی لائی۔  
 "نہیں، وہ دیں سے کوئی میم کریں گی، جس کو انگریزی بولنی آتی ہو۔ کیوں سامعہ؟" سوئیالو کا خیال رد کرتے ہوئے سامعہ سے مخاطب ہوئی۔ جوڑا کی بات سن کر خیالوں ہی خیالوں میں، پھپھو کو رشتہ دیتے ہوئے دیکھ رہی تھی، ایک دم سے جوکھ گئی۔  
 "ہاں ہاں..... پتا نہیں..... پتا نہیں۔" گڑبڑائی۔

"چلو، اب سو جاؤ۔ آج تو تم نے خدمت بھی بہت کرائی۔ اب اگر کل ٹھیک نہ ہوا پھر تو دینو چاچا کو لانا پڑے گا۔" حرا نے دوپٹہ اتار کر سائیڈ میں رکھتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆

حرا بستر پر گر رہی تھی، جب سامعہ سو کر اٹھی۔  
 "ناشتہ نہیں لائیں میرا۔" سوئیالو کو خالی ہاتھ کمرے میں آنا دیکھ کر بولی۔  
 "نہیں، پہلے تیار ہو جاؤ دینو آ رہا ہے۔" سوئیالو بچکے کے نیچے کھڑے ہو کر پیٹہ خشک کرتے ہوئے بولی۔

"میں نہیں کرواؤں گی دینو سے کوئی ٹرینٹ۔" وہ منہ ادھر کر کے لیٹ گئی۔ موج کا جہاز بنایا تھا وہ مکمل پڑ گیا تھا۔  
 "پھر اٹھ کر اچھے بچوں کی طرح کچن میں جا کر ناشتہ کرو۔"

"پاؤں ٹھیک نہیں ہے میرا، کیسے چلوں۔" وہ اسی طرح منہ پھیرے ہوئے بولی۔

"تو اب تمہارا مسئلہ ہے۔" وہ کہہ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف مڑ گئی۔  
 "اس قدر غلام ہو، ایک دن میں بے زار ہو گئی ہوں۔" میں خواہ مخواہ کل سے شکر گزار ہوئی جا رہی ہوں، میری عمر تو نہیں رہنا تھا مجھے بستر پر۔" وہ اٹھ کر بیٹھنے ہوئے بولی۔

"تمہارا کوئی پتا نہیں، جعلی پیٹی باندھ کر ساری عمر ہم سے خدمت کرائی رہو، حال بناتے ہوئے سوئیالو بولی۔

"بہت بری بات ہے سامعہ! حرا نے اسے گڑبڑائی۔

"اچھا، ساری، کہا ہوا ایک دن جو خدمت کرائی تو لوگوں سے۔ سو جا تھا دو چار دن ڈرائیو کر لوں گی اور پروفیسر سے بھی جان چھوٹ جائے گی، پرناں سامعہ نے اٹھا کر اٹھایا۔

"پہنچو ملنے نہیں آئیں مجھ سے۔" اسے اپناک بار آتا۔

"تم کون سی ام شخصیت ہو جن کو ملے بغیر ان کا ٹورنا مکمل رہتا۔"

حرا نے اسے گھورتے ہوئے اطلاع دی۔

"خیر، چھوڑو، بتاؤ کیا ہے واضح؟" سامعہ اشتیاق سے بولی۔

حرا اور سوئیالو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کوس میں بولیں۔

"اوہ واضح....."

"کیا بات ہے بھئی۔" حرا نے بھنویں اٹھائیں۔

"ہاں تو یہ ہی نام ہے نا اور کیا کہہ کر بلاؤں۔"

"شکر ہے، یہ نہیں کہا۔ میرے وہ کیسے ہیں؟"

سوئیالو نے اسے پوچھا۔

"کیا پتا۔" کہا نیوں میں نہیں ہوتا، پردیس سے کون آتا ہے اور جیسے ہی وہ پاکستانی مشین پر کھینک دیا، وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ دوسری چینی میٹیں بھول

جاتی ہیں۔

"چھوڑو، تم یہ بتاؤ۔ کیا ہے کہنے میں۔"

سامعہ نے خیالوں سے باہر آتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، جیسے آج کل کے اسٹائل والے لڑکے ہوتے ہیں۔" حرا میز پر اپنی کتابیں الٹ پلٹ کر بولی۔

"ہم..... ایسا ہی ہونا چاہیے۔" سامعہ دبے دبے جوش سے بولی۔

"تو پھر سالار سکندر کا کیا ہوگا؟" سوئیالو نے گویا اسے یاد کرایا۔

"رہنے دو، ساری عمر نمازیں ہی پڑھواتا رہے گا۔"

"خیر، تو اب پتا چلے گا کہ پھپھو ایسے کسی ارادے سے پاکستان آئی تھی ہیں یا نہیں اور اگر آئیں بھی ہونا تو پھپھو کا کئی سمجھ دار ہیں، بیٹے کی زندگی کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کریں گی۔" حرا اپنی کتابیں لے کر نیچے بھاگے گئے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"دیکھ لیں گے۔" سامعہ کہتی ہوئی باہر ناشتہ کرنے چلی گئی۔

سوئیالو بستر ٹھیک کرنے لگی۔ کوئی حال نہیں، اس کا حرا نے سر جھٹکتے ہوئے کہا اور کتاب کھول لی۔

☆☆☆

حرا برتن دھو رہی تھی، جب ہادی کچن میں داخل ہوا،

"سامعہ کا پاؤں ٹھیک ہو گیا۔"

"جی ہو گیا، اب دل لگا کر انگریزی پڑھ رہی ہیں۔"

ساتھ ہی برتن سمیٹنے لگی۔

"یہ تو اچھی بات ہے بھئی، میرا بھائی ہے ہی اتنا اچھا استاد۔" وہ فرضی کار کھڑے کرتے ہوئے بولا۔

"سامعہ کے لیے کوئی بھی اچھا استاد نہیں ہے سوائے وقت کے۔" حرا مڑتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب؟" ہادی نے اس کے لہجے پر چڑھتے ہوئے پوچھا۔



”السلام علیکم پیچھو!“ دروازہ کھولتے ہی ہادی کی پر جوش آواز ابھری۔  
 ”علیکم السلام! پیچھو کی جان بیٹا کد کیا ہے یہ صفورا جدید تراش خراش کے سوٹ میں آگے آئیں، پیچھے پیچھے واسع بھی تھا۔  
 ”بسم اللہ، آؤ آؤ۔“ مہر النساء نے اپنے بازو دوا کیے۔

”السلام علیکم“ آواز پر سب نے لاؤنج کے دروازے کی طرف دیکھا۔ میزبانیوں سے اترتا شاہ میر بھی وہیں رک گیا، پیچھے آتا ہادی بھی۔ ہر وقت بالوں کے بے کھونسے کی جگہ بالوں کو باندھا گیا تھا، سلیٹے سے سر پر جمادو پیٹہ، پاؤں میں تاگرہ، ہونٹوں پر کالا پگوز، ہاتھوں میں چائے کی ٹرے لیے کھڑی سسکار رہی تھی۔

”علیکم السلام۔ ماشاء اللہ، آؤ بیٹا آؤ۔“ صفورا اس کی طرف بڑھیں۔

حرا اور سونیا نے ایک دوسرے کی طرف حیرانی سے دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ سامعہ ٹٹے رکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔ شاہ میرزا اور ہادی بھی آ کر باری باری سلام کر کے بیٹھ گئے۔

”سامعہ ماشاء اللہ کتنی پیاری ہو گئی ہے۔ بیٹا! کیا کر رہی ہو آج کل۔“

سامعہ نے منہ بھولا۔

”پی ایچ ڈی۔“ ہادی کی زبان میں کھلبلی ہوئی۔

سامعہ نے دانت پیسے۔

”ماشاء اللہ، کس سبجیکٹ میں۔“ صفورا نے

اشفاق سے پوچھا۔

”انگلش میں۔“ ہادی کی بات پر شاہ میر بھی مسکرائے لگا۔

”اچھا، انگلش میں۔“ منصور نے خوش ہو کر کہا۔

”جی، بی اے کی انگلش میں۔“ سامعہ نے تیسری بار منہ کھولا لیکن ہادی نے جواب دیا۔

”نہیں، بھئیو! انا تو کر رہا ہوں، میں بی اے میں ہوں۔“ سامعہ نے ہنسنے سے ہادی کی آنکھوں میں

”کیا کمر ہے تھے، تم یکن میں۔“ انہوں نے  
تفتیش کی۔ اور وہ سر جھکا کر کان کھجانے لگا۔  
”السلام علیکم!“ شاہ میر نے اندر آتے ہوئے  
سلام کیا، کرسی پہنچ کر بیٹھ گیا۔  
”جیتے رہو۔ کیسی جارہی ہے تمہاری تیاری۔“  
انہوں نے دعا دیتے ہوئے پوچھا۔  
”ٹھیک جارہی ہے، آپ دعا کریں۔“ وہ  
مسکرایا۔

”اللہ کامیاب کرے۔ سامعہ کی تیاری کبھی  
جار ہی ہے؟“  
”ناشاء اللہ، کافی محنت کی ہے پچھلے دو تین دن  
سے۔“  
”چلو، یہ تو اچھا ہے۔ اب کی بار ہو ہی جائے لی  
اے۔“

”بھائی! آپ کے مستقبل میں کیا ارادے ہیں؟“ ہادی ادھر ادھر نظر میں گھمانے ہوئے بولا۔  
”ایک نزام کلیر ہو جائے تو کسی اور ڈیپارٹمنٹ میں جاب کر دوں گا۔“  
”اس کے علاوہ اور کسی بارے میں نہیں سوچا؟“

”اور کس بازے میں؟“ شاہ میر اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے بولا۔  
 ”میرا مطلب ہے شادی..... کیوں دادی! اب بھائی کے ہاتھ میلے ہو جانے چاہئیں، نہیں۔“  
 ”کیوں انہی کی جلدی ہے۔ شاہ میر ہنسا۔  
 ”تمہاری نہیں اس کو اپنی بہت جلدی ہے۔“

مہر النساء سنا رہے ہوئے بولیں۔  
”واہ میری دادی! میں کرو تو آپ بڑی سمجھ دار نہیں  
ہو گئیں۔“ ہادی نے پیار سے ان کے گلے میں بازو  
ڈالنے ہوئے کہا۔  
”ابھی تو بہت کچھ کرنا ہے، شادی کے لیے  
وقت ڈالو۔“ شاہ میر ہنستے ہوئے کہہ کر اٹھ گیا اور  
اسکے پیچھے ابوبکر بھی چلا آیا۔

Full Version

11/11/2022



مسکرا کر جواب دیا۔  
”اچھی بات ہے، لڑکیوں کو پی ایچ ڈی کرنی نہیں چاہیے۔ بہت عمر ڈھل جاتی ہے پھر رشتوں میں مسائل ہوتے ہیں۔“ صفورا مسکراتے ہوئے بولیں۔  
”میرا نہیں خیال ایسا ہے پھچھو! اگر لڑکی چاہے تو پی ایچ ڈی میں کوئی برائی نہیں۔“ شاہ میر کو ان کی سوچ اچھی نہیں لگی۔

”بیٹا! تم مرد ہونا، تمہیں کوئی مسئلہ نہیں لیکن لڑکیوں کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں پاکستان میں تو لڑکیاں رشتوں کے انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ پی ایچ ڈی کر لیں گی تو ہر کوئی بوڑھی سمجھتا ہے، تم ان مسائل کو نہیں سمجھتے۔ خیر تم بتاؤ، کیا کر رہے ہو۔“  
”کانچ میں جاب کر رہا ہوں اور سی ایس ایس کی تیاری بھی کر رہا ہوں۔“ شاہ میر نے ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے ان کے سوال کا جواب دیا۔  
”فیوچر پیورو کریٹ ٹاکس۔“ واسع نے مسکرا کر کہا۔ شاہ میر بھی مسکرایا۔  
”آپ کیا کرتے ہیں واسع بھائی۔“ ہادی نے پوچھا۔

”اس نے ایم بی اے کیا ہے، اپنا بزنس ہے۔ ماشاء اللہ اب تو بس کوئی اچھی سی لڑکی مل جائے تو شادی کروں۔“ صفورا نے جلدی سے جواب دیا۔  
”اوہ اچھا، ہاتھ پیلے کرنے آئی ہیں آپ واسع بھائی کے۔“ ہادی کی زبان میں خند قہقہہ۔  
”ہاں ضرور، کوئی اچھی سی لڑکی جو میرے بیٹے اور میرے گھر کو سنبھال لے۔“ مسکراتی نظروں سے سامعہ کو دیکھا اور سامعہ نے سر جھکا لیا۔  
”چلو، لڑکیوں! جا کر ناشتہ بناؤ۔ میں چائے دیتی ہوں سب کو، پھر سب نے کام پر بھی جانا ہے۔“  
”سدرہ بیگم کو سامعہ کا ایسے شرماتا اچھا نہیں لگا، انہوں نے سب کو اٹھایا۔“

☆☆☆  
شاہ میر مطالعہ میں مصروف تھا، جب خولہ بیگم اندر آئیں۔

شاہ میر ان کو دروازے تک چھوڑ کر آیا اور واپس آ کر کتاب اٹھا کر کسی پر بیٹھ گیا۔ آنکھوں کے سامنے سامعہ کا چہرہ آیا، مسکرا کر سر جھٹک کر دوبارہ منہ ہو گیا۔

☆☆☆  
سامعہ جھولے پر بیٹھی نوٹس پڑھ رہی تھی، جب داغ آ کر ساتھ ہی جھولے پر بیٹھ گیا۔ سامعہ ذرا سا ”ورھکی۔“  
”اور کیا بائیز ہیں؟“ وہ اس کی کتابیں اٹھا کر دیکھتے ہوئے بولا۔

”کچھ خاص نہیں، بس پڑھائی اور کچن میں ہی وقت گزارتا ہے۔“ وہ سر جھکائے بولی۔  
”اوہ تو میوزک نہیں سنتیں، موویز دیکھتی ہیں۔“ وہ کتاب رکھتا ہوا بولا۔

”نہیں، میوزک سننا تو گناہ ہوتا ہے۔“ سامعہ نے اس کی معلومات میں گویا اضافہ کیا۔  
”اوہ کم آن، آپ اتنی سی عمر میں کیا گناہ ٹو اب لے کے بیٹھ گئیں۔“ یہ تو دن ہوتے ہیں زندگی کو انجائے کرنے کے۔“ وہ اس کی بات پر ہنستے ہوئے بولا۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں پرداد کو پسند نہیں۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”ایسا باتیں ہو رہی ہیں کزنز میں۔“ صفورا بھی انداز میں ہنسنے لگی۔

”آپ کیسے سمجھیں پھچھو!“ سامعہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

”نہیں، تم بیٹھو۔ اچھے لگ رہے ہو دونوں ایسے، میں یہاں ہی ٹھیک ہوں تو کیا بات کر رہے تھے۔“ وہ کرسی گھٹکت کر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”اماں! آپ کو پتا ہے کہ سامعہ میوزک نہیں سنتی۔“  
”میں بولا۔“ وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

”اماں! جی شروع سے ہی ایسی ہیں، کسی کو کل کر سانس نہیں لینے دیتے۔“

کے ساتھ یو کے جی ٹو میں نے لائف کو انجوائے کیا ورنہ تو یہی حال تھا۔ یہ گناہ ہے، یہ تو اب ہے، ایسے کرو، ایسے نہ کرو۔ ایسے کپڑے نہ پہنو، زور سے نہ ہنسو۔ کیوں سامعہ! تم جتنی میری طرح اس ماحول سے تنگ تو نہیں ہو۔“

سامعہ نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔  
سدرہ بیگم کچن سے نکلیں۔ سامعہ جھولے پر سامعہ اور واسع کو ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر غصے کی شدید لہر اٹھی لیکن ضبط کر لیں۔

”سامعہ! جاؤ ذرا ہانڈی کو دیکھو۔“ کافی سرد لہجے سے سامعہ نے مخاطب ہوئیں۔ سامعہ ماں کے تیور دیکھ کر اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ صفورا کو بھابھی کا اچھا محسوس ہوا، نظر انداز کرتے ہوئے بولیں۔

”کیا ہوا بھابھی! کچی کو ابھی سے ہانڈی جو لہے میں جھونک دیا ہے، تھوڑی زندگی انجوائے کرنے دیں۔“

”ہر لڑکی کرتی ہے صفورا! اور اس عمر میں نہیں کرے گی تو کب کرے گی۔ کل کو اگلے گھر بھی جانا ہے۔ کیا تم لندن میں نہیں گئیں۔“

”لندن اور یہاں کی زندگی میں بہت فرق ہے بھابھی! وہاں اس انداز سے کام نہیں ہوتے۔“ صفورا اپنا موبائل منہ کے سامنے کرتے ہوئے بولیں۔

”دیکھ صفورا! اماں جی کے جو اصول تھے، وہ غلط نہیں تھے اور یہ ان کے اصول نہیں۔ یہ تو اللہ کے احکامات تھے، جس کی وہ پاس داری کرانی ہیں اور ہمیں کوئی مسئلہ نہیں، ہم خوش ہیں۔“ سدرہ بیگم لہجے میں بولیں۔

”آپ خوش ہیں، سامعہ نہیں۔“ صفورا کو ان کا جواب پسند آیا۔

”ایسا نہیں لگتا ہے ورنہ ایسا ہے نہیں۔“ سدرہ بیگم نے لا پرواہی سے کہا۔

”اس کا بھی جلدی چل ہی جائے گا۔“ صفورا بھی چیخ کر اٹھ کر چلی گئیں۔







تھیں۔

☆☆☆

”آپ نے بلایا امی۔“

سامعہ سدرہ بیگم کے پاس آتے ہوئے بولی۔  
”ہاں بیٹھو، کچھ بات کرنی ہے تم سے۔“ انہوں نے اسے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔  
”جی۔“

”بیٹے! بات یہ ہے کہ یہ وقت ہر ماں اور بیٹی پر آتا ہے اور بڑی خوشی کی بات ہوتی ہے کہ اللہ یہ دن دکھائے۔“ انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

”امی! جلدی بات کریں، کیوں پورا رہی ہیں۔“ وہ پریشان ہوئی۔ اس سے پہلے تو امی نے بھی اس انداز میں بات نہیں کی۔

”بیٹے! ہم سب چاہتے ہیں کہ تمہاری اور شاہ میر کی شادی ہو جائے اور ہادی اور حرا کی۔“ سامعہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔  
”کیا امی؟“

”ہاں بیٹا! ہم سب کی یہ خواہش ہے۔ شاہ میر اور ہادی کھر کے بچے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے جوان ہوئے۔ تم دونوں ہماری کل کائنات ہو۔ تمہارے ابو بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے رہو۔“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔“ وہ جیسے ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔

”مگر کیوں، میں نے حرا سے بھی پوچھا ہے، اسے کوئی اعتراض نہیں اور پھر شاہ میر میں کیا برائی ہے۔“ سدرہ بیگم اس کے جواب پر حیران ہوتے ہوئے بولیں۔

”حرا راضی ہے، آپ اس کی کر دیں۔ پر میں کبھی پروین سے شادی نہیں کروں گی۔“

”مجھے زندگی جتنی ہے خوش ہو کر گزرے۔ پروین سے ساتھ چلتے ہوئے لگتا ہے بھائی جان کے ساتھ چل رہے ہیں۔ ڈرینک دیکھی ہے آپ نے۔ لڑکوں والی کوئی بات نہیں ہے، پیٹنٹ شرٹ، کوئی ماڈرن ڈرینک کی سنس ہے انہیں۔“

اتنی سطحی سوچ ہے تمہاری۔“ سدرہ بیگم دکھ سے بولیں۔

”سطحی سوچ نہیں ہے امی! میں جانتی ہوں میرا شوہر آج کل کے لڑکوں جیسا ہو۔ ذرا انٹرکپڑے پہننا چاہتی ہوں۔ گھومنا پھرننا اور اپنی زندگی جینا چاہتی ہوں۔ اس گھر میں دادی کا حکم چلتا ہے۔ دادی پچاس سال پیچھے جی رہی ہیں۔ شاہ میر ان ہی کی تربیت ہے۔ یہاں کوئی پرائیوٹ لکسی نہیں۔ سب ایک دوسرے کے اندر گھسے ہوئے ہیں۔“ وہ ان کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

”بس کرو سامعہ! انفسوس ہے تمہاری سوچ پر، جو اتنی چھوٹی اور مادی ہے۔ کوئی کسی کے اندر نہیں گھسا ہوا ہے۔ سب کے سب کو باندھا ہوا ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ دادی پچاس سال پیچھے ہیں تو پچاس سال پہلے کے لوگ ہی کل کے رہتے ہیں، جنہیں محبتوں میں باندھنا آتا تھا۔ جانتی ہو تمہاری دادی نے کیسا سایہ رکھا، ہم پر، تمہارے نانا پاپا ہو گئے، علاج کے پیسے نہیں تھے ہمارے پاس۔ تمہاری دادی نے سارا خرچ برواشت کیا اور کتنی احسان نہیں جنایا اور مجھے تو تمہاری نانی نے بتایا۔“

میں اور خولہ تو بہت غریب گھر سے تھیں۔ تمہاری دادی نے ہمارے رشتے شرافت دیکھ کر کیے۔ وہ خود بھی خاندانی اور شریف عورت تھیں اور ہر موقع پر شرافت دکھائی۔ ہمیں دنیا کی دھوپ سے بچا کر رکھا۔ ابھی تمہارے ابا اور چاچا نے ہم سے اوپنی آواز میں بات نہیں کی لیکن پھر بھی تمہیں پتہ تو تم شادی کے بعد شاہ میر کو کبھی ہو کہ تم اسے کس طرح دیکھنا چاہتی ہو۔“

”اس گھر میں ہر کوئی مجھے بے وقوف اور نالائق سمجھتا ہے، ان میں سر فہرست شاہ میر صاحب ہیں۔ نہیں امی! سوری، میں آپ کی طرح جی جی کر کے زندگی نہیں گزار سکتی۔“ وہ فیصلہ سناتے ہوئے بولی۔  
”اس میں ہی عزت ہے۔“ سدرہ بیگم آہستہ سے بولیں۔

”امی! پلیر مجھ پر دباؤ نہ ڈالیں۔ خرا کی کردیا۔ وہ اور ہادی خوش ہیں گے۔ وہ آپ کے جیسی ہے۔ میرا اور شاہ میر کا کوئی جوڑ نہیں۔“ اس نے اتھاڑ کر مزید بات کرنے سے روک دیا۔  
”اگر شاہ میر سے نہیں کرو گی تو ہم تمہارا رشتہ کہاں ڈھونڈیں گے۔ ایسے کون سے گن ہیں تم میں۔“ سدرہ کو کبھی نہ آ گیا۔  
”رشتہ ڈھونڈنا نہیں بچے گا۔“ وہ پرسکون انداز میں گویا ہوئی۔

”کیا مطلب؟“ سدرہ حیران ہوئیں۔  
”میرے خیال میں پچھو آپ سے واسع کے لیے بات کریں گی۔“ سامعہ نے گویا ان کی سماعتوں پر ہلکا کر لیا۔  
”لیکن واسع کے بارے میں ہمیں کیا پتا۔ اس کی عادات کیسی ہیں، کیا تربیت ہوئی اس کی؟“  
”اتنے دنوں سے رہ رہا ہے، کیا آپ نے کوئی عادت دیکھی۔“ اس کے پاس ہر اعتراض کا جواب تھا۔  
”وہ تو یہاں بنا کر رہ رہا ہے۔“ اس کے جواب سے وہ مطمئن نہیں تھیں۔

”تو کیا پچھو کا بیٹا ہے، کیا پچھو میرا بھائی ہے؟“  
”تم مشغور کی سوچ کو نہیں جانتیں۔ سب کچھ جو بہت خوب صورت دکھتا ہے، ضروری نہیں ویسا ہو بھی۔ اگر لڑکا اتنا ہی اچھا ہے تو صفورا کو بہو لندن سے آکر ڈھونڈ لیا جائے۔ پھر بھی اگر تمہاری یہی ضد ہے تو تمہارے ابو سے بات کروں گا، تم اتنے پیار بھرے رشتہ چھوڑ کر خوش رہ بھی پاؤ گی۔“ آخر میں ان کا لہجہ صبر ہوا۔

”آپ اب بددعا دینا شروع کر دیں مجھے۔“  
”اٹھو، تم کو کبھی پتا نہیں۔“

سدرہ بیگم نے آنکھوں میں آنی نمی کو صاف کر کے ہونے کی الحال کسی سے بات نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

”لیکن کیوں، کیا برائی ہے ان میں؟“ حرا حیران ہوئی تھی اس کا انکار نہ کر۔  
”مجھے کوئی شوق نہیں اس جنجال پورہ میں رہنے کا۔ جہاں انسان اپنی مرضی سے سانس بھی نہ لے سکے۔“ سامعہ بیٹھتے ہوئے بولی۔  
”ایسا نہیں لگتا ہے ورنہ ایسا کچھ نہیں۔“  
”جو بھی ہو، مجھے کوئی شوق نہیں پروین کے ساتھ زندگی تباہ کرنے کا۔ کتنی سیکری ہوئی ہے، کتنی کوئی انٹرنیشنل فورم بھی نہیں کراس کرے گا۔“  
”ویسے تو سی ایس ایس کے ایگزیمٹ کیلئے کرنے کے بعد ان شاء اللہ جاب ابھی ہو جائے گی تو ظاہر ہے جہاں پوسٹنگ ہوگی، وہ بھی وہاں ساتھ رہے گی۔“  
”بس پلیر، میں امی کا بیچرسن چکی ہوں، اگر قسمت مجھ پر مہربان ہوئی تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”کیا مطلب؟“ حرا تھنوں اٹھا کر پوچھا۔  
”کچھ نہیں، وقت آنے پر سب پتا چل جائے گا لیکن شاہ میر نہیں اور اب سو جاؤ۔“ وہ سونے لیٹ گئی۔

”تو سو جاؤ، میں باہر جا رہی ہوں۔ ہادی اور سو نیارس ملائی لینے گئے تھے، ان کو دیکھتی ہوں۔“ حرا اٹھتے ہوئے بولی۔

☆☆☆

”مجھے نہیں پتا تھا وہ اتنی تنگ ہے۔ مجھے لگتا تھا وہ بس لا ابالی پن میں سب بھتی ہے۔“

بالآخر ہادی نے ہی سکوت توڑا۔

”لا ابالی پن ہے جو اسے اچھے برے کی تیز نہیں۔“ حرا آہستہ سے بولی، وہ خود بھی شاک میں تھی۔

”خیر کیا کر سکتے ہیں لیکن اس بار اس کا لا ابالی پن نہیں ہے تھیک ہے، ہر انسان کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ہے۔“ ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”تم لوگ کھاؤ، میرا جی نہیں چاہ رہا۔“ وہ اٹھ کر اوپر چلا گیا، اس کے پیچھے پیچھے دنیا بھی چھوڑ کر چلی گئی۔ حرا خاموشی سے ان دونوں کو جاتا



میکھتی رہی۔ تم تنہی بد نصیب ہو سامعہ! صرف انگریزی میں نہیں۔ تم تو زندگی کے امتحان میں بھی فیل ہو جاؤ گی، جو رشتوں کو نہ پڑھ سکیں۔“

میں مصروف تھی پھر بیرنچ کر چلی گئی۔ حرا نے سزا  
 کر دو وارے کی طرف دیکھا جہاں سے وہ لڑی تھی۔  
 ”اللہ اس کو عقل دے۔“

”میرا ہے۔ مجھ بھونے دیا ہے۔“ وہ مسکرائی۔  
 ”کیوں دیا ہے؟“  
 ”کہاں بھونے بھی کسی سببی کو گفٹ نہیں

دونوں کا نکاح کر دوں۔ ہمارے جانے میں کم وقت  
 رہ گیا ہے۔“ صفورا کی آواز آئی۔  
 باہر کھڑی سامعہ کا دل جیسے کانواں اتر رہا تھا۔



سامعہ کو لگا اس کے کانوں میں کسی نے سیسہ ڈال دیا۔  
”اوکے، دیکھ لیں، نہ کوئی فکر ہے، نہ کوئی ڈریسنگ سینس۔“ واسع کی آواز گونجی۔  
”جب بارہ گھنٹے نوکری کرے گی تو خود ہی سلم ہو جائے گی۔“ صفورا بولیں۔

اس سے زیادہ سامعہ کے اندر کچھ سننے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ بمشکل خود کو گھسیٹ کر نیچے لائی۔ امی کے کمرے میں چلی آئی، آنسو تھے کمرے کے کاناں نہیں لے رہے تھے۔ ٹھیک کہا تھا پچھو نے کتنی بے وقوف تھی، سچے اور کھرے رشتے نظر نہیں آتے اور کوئی اسے اتنی آسانی سے بے وقوف بنا رہا تھا۔ روتے روتے کب سوئی، پتا نہیں چلا۔ شام کو وہ تیز بخار میں چنک رہی تھی، سدرہ بیگم اس کو آوازیں دے رہی تھیں۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

اس کے ارد گرد سب اکٹھے تھے۔ حرا، سونیا، چچی، وادی، ہادی اور چپ چاپ کھڑا شاہ میر۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ان میں سے کسی کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کچھ نہیں جانتے تھے پر وہ تو سب جانتی تھی۔ وہ سب اسے بلارہے تھے، پیار کر رہے تھے۔ اچانک بخار ہونے پر پریشان ہو رہے تھے۔ وہ خاموشی سے لیٹی رہی۔ اگلے دو دن وہ بستر پر رہی۔ سب اس کے پاس رہتے۔ ہادی اسے تنگ کرتا، اس کے لیے گول چلے لایا، حرا اور سونیا اس کو بیڈ پر کھانا کھلاتیں۔ بار بار اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ سب بوجھتے پر وہ کیا جواب دیتی۔

آج اس کی طبیعت بہتر تھی۔ وہ سب کے ساتھ صحن میں چائے پینے کے لیے جانے لگی تو خولہ چچی کی آوازیں کراندر ہی رک گئی۔  
”اب تو شاہ میر کے پیچھے ختم ہوتے ہی ہم نکاح کریں گے۔“

”کس کا نکاح، کس سے؟“ صفورا نے پوچھا۔  
”حالانکہ وہ سب جانتی تھیں۔“

”سامعہ اور شاہ میر کا۔ ہم نے سارے بھائیوں

کے آگے جھولی پھیلانی ہے، اب یہ ہمارا باپ کو ملے اور سامعہ میرے شاہ میر کی زندگی میں روٹی کرسے کیوں بھا بھگی؟“ سدرہ بیگم بمشکل مسکرائیں۔  
”اچھا، یہ کب ہو۔“ مجھ سے کسی نے ذکر نہیں کیا۔  
”وہ اصل میں تم اس دن تھیں نہیں تو اماں کی ہمت ہم سے بات کی۔“ سدرہ بیگم نے گویا معائنہ کر کے۔

”اور مجھ سے بات کرنے یا مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”ایسی بات نہیں صفورا! یہ خواہش تو ہم سب کے دلوں میں تھی پھر اماں جی نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا اور انہوں نے شاید تم سے بات بھی کی تھی۔“ خولہ چچی نے مات سنجھائی۔

”کی ہوگی لیکن بات یہ ہے کہ کیا بچوں کی مرضی شامل بھی ہے یا نہیں۔“ صفورا بے رخی سے گواہ ہوئیں۔

”بالکل، شاہ میر، ہادی، ہم سب بہت فخر ہیں۔“ خولہ چچی سادگی سے بولیں۔

”اور سامعہ..... کیا وہ راضی ہے۔“ صفورا نے چیختے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”ظاہری بات ہے، سامعہ کو کیا اعتراض ہوگا۔“ خولہ چچی حیران ہوئیں۔

”کیوں سدرہ بھابی! سامعہ نے ہاں کر دی۔“ صفورا نے رخ موڑ کر سدرہ بیگم سے براہ راست سوال کیا۔

وہ گھبرا گئیں۔ اسی لمحے شاہ میر اور ہادی بھی مگر میں داخل ہوئے۔

”وہ، میں نے ابھی سامعہ سے بات نہیں کی۔“ وہ آہستہ سے بولیں۔

”کیوں جھوٹ بول رہی ہیں بھابی! آپ جانتی ہیں، سامعہ اس رشتے پر راضی نہیں۔“ صفورا نے دھماکہ کیا۔

خولہ چچی نے گواہ کر کے سدرہ بیگم کو دیکھا۔ انہوں

نے نظریں جھکا لیں۔ ابرار اور اسرار بھی ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھ رہے تھے۔

”معاف کیجئے گا خولہ بھابی! شاہ میر آپ کا بیٹا اور میرا بھتیجا ہے۔ مجھے بہت پیارا ہے مگر اس گھر کے اصول نے اسے بزرگ بنا دیا ہے۔ سامعہ آج کل کی لڑکی ہے، اسے لائف ہے، اسے ایسے ہی بائٹری کی خواہش ہے۔ نندہ اس کے گھر کے ماحول کو پسند کرتی ہے۔ اس نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اسے واسع کی دلہن لے لے میں۔“ لندن نے کر جاؤں گی جہاں وہ کھل کے ہاؤس کی۔ لندن نے مکمل کر کے وہ پرسکون انداز میں کمری سے نکال کر بولیں۔

سب کو جیسے سنا۔ شاہ میر کا چہرہ ادھواں دھواں ہو رہا تھا۔ مہر النساء اور سدرہ بیگم سر جھکا کر بیٹھی تھیں۔ ہادی بھی خاموش تھا۔ اندر لاؤنج میں کھڑی سونیا اور حرا کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

”میں جانتی ہوں آپ سب کو برا لگا، پر حقیقت یہ ہے کہ اور میرا خیال کہ سامعہ کو واسع کے ساتھ شادی پر کوئی اعتراض ہوگا۔“ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے بولیں۔

”اسے افس ہے۔“ سامعہ کی آواز پر سب نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ لاؤنج کے دروازے پر کھڑی تھی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی شاہ میر کی کرسی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

”کیوں سامعہ! تمہاری اور واسع کی تو بہت اچھی انڈر سٹینڈنگ ہے اور پھر تمہیں تو یہ ماحول بھی پسند نہیں۔“ بڑی طرح۔“ صفورا نے ٹانگ کرسی سے اتارتے ہوئے کہا۔

”میں سامعہ کے جواب پر جھکا کر لگا تھا۔“ نہیں پچھو! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کچھ نہیں کر بات کر لینا انڈر سٹینڈنگ نہیں ہوئی اور نہ ہی اس ماحول سے مجھے کوئی مسئلہ ہے۔“ وہ پرسکون انداز میں گویا ہوئی۔

”میں تو تمہارے اچھے کے لیے چاہ رہی تھی، اس لمحے موسم سے لندن۔“ جیسے ٹھنڈے ملک میں چلا

جائیں۔ شاہ میر سے زیادہ ہندسے میرا بیٹا اور ایک کالج۔ پھر انہیں کیا عیش کرائے گا، ڈیڑھ سو ڈریسنگ اور ڈکر کے گا، اب وہ بھنگا رہی تھیں۔

شاہ میر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔  
”نہیں پچھو! مجھے رشتوں کی گریہوں میں گندھا یہ ماحول۔“ موسم پسند ہے۔ جہاں میری دو پہریں حرا اور سونیا کے ساتھ لڈو کھینچے اور ڈانسٹ بڑھتے گزرتی ہیں۔ جہاں میری ذرا سی بکری پر ہر گولی پریشان ہوتا ہے۔

لندن کے ٹھنڈے کمرے جس موسم کا کیا کروں گی اور مجھے کسی ڈیزائنر سوٹ کی ضرورت نہیں اور وہ گئی بات شاہ میر کی، تو آپ لوگ نے حق دیا کہ آپ میرے ہونے والے شوہر کی ذات کے نیچے ادھیڑیں۔ یہاں پر ہر دوسرا لڑکا واسع ہے، بہت اخلاق کا مالک روایات اور اقتدار تہذیب سے دور مگر یہاں پر شاہ میر آپ کو کم ہی ملیں گے۔“

”زبان سنجھائی کے بات کرو، میرے بیٹے کے لیے لندن میں لڑکیوں کی کمی نہیں۔ میں نے سوچا بھائی کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور تمہاری زندگی بھی سنور جائے گی ورنہ ساری زندگی شاہ میر تو دینی جی نہیں دکھائے گا۔“ وہ چیخیں۔

”شکر پچھو! آپ نے میرا سوچا، پر ابا کا بوجھ ابا کا بھتیجا ہی بنائے گا میرے لیے دینی اور لندن اہمیت نہیں رکھتے۔ اہمیت ساتھ اور سامی کی ہے۔ ایسا سامی جو آپ کو عزت اور تحفظ دے جانتا ہو، تو اس کے ساتھ لاہور گھومنے میں بھی وہی مڑا ہے جو دینی گھومنے میں۔“ وہ جانے کے لیے مڑی پھر رک گئی اور پچھو کی طرف پلٹی۔

”ایک بات اور پچھو! میں بے وقوف ضرور ہوں، نالائق بھی پرانہ می، پاگل اور خود غرض نہیں۔ میں آپ جیسی نہیں۔“ وہ کہہ کر پلٹ گئی۔

”جلو واسع! سب کراؤ جو بھی پہلی فلائٹ ہو،



حمیرا شفیق

## میرے ایک ساتھی پر



بہت بڑا لگتا ہے۔ تمہاری سہیلیاں نہیں گی تو شرمندہ  
تو نہیں ہوگی۔  
”نہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون  
انکل دیکھتے ہیں یا.....“ وہ بات کرتے کرتے ہلکی  
حیران رہ گئی۔

کاربن فریم کی جگہ اسٹیکس گلاس، درمیان  
کے مائیک نکال کر بالوں کی کنگ، جینز اور لی شرت  
میں وہ بلا کا پینڈم لگ رہا تھا۔ وہ بس ایک ٹکڑے  
دیکھے جا رہی تھی۔

”بس بھی کرو، کیا نظر لگاؤ گی۔“ وہ مسکراتے  
ہوئے بولا۔ وہ جھینپ گئی۔

”نہیں، بس ایسے ہی۔“

”چھا آ نکھیں بند کرو۔“ شاہ میر نے کہا۔  
سامعہ نے آنکھیں بند کیں۔

”ہاتھ آگے کرو۔“ سامعہ نے ہاتھ آگے کیے۔  
شاہ میر نے ایک بڑا پیکٹ اس کے ہاتھ پر رکھا۔ اس  
نے آنکھیں کھولیں۔ ایک مشہور ڈیزائنر کا خوب  
صورت جوڑا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔

”میں کوشش کروں گا کہ تمہاری کوئی خواہش  
خواہش نہ رہے۔ میں اسے حقیقت ضرور بناؤں۔“  
ڈبالتا ہوا ہوا اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھتے  
ہوئے گھبراہٹ میں بولا۔ وہ کانپنے لگی۔ شاہ میر اس کی  
ہوسکتا ہے، اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ شاہ میر اس کی حالت  
پر محفوظ ہو رہا تھا پھر آہستہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

”خیر، اسے جانے دو۔“ وہ بولا۔  
”اب کی چوٹس بہت اچھی ہے۔ میں جانتی  
ہوں۔“ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

”میں روز آئینہ جوتی ہوں۔“ وہ شرارت سے بولی  
اور چیخا۔ شاہ میر کے قہقہے نے اس کا پیچھا کیا۔

”شاہ میر کی ہنسی کتنی خوب صورت ہے۔“  
نیز ہیاں اترتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

☆ ☆

ہمیں ضرورت ہی نہیں ایسے گھر میں رہنے کی۔“ وہ  
خندے سے اٹھ کر چلی گئیں۔ پیچھے پیچھے واضح بھی  
نیز ہیاں چڑھ گیا۔

سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ خولہ اور سدرہ  
برستی آنکھوں سے ایک دوسرے کے گلے ملیں۔ اسرار  
اور ابراہیم بھی ایک دوسرے سے ملے۔ ہادی نے اٹھ کر  
شاہ میر کو گلے لگالیا۔ حرا اور سونیا بھی ایک ساتھ زور اور  
ہنس رہی تھیں۔ سامعہ کمرے میں بیچی اللہ کا شکر ادا  
کر رہی تھی جس نے ایک غلط فیصلے سے بچالیا۔

دوسرے دن صغورا واضح کے ساتھ واپس چلی  
گئیں۔ سب نے بہت روکا۔ نکاح تک رک جائیں  
پر وہ کچھ سنے کو تیار نہیں تھیں۔

شاہ میر کے پیپر شروع ہو گئے۔ سدرہ اور خولہ  
نکاح کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ پورے خاندان  
کی دعوت کرنی تھی۔ حرا اور سونیا اپنے کپڑے تیار  
کروا رہی تھیں۔ ابھی تک اس کا جوڑا نہیں آیا تھا پر  
اب وہ مطمئن تھی، جیسا بھی ہوگا، وہ پین کے کی  
اب اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔

کل اس کا اور شاہ میر کا نکاح تھا۔ شاہ میر شام  
سے گھر نہیں آیا۔ اپنے پیپر کے بعد وہ کم ہی نظر آیا  
تھا۔ سب صبح میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف  
تھے۔ وہ ٹیرس پر کھڑی بیٹھی دیکھ رہی تھی، سب کہتے  
خوش تھے۔ واضح اور بھیم کی حقیقت سے اسے دھچکا لگا  
تھا۔ کچھ خواب اور مان لوٹنے کی بھی تکلیف ہوئی،  
اسے شاہ میر سے محبت نہیں تھی پر وہ مطمئن تھی کہ ان  
سب رشتوں میں محفوظ تھی۔ اسے اپنے پیچھے قدموں  
کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی بالکل اس کے پیچھے آ کر  
کھڑا ہوا تھا۔

”سامعہ! وہ پلٹتے پلٹتے رک گئی۔ یہ شاہ میر تھا۔“  
”جی۔“

”تم خوش ہو۔“  
”ہاں۔“ لیکن مطمئن ضرور ہوں۔“

”پچھتاؤ کی تو نہیں کہ ایک انکل نائب پروفیسر  
سے تمہاری شادی ہوئی، جو تمہارے ساتھ بیٹے ہوئے



پیاری بہنو اسدا خوش رہو!  
دو دھوں نہاؤ اور پوتوں پھلو!

بھئی بات ہے سچ، میں تو ہر ماہ بہورانیوں کے  
ٹھکے شاکش، آہ و زاریاں (ایک طرح کی لن  
ترانیاں) سن سن کر سخت عاجز آتی ہوتی تھی۔ آپ  
بہنوں کی طرف سے بھی کئی بار فرمائش آئی کہ ساسوں  
کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی جائے مگر ڈائجسٹ  
والی باجیاں ٹال دیتی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اس سے  
پہلے کہ انتظار کرتے کرتے میرے جذبات  
واحساسات کا پریشر کو کرکٹ جاتے ہیں خود ہی بن  
بلائی مہمان بن کر آپ کی محفل میں چلی جاتی ہوں۔  
ہاں آتے سے خود سے عہد کر کے آتی تھی کہ تمام  
سوالات کے جواب سچ سچ دوں گی۔

(اب بہورانیوں کو مرچیں لگتی ہیں تو لگتی رہیں  
میری بلا سے) چلیے آتے ہیں سوال نامہ کی طرف۔  
س: آپ کے بیٹے کی شادی کب ہوئی؟  
جواب: ہائے ماں صدقہ..... ماں واری.....  
کیا یاد دلادیا۔ میں اپنے محلِ انجی آنکھوں کے تارے  
کو 125 تو بری شام بیاتے تھی اور اپنی طرف سے  
تو ایک چائے کا کلا (مگر حقیقت میں آگ کا شعلہ) بیاہ  
کر کھلاتی تھی۔

س: بیٹے کی شادی سے پہلے آپ کے کیا  
مشاغل اور پُرسپاں تھیں؟  
ج: ایک جوان منڈے کی ماں کا بھلا کیا مشغلہ  
ہو سکتا ہے سوائے ”بہو تلاش ہم کے“ نا..... نا..... اب  
یہ نہ سمجھتا کہ میں نے جو اتنا وزن بڑھا رکھا ہے وہ لڑکی  
والوں کے گھر سے سموے جلیبیاں کھا کھا کر  
بڑھایا ہے۔ میں نے تو رشہ کروانے والی سے صاف  
کہہ دیا تھا کہ میں رنگ پرنگی چائیں (جائے) نہیں  
ہوں گی۔ ادھر ادھر سے لڑکی پسند کر کے ایک ہی بار  
فائل کرتے جاؤں گی اور ہوا بھی یہی۔  
اپنی جھٹائی کی بہن کے نواسے کے عقیقے پر مٹی

تھی۔ وہیں ایک من موٹی صورت والی لڑکی تھی  
(ہنہ صورت مومنای، کروت کافراں) ہائی سائل  
لڑکیاں خوب لپیا پونی کر کے آئی تھیں وہ سادہ سا  
لیے گھوم رہی تھی۔ میں تو جھٹ لٹو ہو گئی یہ سوچ کر کہ  
میک اپ کا اضافی خرچہ چاہیہ کیا کرے گا۔ ابھی رات  
ہی کو توئی وی میں بتا رہے تھے کہ حکومت نے بجر  
میں میک اپ پر ٹیکس بڑھا دیا ہے۔  
مگر ہائے ری قسمت..... وہ ٹو بچہ میں عقدہ ملا  
کر بی بیونے وہ والا میک اپ کر رکھا تھا۔ وہ کیا کہے  
ہیں؟ ہاں یاد آگیا.....

تو میک اپ..... ارے یہ والا کم بخت تو اصل  
میک اپ سے بھی مہنگا آتا ہے۔  
چلو پھوڑ جی..... آگے چلتے ہیں۔

س: بیٹے کی شادی سے پہلے بہو کے حوالے  
سے آپ کا کیا تصور تھا؟ کیا خوبیاں تھیں جو آپ اپنی  
بہو میں دیکھنا چاہتی تھیں اور کیا وہ آپ کی توقعات  
پورا تریں؟

جواب: بک ہا! کیا سوال پوچھا ہے بی بی بک  
بیٹے کے سواہ ہو گیا ہے۔ میں تو حقیقت کی دنیا میں رہتی  
تھی۔ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ آج کل کی لڑکیاں  
امور خانہ داری سے برائے نام ہی دلچسپی ہوتی ہے۔  
اس لیے کبھی یہ توقع نہیں پالی کہ میری بہو ایک ڈرہ  
کھٹے میں تورمہ، کباب، شیر، شہرڈ سب آٹا آٹا بنا کر  
رکھ دے۔ یہ تو صرف ڈائجسٹ کی بہروں ہی کی کتنی  
ہے۔ اس لیے جب ایک ماہ بعد بہو کا بیٹھنے میں بیٹھ  
ڈالو اتھا تو فرنی بنانے کے لیے سارا سامان آٹا چا  
(شوق) سے لے کر آئی۔ بہورانی سے کہا کہ جب  
بنانے لگو تو مجھے بلا لیتا۔ اچھے سے سمجھا دوں گی۔ دن  
ڈھلے جب خود ہی کٹر پٹرن کر کچن میں مٹی تو بہ  
صاف اپنا موبائل سامنے رکھے ویڈیو دیکھ دیکھ کر ٹھٹھا  
بنارہی تھیں۔ ایک ٹکڑا اتنا بڑا ٹو پچھڑے فرنی کے  
چاولوں کے ساتھ ختم گھٹا دکھائی دے رہا تھا۔ میں

آپ کا حق تھا؟ گھریلو اور خاندانی معاملات میں وہ  
آپ کی رائے کو کتنی اہمیت دیتی ہے؟  
ج: ”دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے۔“  
کیا جگر کو چھلنی کرنے والا سوال پوچھا ہے۔ اس  
بقر عید پر جب اسے پتہ چلے کہ لے گئی تو بڑے دلدار سے  
دو بہو کے لیے بھی خرید لیے۔ وہ تو دیکھتے ہی چی  
پڑی۔ ”ہائے اللہ اماں..... ایسے گولا لکڑے کھلا کر  
کون پہنتا ہے.....“ اسی وقت میاں کے ساتھ موٹر  
سائیکل پر جا کر تبدیل کر دلائی۔ بڑا دل برا ہوا۔ سارا  
سال اپنی پسند کے چوتھی تھی ایک دن میری پسند سے  
بہن لپٹی تو کیا ہو جاتا۔

ہر معاملے میں یہی سوچ کر اماں کو کیا پتا  
وہ تو پرانے زمانے کی ہیں..... جی ہاں.....  
چلیں چھوڑیں جی آگے چلیں۔

س: آپ آج کل کی بہووں کو کیا پیغام دینا  
چاہیں گی؟  
بھئی خوش کھی اداں ہوتی ہے  
وہ پہلے انساں بعد میں سانس ہوتی ہے  
سونپ دیتی ہے تمہیں تخت جھرا پتا  
پھر تم ہی سے ہر امید ہر آس ہوتی ہے

پیاری بہورانیوں!  
ہم نے تو اپنا جگر کا کلاڑا اپنی دھن دولت، سب  
ہی کچھ تمہارے حوالے کیا۔ بدلے میں ہمیں کیا  
چاہیے۔ بس ذرا سی محبت..... عزت..... بان اور  
بھروسہ..... مانا کہ بہت قیمتی چیزیں ہیں۔ مگر وہ ہم  
نے بھی تو تمہیں اپنی سب سے قیمتی چیز دی ہے  
نا..... اپنی سگی ماں کی بھی تو کسی وقت کڑوی سی سیکن کر  
اس سے محبت کرنا نہیں چھوڑیں۔ ہیں ناں..... تو  
تھوڑی سی منجائش ہمارے لیے بھی۔ آخر ایک دن تم  
نے بھی ہماری جگہ پر آنا ہے خوش رہو، سدا سہاگن  
رہو۔

☆☆



# نور القلوب

نور القلوب ایک ایسا ادارہ جہاں صندل بی لوگوں کے لیے دعا کرتی تھیں، لوگ اپنے مسائل کے پاس آتے تھے۔ وہ انتہائی خوب صورت خاتون تھیں۔

بٹ گرام میں بنی ہری جوبلی میں وہ اپنے باپ اور گلے جو اس کی سوتیلی ماں تھی سے ملے چھپ چکی تھیں۔

گلے اس کی حالہ بھی جو اس کی ماں کے مرنے کے بعد انتہائی کم عمری میں اس کے باپ سے بیاہی گئی تھی۔

خوش اپنے باپ کی نسبت گلے سے زیادہ قریب تھا۔

داؤد بروکن ٹیلی کا بچہ تھا جو انتہائی موٹا تھا اس کے وزن کی وجہ سے سب اسے تنقید کا نشانہ بناتے تھے،

پڑھائی میں بھی اچھا تھا۔ ثانی کے مرنے کے بعد اس کی ماں نے اپنا ٹرانسفر دی کروالیا تھا وہ پینک میں ملازمین کرتی تھیں۔

گلے کی اداسی دیکھ کر اسے لگا اس کا باپ شادی کر رہا ہے۔ وہ ان سے سخت ناراض تھا۔

اس کا دوست اسے بتاتا ہے کہ لاریب نے خودکشی کر لی ہے۔ وہ حیران ہو جاتا ہے۔

آدھی رات کو ہری جوبلی میں کھڑ پٹرن کروہ باہر نکلتا ہے تو اپنے باپ کے ساتھ لاریب کو دیکھ کر ان کا جاتا ہے۔

خوش لاریب کو اپنے گھر میں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ وہ ارباب کو فون کرتا ہے لیکن وہ ریپونڈ نہیں کرتا۔

رفیق کے صاحب اس سے کہتے ہیں کہ لاریب کی تمام تصاویر ان کے گھر سے ہٹا دی جائیں ان کے گھر میں لاریب کا چھوٹا بندہ ہو جاتا ہے۔

مہر افروز ان کے گروپ میں شامل ہو جاتی ہے داؤد کو لگتا ہے کہ وہ ان کے گروپ کی لڑکیوں میں سب سے خوب صورت ہے۔ فرمان کی اس سے نہیں بنتی۔

خوش گلے سے کہتا ہے کہ لاریب کو فوراً واپس بھیجو، اسے لگتا ہے کہ وہ اسی چوٹی پر بیٹھا ہے جہاں سے لاریب نے اسے دھکا دیا تھا۔

خان بابا خوش خان کو بتاتے ہیں کہ اس کا نکاح لاریب سے ہو رہا ہے۔

خوش کو یاد آتا ہے کہ لاریب ڈرگ کرتی ہے، وہ غصے میں جب لاریب کے پاس آتا ہے تو منہ دکھائی نہیں دیتا ہے جسے دیکھ کر لاریب کی آنکھوں میں چمک آ جاتی ہے۔

خوش ہاسٹل پہنچا تو ارباب اس کا رویہ دیکھ کر اسے تنگ کرتا ہے۔ آخر میں کہتا ہے کہ جب تک خوش اسے بتائے گا کہ اسے کسے چاہیے۔ خوش رونے لگتا ہے اور پھر لاریب سے نکاح کا بتاتا ہے۔

مہر افروز، داؤد، مہرادی، جانا، داؤد کو فون کرتا ہے۔ وہ اس کے کہنے پر لندن چلا جاتا ہے۔

ہی اسے جرمی بھیجنا چاہتی ہیں۔ اور اس کی می کو بھی قائل کر لیتی ہے۔

مہر اس سلسلے میں داؤد کو مطمئن کر دیتی ہے۔ داؤد اپنی می کو فون کرتا ہے اور مہر سے بات کرواتا ہے، وہ اسے مہر داؤد کے پاس لندن پہنچ جاتی ہے۔ داؤد اپنی می کو فون کرتا ہے اور مہر سے بات کرواتا ہے، وہ اسے مہر داؤد کے پاس لندن پہنچ جاتی ہے۔

واپس دیتی ہیں اور داؤد سے کہتی ہیں کہ وہ واپس آ جائے۔ مہر سے بچے اور مہر کے اس کے پاس ہونے پر داؤد سے ہی ناراض ہو جاتی ہیں۔

داؤد فون بند کر دیتا ہے۔ وہ اسے پکار رہی رہ جاتی ہیں۔

سے ہی ناراض ہو جاتی ہیں۔

وہ مہر کو منانے آتا ہے اور می کو منانے کا کہتا ہے۔

داؤد اپنی می کو فون کرتا ہے۔ وہ اسے اپنی قربانیاں بتاتی ہیں۔ مہر کہتی ہے کہ وہ دونوں مل کر انہیں منالیں گے۔

داؤد روتا ہے، اسے اپنی می کی قربانیاں خود پر ظلم لگتی ہیں۔ وہ مہر سے کہتا ہے کہ وہ اس سے شادی کر لے،

مہر کا بچہ کے بعد وہ مان جاتی ہے۔

گورٹ میں فارم مل کر تے ہوئے داؤد کو پتا چلتا ہے کہ میرا فروز کا اصل نام شیریں خلیق ہے۔

داؤد مہر کی شادی ہو جاتی ہے۔ داؤد مہر کے والدین کو منالیتا ہے۔ اس دوران وہ اپنی می کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

مہر داؤد سے اس شادی کو سب سے چھپانے کا کہتی ہے اور ماڈلنگ کے لیے دینی چلی جاتی ہے۔ داؤد اسے روک نہیں پاتا۔

مہر اپنے ٹارگٹ کے بارے میں داؤد کو بتاتی ہے کہ وہ تیس سال کی عمر سے پہلے بہت کامیاب عورت بننا چاہتی ہے، سب کچھ حاصل کرنا چاہتی ہے۔

مہر کے والدین داؤد کی می سے مل کر تعلقات بحال کراتے ہیں۔

مہر ریگلس ہو جاتی ہے۔ داؤد کی می بہت خوش ہوتی ہیں۔ مہر کو لگتا ہے یہ داؤد کی می کے تعویذ کی وجہ سے ہے۔

خان گلے کو مہر کی کہانی سناتے ہیں۔ ارباب، خوش سے کہتا ہے کہ وہ کتنا سوگ منائے گا۔ خوش سوچتا ہے کہ منہ لہی اس کی مدد کر سکتی ہیں۔

لاریب کے کہنے میں نہیں۔ گلے پریشان ہوتی ہے۔ لاریب خان کے پالتو کتوں کے پاس ہوتی ہے۔ گلے سوچتا ہے یہ جوبلی کی بوجھیں بن سکتی۔





خان گلے کو صندل بی سے ملوانے لاتے ہیں لیکن گلے انتہائی بے زار ہوتی ہے۔ اسے خان کی آنکھوں سے چھلکتی عقیدت میں چھپا عشق تکلیف دیتا ہے۔ لاریب کو ڈیول کی حرکت اچھی نہیں لگتی کہ وہ خوشی کے نغموں میں لوٹتا ہے۔ خوشی بھی لاریب کو چڑانے کے لیے ڈیول سے ٹھیکتا ہے۔

واپسی میں گلے حبیب اللہ خان سے کہتی ہے کہ انہوں نے صندل بی سے لاریب کے متعلق بات کی کہ انہوں نے

کی، خان اس کی بات انتہائی سختی اور سرد مہری سے رد کر دیتے ہیں۔

ثانی شاہدہ، زہرہ اور طیبہ کو ڈانتی ہیں۔

شیریں کی ایک خاتون سے ملاقات ہوتی ہے، وہ ایک دینی ادارہ چلا رہی تھیں۔ شیریں ان سے بہت ہنر ہوتی ہے اور داؤد سے کہتی ہے کہ وہ روزانہ چند گھنٹے کے لیے اس ادارے میں جائے گی۔

داؤد شیریں سے کہتا ہے کہ آفس میں ڈرنے ہو جے، تم تیار رہنا۔ داؤد شیریں کی تیاری دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اس نے حجاب کے ساتھ اپنا پورا چہرہ چھپایا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ بھی دستاویزوں میں قید ہیں۔ داؤد شیریں کی کسی بات پر اعتراض نہیں ہوتا۔ داؤد کی کوپتا چلتا ہے تو وہ سخت ناراض ہوتی ہیں۔ شیریں کی کھلی اس سب پر برامانتی ہے۔

شیریں کے والد بھی اس سب سے خوش نہیں ہوتے، وہ داؤد کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن داؤد شیریں کی خوشی میں خوش تھا۔ گلے، خوشی سے کہتی ہے کہ ہم تمہارے ماموں کے پاس اسلام آباد چلے جانے ہیں۔ خوش کہتا ہے وہ مجھے تو رکھ لیں گے لیکن آپ کو نہیں۔

رات کے اندھیرے میں لاریب ڈیول کی بے وفائی پر اسے پٹرول چھڑک کر آگ لگانا چاہتی ہے۔

### اکیسیویں اور آخری قسط

"یہ جذبہ جسے تم نفرت سمجھ رہی ہو۔ دراصل یہ نفرت نہیں ہے۔" وہ اس کی پشت کی جانب دیکھتے ہوئے پہلے سے بھی زیادہ محبت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"یہ بے بسی ہے۔ اپنی ذات کے لیے نہ خود کچھ ناکارنے کے باعث پیدا ہونے والی لا چاری ہے۔" وہ کہتی ہوں۔ میں بھی اس کیفیت سے گزر چکی ہوں لاریب! مجھے احساس ہے کہ دل پر کیا گز رہی ہوئی ہے جب آپ میرے جانے یا پھر مار دینے کی کیفیت کا شکار ہوتے ہیں۔"

گلے نے لہجے کو سختی الامکان عام سا بنائے رکھا تھا۔ لاریب اس کی جانب مڑی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایسا لگتا تھا بالآخر وہ بات کرنا چاہتی ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع تھا جو اسے شکوک و شبہوں سے پرہیز کرنا تھا۔

"آپ کیسے گلے۔ آپ تو۔" وہ ہنسی بھرے لہجے میں بولی۔

"اتنی ہنس کچھ خاتون ہیں آپ۔ بڑی سے بڑی بات کو ہنسنے کھیلنے ہوئے بدداشت کر لیتی ہیں۔ آپ کیوں مرنا چاہتی ہیں؟ اور آپ کیسے سمجھ سکتی ہیں میری کیفیت۔ آپ کو نہیں بتا سکا کہ کتنا کالا ہے۔ مجھے خوش نظر آنے ہوئے لوگ نہ ہر لگتے ہیں۔ میں جب اپنی عمر کے لوگوں کو اپنے والدین اور پیار کرنے والوں کے ساتھ خوش باشت دیکھتی ہوں تو دل چاہتا ہے انہیں اپنی بد دعا میں دوں اتنی بد دعا میں دوں کہ ان کی ہنسی ہنسی زندگیوں جہنم میں جا لیں اور پھر میں انہیں تڑپا دوں دیکھ کر خوش ہوں رہوں، آپ نہیں سمجھ سکتیں مجھے یا میری صورت حال۔"

میرے جیسے لوگوں کو مر جانا چاہیے۔

آپ کو نہیں۔

گلے نے اس کے خاموش ہوجانے کے بعد بھی اچھو لیا۔ لیکن اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے لیے تو کبھی۔

"میں جب تنہا بیٹھی ہوتی ہوں تو میرے دل میں بہت مڑی مڑی باتیں آتی ہیں۔ میں چاہتی ہوں میں اپنی

"میں جب تنہا بیٹھی ہوتی ہوں تو میرے دل میں بہت مڑی مڑی باتیں آتی ہیں۔ میں چاہتی ہوں میں اپنی

میں کے سامنے بیٹھ کر اتنی زور زور سے چلاؤں کہ ان کے کانوں میں زخم ہو جائیں۔

اور ڈیول کی تو شکل سے بھی نفرت ہے مجھے۔ انہوں نے ایک عورت کی محبت میں دو عورتوں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ دادی کو بھی اور مجھے بھی۔ میں جب چھوٹی تھی تو مجھے دادی بہت مڑی لگا کرتی تھیں لیکن ان کے انتقال کے وقت خاندان نے مجھے ان کی شخصیت میں اپنی جھلک نظر آنے لگی تھی۔

دانت خان نے مجھے لگتا تھا میں بھی ان کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤں گی اور ساتھ والے کمرے میں بیٹھے میرے

مجھے لگتا تھا میں بھی ان کی یاد میں گالیاں بکتے رہیں گے۔ انہیں ذرا سا بھی فرق نہیں پڑے گا۔

ڈیول ڈرگڑ کے نشے میں دھت ہوئی کس بات کی سزا دی انہوں نے۔ ہماری ساری زندگی کو شرمندگی بنائے رکھا۔ وہ ہمارا کیا قصور تھا۔ ہمیں کس بات کی سزا دی انہوں نے۔ ہماری ساری زندگی کو شرمندگی بنائے رکھا۔ وہ ہمارا کیا قصور تھا۔

لیکن وہ اپنے دل میں مزار بنا کر بیٹھ گئے۔ مٹی کی یادوں کا مزار۔ اور اب بھی وہ

چاہتے تو سب کچھ ٹھیک کر لیتے۔ لیکن وہ اپنے دل میں مزار بنا کر بیٹھ گئے۔ مٹی کی یادوں کا مزار۔ اور اب بھی وہ

اپنے مزار کے اطراف رقص کرتے رہتے ہیں۔

ای مزار کے اطراف رقص کرتے رہتے ہیں۔

ان کی بلا سے میں جیوں یا مروں۔ اتنی ان چاہی ہوں میں۔ لیکن ہوں تو میں بھی انسان نا۔ تکلیف مجھے بھی

ہوتی ہے مگر میں کس کو سزاؤں اپنے ڈھک۔ کس کو بتاؤں جو مجھ پر گزر رہی ہے۔ سب سمجھتے ہیں، مجھے تو کچھ بتایا

نہیں ہے لیکن مجھ سے کیا چھپا ہے۔ گلے نے اس کے چہرے پر جھلکتے کرب کو اپنے دل پر محسوس کیا۔

وہ خاموش ہوئی تھی۔ اس کا لہجہ نرم تھا۔ گلے نے اس کے چہرے پر جھلکتے کرب کو اپنے دل پر محسوس کیا۔

"مجھے بتاؤ۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ میں سنوں گی تمہارے ڈھک۔" لاریب نے اس کی بات کافی

"آپ نہیں سن سکیں گی۔ آپ کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا ہے میں نے۔ خوش الحان کی زندگی برباد

کرنے میں کوئی کمر نہیں چھوڑی میں نے۔ خان بابا کو ہمیشہ میری جانب سے ڈھک ملے ہیں۔ آپ سب بھی نفرت

کرتے ہیں مجھ سے۔ میں کسی مصیبت کی طرح مسلط ہوں آپ لوگوں پر درنہ آپ کا بس چلے تو میں بھی زندگیاں

مجھے۔"

وہ بظاہر مکمل جملے بولتے ہوش و حواس میں لگ رہی تھی لیکن اس کی گفتگو بے ربط تھی۔

"ایسا نہیں ہے لاریب۔ تم بہت عزیز ہو مجھے۔ بہت محبت کرنی ہوں میں تم سے۔" گلے نے اس کے

چہرے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا۔ لاریب نے چہرہ پیچھے کر لیا۔

"نہیں بولیں گی۔ کتنی بار فریب دیں گی مجھے یہ سب کہہ کر۔ ایسی کون سی رشتہ داری ہے آپ کی مجھ

سے۔ مجھے اس کے ماں باپ دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اس سے محبت ہے آپ کو۔ واہ۔ اچھا نہیں آف ہیو میرے

آپ کا گھر بیٹھے درجنوں بیٹے لگ سکتے ہیں آپ۔"

وہ بد مزہری سے بولی تھی۔ گلے کو انتہائی برا لگا۔ وہ چند لمحے کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ ساری صورت حال پر راحت بھیج کر اٹھے اور جا کر اپنا ناشتہ کرے مگر اس نے دل میں عزم کیا تھا کہ وہ اتنی

طولی یوں نہیں ہوگی۔ اسے اس لڑکی پر ترس آتا تھا اور وہ اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔

میں بھی اچھا ٹھیک سے نہیں ہے مجھے تم سے محبت۔ تم صحیح پہنچ گئی ہو۔ اب جب ہمیں حقیقت بتا چلی ہو گئی ہے تو

میں بھی اعتراض کر لیتی ہوں۔ ہاں تمہاری ذات سے میرے مفادات وابستہ ہیں۔ تمہارے پاس جو ہیرے

جو ہیرات ہیں نا ان پر نظر سے میری۔ اور تمہاری دولت ہتھیا نا چاہتی ہوں میں۔ خوش۔"

وہ بظاہر ہمدرد سے گلے میں کہہ رہی تھی لیکن آنکھوں میں شرارت تھی۔ لاریب نے ناپسندیدگی سے اس کی

جانب دیکھا۔ گلے کو ہنسی آ گئی۔

"اچھا! تو کیا کہہ کر اسے اس کا جواب دے جاؤ گی۔"



کرو۔ اور میں اپنے سب راز تمہیں بتاؤں گی۔ تمہارا دل چاہے تو تم مجھ سے ٹوٹ جھگڑ بھی سکتی ہو۔ اور مجھ سے  
 چاہے گا تو میں بھی تم پر غصہ کر لیا کروں گی۔ مگر ہم ایک دوسرے پر جھگڑنے کریں گے اور ہم ایک دوسرے سے  
 نہیں چھپائیں گے۔ اور چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ایک دوسرے سے  
 اس کے وجود پر گاڑے بے حد نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ لاریب چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی پھر  
 چہرے کے متنے ہوئے تاثرات استہزا آمیز سکرامٹ میں ڈھلنے لگے۔  
 "سب کریں گی کیوں آپ۔ کیونکہ آپ مجھ سے بیٹھے بیٹھے محبت ہو گئی ہے۔" وہ طنز پر انداز  
 بولی تھی۔ گلے نے فوراً نئی میں سر ہلایا۔  
 "تم سے نہیں۔ مجھے خود سے بیٹھے بیٹھے محبت ہو گئی ہے۔ وہ یہ کام میں نے ساری زندگی تک کرنا  
 اب کر رہی ہوں تو اچھا لگ رہا ہے۔ اچھا کام ہے یہ۔ اپنی ذات سے بھی محبت کرنا۔ یہ بہت اچھا ہے۔  
 لاریب۔" وہ ایسے بات کر رہی تھی جیسے بہت مزا آرہا ہو۔ لاریب کو یک دم وہ اپنی ہم عمر گئی تھی۔ ایک  
 ٹین ایئر لڑکی جو تھوڑی بے وقوف، تھوڑی بھگوان اور تھوڑی حساس ہوتی ہے۔ جو غلطیوں کرتے رہنے کے کوئی  
 مارل لگتی ہے۔ گلے مسکراتے ہوئے اسے جیسے بہت سمجھ لائی کی باتیں بتا رہی تھی۔  
 "ایسا لگتا ہے آپ بہت اہم ہو گئے ہیں۔ آپ کو خود اپنے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ اور جب آپ کو  
 ضرورت پڑتی ہے تو آپ خود کو مضبوط بنانے لگتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی خود کو مضبوط بناؤ۔ کیونکہ  
 کام آئے گا۔ اور جہاں میری ضرورت ہوگی وہاں تم مجھے ہمیشہ اپنی پشت پر پاؤ گے۔"  
 وہ اتنی محبت اور اتنے مان سے بات کر رہی تھی کہ لاریب کو اپنی سخت مزاجی چھٹی ہوئی محسوس ہونے لگی۔  
 "میں تمہارے کام آؤں گی ہمیشہ۔ حالانکہ مجھے شک ہے اس بات پر کہ میں یہ ٹھیک ہے کہ پانچواں  
 نہیں۔ کبھی ہی عورت ہوں میں۔ زیادہ تجربہ کار نہیں ہوں۔ اور ابھی ادھیڑ عمری میں پیدا ہوئی ہوں۔ لیکن  
 نے سوچ لیا ہے۔ میں اتنا تو کر سکتی ہوں کہ کبھی تمہیں تنہا نہ چھوڑوں۔ وہ لاریب نے اُدھر بوجھ لے کر تھک کر  
 وجود میں کوئی ایسا ضرور نظر آئے کہ تم اسے اپنے سیاہ و سفید میں جب چاہو جو ع کو سکو۔"  
 وہ بڑی اور پھر لاریب کو ہاتھ کے اشارے سے کچھ کہنے سے روکا۔  
 "میں اتنا ہی کر سکتی ہوں لاریب کہ میری جیسے ہمیشہ تمہیں یہ ڈھارس ملتی رہے کہ تم کیا نہیں  
 میری جانب سے یہ حوصلہ ملتا رہے کہ جب تم میری باتیں کرنا چاہو تو میں تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں تمہارے  
 ہونے میں مدد کر سکتی ہوں کہ ایک دن تمہیں لگنے لگے کہ اب تمہیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔  
 خود کی کا سہارا بن سکتی ہو۔  
 اور یہ تم تب ہی کر سکتی ہو جب تم خود ایسا کرنا چاہو۔ وہ سب باتیں جو تمہیں تحفہ دیتی ہیں ان کے  
 سوچنا چھوڑ دو۔ سوچنا ہی ہے تو اپنی ذات کے متعلق سوچنا۔ اپنی تعلیم مکمل کرو۔ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا سیکھو۔  
 پھر ایک دن اتنی قابل ہو جاؤ کہ تمہیں تنہا جانے کی پروا ہی نہ رہے۔"  
 وہ کہہ رہی تھی اور لاریب سن رہی تھی۔ یہ باتیں تھا کہ لاریب نے یہ باتیں پہلے نہیں سنی تھیں۔ اس نے  
 تھرا لی سیٹھن ہوتے رہے تھے لیکن اسے کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ گلے کہہ  
 تھی۔ اسے گلے کی باتیں سننا اچھا لگتا تھا۔ اس کا حوصلہ بڑھ رہا تھا۔  
 "لیکن ان سب سے پہلے اس بستر کی جان چھوڑ دو۔ اس کمرے سے نکلو۔ میرے ساتھ بیٹھ کر بیٹھ کر۔  
 پھر سوچو کہ تمہیں آئندہ اپنے ساتھ کیا کرنا ہے۔ میں چن میں تمہارا انتخاب کر رہی ہوں۔ جلدی آ جاؤ۔  
 جیسے چننا ناراض ہو گیا۔

وہ بات کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ لاریب نے سر ہلایا تھا۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی کسل مندی  
 وہ بات کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ لاریب نے سر ہلایا تھا۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی کسل مندی  
 اور بے زاری بھی محسوس ہونے لگی۔ اس نے کوئی تیار بھی اور فی الوقت یہی کافی تھا۔  
 ۲۰۲۰

"مجھے حبیب اللہ خان سے ملنا ہے؟"  
 ایک عورت کے انداز میں ایک تذبذب تھا۔ وراثت آفس میں کرسی پر بیٹھا موہاں ہاتھ میں اپنے سر  
 وقت گزار رہی تھی۔ حبیب اللہ خان، خوش الحان کے ہمراہ جب پرانکا ہوا تھا، اس نے وراثت اس بات سے  
 بیٹا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ خان کی غیر موجودگی میں وہ ذرا آرام پسند ہو جایا کرتا تھا اس لیے اسے ہاتھیں ملنے کا  
 تھا کہ بڑے گیت سے کوئی آفس تک آ گیا ہے۔  
 خان کی استدعا سن کر وہ چونک کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ آج تک اس طرف کوئی عورت کبھی خان کا ہاتھ پٹنے  
 نہیں آئی تھی۔ خواتین کا آنا جانا دوسرے گیت سے ہوتا تھا۔ وراثت یہ سب سے پہلی عورت کا چاند لیا۔ وہ  
 عورت کمرے میں گئی۔ اس کا چہرہ ہی نہیں کلاسیاں بھی پچھلی ہوئی تھیں۔ وہ مزید مشکوک ہوا تھا۔ خان کے  
 لین دین کے معاملے میں آج کل ویسے ہی سخت قسم کی دشمنیاں چل رہی تھیں۔ گزشتہ دنوں بھی کتوں کی وجہ سے وہ  
 ایک جھگڑا کر کے آیا تھا اور اب یہاں ایک عورت تشریف لے آئی تھی۔ وہ ذرا سا قریب ہوا تھا۔ خاتون نے ہند  
 قدم چھپے کی جانب بھرے جیسے اقدام اسے ناگوار گزارا ہو۔  
 "حبیب اللہ خان کی حویلی ہے نا۔ کیا میں مل سکتی ہوں ان سے؟"  
 خاتون کا لہجہ اس کی شخصیت کی نسبت اگرچہ پراعتاد تھا اور تلفظ ظاہر کرتا تھا کہ وہ علاقائی نہیں ہے جس سے  
 وراثت غریب مشکوک ہوا تھا۔  
 "ہاں۔ خان کی حویلی ہے یہ۔ کیا کام ہے؟ جسے بتاؤ۔ میں یہاں سب کچھ سمجھتا ہوں۔" اس نے پشتوں  
 جواب دیتے ہوئے سوال کیا تھا۔ خاتون نے نفی میں سر ہلایا اور جب بولی تو لہجے میں تذبذب بھی تھا۔  
 "مجھے ان سے ہی ملنا تھا۔ ایک ضروری کام ہے ان سے۔ اگر مشکل نہیں ہے تو انہیں ہی بلا دیں۔"  
 وراثت نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر عقب میں پڑی کرسیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اپنی  
 بار بار دہرائی۔  
 "میں دیکھتا ہوں۔ خان شاید اس وقت موجود نہیں ہیں۔ آپ دو گھنٹے یہاں انتظار کریں۔" حویلی میں  
 اس طرح خراسانی کا آنا جانا نہیں تھا۔ وہ کافی حیران ہوا تھا اور فطری طور پر اسے جیس بھی ہوا۔ خاتون خاموشی  
 سے چلتی ہوئی اندر پڑی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔  
 وراثت جانتا تھا کہ حبیب اللہ خان حویلی میں موجود نہیں ہے لیکن پھر بھی خاتون کے سامنے یہ ظاہر کرنے کو  
 کہ وہ اس کے معاملے میں تنہا ہی جا رہا ہے وہ اندر کی جانب چل دیا اور پھر بلا وجہ پورے لان کا پھر اگلا  
 گیت کی طرف سے ہوتا ہوا واپس آفس تک آیا تھا۔ اسے کوئی مشکوک گاڑی وغیرہ نظر نہیں آئی تھی۔  
 "کیا آپ کوئی رشتہ دار ہو؟" وہ اردو میں ہی گفتگو کر رہا تھا۔ خاتون نے نفی میں سر ہلایا۔ وراثت اب کی  
 بار بار دہرائی۔  
 "دیکھو بی بی! خان اس وقت موجود نہیں ہے۔ تم جاؤ یہاں سے۔"  
 وہ چاہتا تھا کہ بلا جلد از جلد اس کے مل جائے۔ خان اس بات پر ناراض ہو سکتا تھا کہ ایک خاتون اس طرح  
 حویلی اور پھر آفس کے اندر تک کیے آگئی۔ اس بات کے لیے وہ یقیناً وراثت کو غیر ذمہ دار اور لاپرواہ سمجھتا۔ وہ  
 پہلی ہی موہاں ہاتھ میں لے کر آیا تھا۔

کرو۔ اور میں اپنے سب راز تمہیں بتاؤں گی۔ تمہارا دل چاہے تو تم مجھ سے ٹوٹ جھگڑ بھی سکتی ہو۔ اور مجھ سے  
 چاہے گا تو میں بھی تم پر غصہ کر لیا کروں گی۔ مگر ہم ایک دوسرے پر جھگڑنے کریں گے اور ہم ایک دوسرے سے  
 نہیں چھپائیں گے۔ اور چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ایک دوسرے سے  
 اس کے وجود پر گاڑے بے حد نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ لاریب چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی پھر  
 چہرے کے متنے ہوئے تاثرات استہزا آمیز سکرامٹ میں ڈھلنے لگے۔  
 "سب کریں گی کیوں آپ۔ کیونکہ آپ مجھ سے بیٹھے بیٹھے محبت ہو گئی ہے۔" وہ طنز پر انداز  
 بولی تھی۔ گلے نے فوراً نئی میں سر ہلایا۔  
 "تم سے نہیں۔ مجھے خود سے بیٹھے بیٹھے محبت ہو گئی ہے۔ وہ یہ کام میں نے ساری زندگی تک کرنا  
 اب کر رہی ہوں تو اچھا لگ رہا ہے۔ اچھا کام ہے یہ۔ اپنی ذات سے بھی محبت کرنا۔ یہ بہت اچھا ہے۔  
 لاریب۔" وہ ایسے بات کر رہی تھی جیسے بہت مزا آرہا ہو۔ لاریب کو یک دم وہ اپنی ہم عمر گئی تھی۔ ایک  
 ٹین ایئر لڑکی جو تھوڑی بے وقوف، تھوڑی بھگوان اور تھوڑی حساس ہوتی ہے۔ جو غلطیوں کرتے رہنے کے کوئی  
 مارل لگتی ہے۔ گلے مسکراتے ہوئے اسے جیسے بہت سمجھ لائی کی باتیں بتا رہی تھی۔  
 "ایسا لگتا ہے آپ بہت اہم ہو گئے ہیں۔ آپ کو خود اپنے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ اور جب آپ کو  
 ضرورت پڑتی ہے تو آپ خود کو مضبوط بنانے لگتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی خود کو مضبوط بناؤ۔ کیونکہ  
 کام آئے گا۔ اور جہاں میری ضرورت ہوگی وہاں تم مجھے ہمیشہ اپنی پشت پر پاؤ گے۔"  
 وہ اتنی محبت اور اتنے مان سے بات کر رہی تھی کہ لاریب کو اپنی سخت مزاجی چھٹی ہوئی محسوس ہونے لگی۔  
 "میں تمہارے کام آؤں گی ہمیشہ۔ حالانکہ مجھے شک ہے اس بات پر کہ میں یہ ٹھیک ہے کہ پانچواں  
 نہیں۔ کبھی ہی عورت ہوں میں۔ زیادہ تجربہ کار نہیں ہوں۔ اور ابھی ادھیڑ عمری میں پیدا ہوئی ہوں۔ لیکن  
 نے سوچ لیا ہے۔ میں اتنا تو کر سکتی ہوں کہ کبھی تمہیں تنہا نہ چھوڑوں۔ وہ لاریب نے اُدھر بوجھ لے کر تھک کر  
 وجود میں کوئی ایسا ضرور نظر آئے کہ تم اسے اپنے سیاہ و سفید میں جب چاہو جو ع کو سکو۔"  
 وہ بڑی اور پھر لاریب کو ہاتھ کے اشارے سے کچھ کہنے سے روکا۔  
 "میں اتنا ہی کر سکتی ہوں لاریب کہ میری جیسے ہمیشہ تمہیں یہ ڈھارس ملتی رہے کہ تم کیا نہیں  
 میری جانب سے یہ حوصلہ ملتا رہے کہ جب تم میری باتیں کرنا چاہو تو میں تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں تمہارے  
 ہونے میں مدد کر سکتی ہوں کہ ایک دن تمہیں لگنے لگے کہ اب تمہیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔  
 خود کی کا سہارا بن سکتی ہو۔  
 اور یہ تم تب ہی کر سکتی ہو جب تم خود ایسا کرنا چاہو۔ وہ سب باتیں جو تمہیں تحفہ دیتی ہیں ان کے  
 سوچنا چھوڑ دو۔ سوچنا ہی ہے تو اپنی ذات کے متعلق سوچنا۔ اپنی تعلیم مکمل کرو۔ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا سیکھو۔  
 پھر ایک دن اتنی قابل ہو جاؤ کہ تمہیں تنہا جانے کی پروا ہی نہ رہے۔"  
 وہ کہہ رہی تھی اور لاریب سن رہی تھی۔ یہ باتیں تھا کہ لاریب نے یہ باتیں پہلے نہیں سنی تھیں۔ اس نے  
 تھرا لی سیٹھن ہوتے رہے تھے لیکن اسے کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ گلے کہہ  
 تھی۔ اسے گلے کی باتیں سننا اچھا لگتا تھا۔ اس کا حوصلہ بڑھ رہا تھا۔  
 "لیکن ان سب سے پہلے اس بستر کی جان چھوڑ دو۔ اس کمرے سے نکلو۔ میرے ساتھ بیٹھ کر بیٹھ کر۔  
 پھر سوچو کہ تمہیں آئندہ اپنے ساتھ کیا کرنا ہے۔ میں چن میں تمہارا انتخاب کر رہی ہوں۔ جلدی آ جاؤ۔  
 جیسے چننا ناراض ہو گیا۔



"مجھے ان سے کام ہے۔ اور میرا ان سے ملنا ہے۔ وہ کب تک آجائیں گے؟" وہ بچہ بچہ لہجے میں پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وراثت کی حیرانی ہرگز نہ تہ لہجے کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔  
 "وہ مالک ہیں بی بی۔ اور مالک کب ملازموں کو آنے جانے کی خبر دیتے ہیں۔ زیادہ ضروری کام ہے مجھے بتادو۔ میں خان کو بتادوں گا۔ میں خان کے بھروسے کا آدمی ہوں۔ تم آرام سے بیٹھو۔ مجھ سے بات کرو۔" وہ اس وقت کافی چوکنا تھا اور اس کی نگاہ اس عورت کے وجود کے ساتھ ساتھ ارد گرد کی صورت حال پر بھی تھی۔

"مجھے خان سے ہی بات کرنی تھی۔ کیا میں کچھ دیر یہاں بیٹھ کر خان کا انتظار کر سکتی ہوں؟" وہ پوچھنے لگی۔ حیران کن حد تک اس کا لہجہ ابھی بھی پُر اعتماد ہی تھا۔  
 "پاکل ہوگئی ہو۔ تمہیں یہاں میرے علاوہ کوئی اور نظر آ رہا ہے۔ ہمارے مہمان آتے جاتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کو غلط بھی ہوگئی تو میں کیا جواب دوں گا۔ ابھی چلی جاؤ تم۔ بعد میں آئی رہنا۔" وہ دھڑکی سے بولا۔  
 وہ چاہتا تھا کہ یہ عورت ایک بار حویلی کی حدود سے نکل جائے۔ گیٹ کے باہر جا کر اس سے نینا آمان ہو جاتا۔ یہاں سیاحوں کا آنا جانا تھا۔ خان نے سختی سے تاکید کر رکھی تھی کہ کوئی بھی ایسی بات نہ ہو جس سے حویلی کے متعلق کوئی غلط فہم پریشانی باہر جائے۔ یہ ان کے کاروبار کا معاملہ تھا اس لیے وراثت اسے جلد از جلد ہال سے رخصت کر دیتا چاہتا تھا۔

وہ عورت چند لمحوں میں گھری اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے گہری سانس بھری تھی۔  
 "اچھا آپ ایک کام کر سکتے ہیں میرا۔ مجھے حبیب اللہ خان کا فون نمبر دے سکتے ہیں۔ میں ان سے فون پر بات کر لوں گی؟" وراثت نے فوراً اثبات میں سر ہلایا اور آفس کے کونے میں موجود میز پر پڑے اسٹینڈے ایک کارڈ اٹھا کر اسے تمھارے پاس دیا۔ اس پر آفس کا فون نمبر درج تھا۔ وہ عورت کارڈ ہاتھ میں لیے چند لمحوں کی جانب دیکھتی رہی پھر اس نے گہری سانس بھر کر شکریہ ادا کیا تھا۔ وراثت تب تک اس کی جانب دیکھتا رہا جب تک وہ آفس کے داخلی دروازے تک نہ نکل گئی۔ گیٹ پر لگا سی سی ٹی وی کیمرہ بھی خراب ہوا تھا جس کی وجہ سے الگ پریشان تھا۔ اس کی شامت کے دن آئے ہوئے تھے۔ خان نے چند دن پہلے اسے تاکید بھی کی تھی کہ کیمرے وغیرہ چیک کرنا رہا کرے مگر اسے وقت نہیں مل پارہا تھا۔ وہ عورت سست روی سے دروازے سے نکلی اور پھر رُک گئی۔ وراثت کے کندھے جو ذرا مطمئن حالت میں آئے ہی تھے یکدم پھر المٹ ہوئے۔ وہ عورت پلٹ کر واپس آئی تھی۔

"آپ میرا ایک اور کام کر سکتے ہیں۔ یہ ایک موبائل نمبر ہے۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں۔ یہ کس کے استعمال میں ہے۔ کس کا موبائل نمبر ہے یہ؟"  
 اس عورت نے اپنے پرس کی جیب سے ایک چٹ نکال کر اس کی نگاہوں کے سامنے کی تھی۔ وراثت نے چٹ کی جانب نگاہ کی اور اس کے کندھے مزید تن گئے۔ یہ اس کا اپنا نمبر تھا۔  
 "کون ہو تم اور کیا جانتی ہو۔ کہاں سے لیا ہے یہ نمبر۔ اور اس نمبر کو کاغذ پر لے کر کیوں گھوم رہی ہو۔ کدھر سے آئی ہو؟" وہ اب اسے ٹھوررہا تھا۔ عورت نے گہری سانس بھری۔  
 "آپ پریشان مت ہوں۔ آپ میرے بھائی جیسے ہیں۔ مدد کریں میری۔ مجھے اس نمبر والے کی تلاش ہے۔ میں درس گاہ نور القلوب سے آئی ہوں۔ ایک مسئلہ ہے۔ اسی لیے خان سے ملنا چاہتی ہوں۔" وہ عورت اسے تسلی دے رہی تھی جیسے بھانپ گئی ہو کہ وہ اس کی جانب سے اگر شکوک پال رہا ہے۔  
 "دیکھو میری بہن۔ اب تم نے بھائی کو دے دیا ہے تو سوچو۔ اس کی مدد کریں۔ پھر ساری باتیں ہو۔ درجہ گاہ

نمبر۔ اس سے کیا کرنا جانتی ہو؟"  
 کہا معاملہ اور یہ نمبر۔ اس کا ذاتی تھا اور موبائل فون کی وجہ سے پہلے ہی وہ ایک پیشی ٹھٹھک چکا تھا اس لیے اس کا چہرنا وہ بڑھ چکا تھا۔ اس عورت نے سر ہلایا۔

وہ بلا نہ تھا۔ اس عورت نے سر ہلایا۔ "وہ پوچھنے لگی۔ وراثت حالانکہ چند منٹ پہلے اسے اس بات سے کہنا ہم بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔؟" وہ پوچھنے لگی۔ وراثت حالانکہ چند منٹ پہلے اسے اس بات سے کہنا کہ خان کا نمبر اب اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔  
 انکار کرنا تھا لیکن اب اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔  
 وہ کرسی پر بیٹھ کر ساری بات غلط بھرے انداز میں بتانے لگی جس کا ٹائپ لکھا ہوا تھا کہ درس گاہ کی ایک لڑکی اس پر شکریہ ادا کر رہی تھی اور اب صندل بی کے عتاب کا نشانہ بن رہی تھی۔ اس لڑکی پر "نمبر" والے کی وجہ سے مصیبت میں پڑ چکی تھی اور اب صندل بی کے عتاب کا نشانہ بن رہی تھی۔ اس لڑکی پر "نمبر" والے کی وجہ سے مصیبت میں تھی۔  
 اس "نمبر" والے کی وجہ سے مصیبت میں تھی۔  
 ٹھیکہ کیا گیا تھا اور ان خاتون کے مطابق وہ کافی مصیبت میں تھی۔  
 ساری بات سن لینے کے بعد وراثت کی سمجھ میں نہ آیا کہ فوراً کیا کہے۔ ساری صورت حال تو واضح تھی۔ غلط فہمی ساری بات سن لینے کے بعد وراثت کی سمجھ میں نہ آیا کہ فوراً کیا کہے۔ ساری صورت حال تو واضح تھی۔ غلط فہمی کا معاملہ تھا۔ وہ لڑکی اس سے ہی میسجز پر بات کرتی رہی تھی۔ وہ سمجھتا تھا حویلی والوں کی مہمان اسے بھیج کر ملی ہے۔ جبکہ یہ لڑکی درس گاہ کی نکل آئی تھی۔ یہ تو سادہ سا معاملہ تھا اور یا آسانی سمجھا جا سکتا تھا لیکن صندل بی جس طرح برا فرقہ خیز ہیں اور انہوں نے لڑکی کو جان سے مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اس بات نے وراثت کو ڈر دیا تھا۔

لڑکی کے گھر والے بھی ملوث کیے جا رہے تھے۔ اس کے سامنے جو خاتون بیٹھی تھی وہ بھی یہی سمجھ رہی تھی کہ حویلی سے کوئی لڑکا اس لڑکی کو تازہ رہا ہے اور اب وقت پڑنے پر اسے ہی آگے آ کر مدد کرنی چاہیے۔ معاملہ یہاں سے ایک نمبر رخ اختیار کر رہا تھا۔ یہی معاملہ اگر ان کے اپنے علاقے کا ہوتا تو ایک آدھل ہو چکا ہوتا یا بڑھ چکا ہوتا۔

وراثت نے کہا کہ اس عورت کو فوراً وہاں سے چلا کر دے۔  
 "بی بی! میں تمھارا شہرہ دوں گا تمہیں۔ اس بات کو یہیں ختم کر دو۔ حویلی والے اور درس گاہ والے ایک ہی خانہ دار ہیں۔ وہ بھی اس قصے کو ویسے نہیں سمجھیں گے جیسے تم سمجھ رہی ہو۔ ہو سکتا ہے ان کے لڑکے نے کر دیا ہو کہ کوئی بیچ بیچا جو ان لڑکا ہے۔ ہو جاتی ہیں ایسی باتیں۔ لیکن ان کو سر پر سوار نہیں کرنا چاہیے۔ صندل بی بہت نیک خاتون ہیں۔ ان کی نیت پر شک مت کرو۔ ایک دو پھپر لڑکی کو لگنے ہی چاہیے تھے ورنہ اسے نصیحت کیے ہوتے۔ وہ اس کی خبر خواہ ہیں تب ہی مار پیٹ کی ہے اسے۔ مائیں بھی تو مار لیتی ہیں ایسی باتوں پر اپنی بیٹیوں کو۔ لڑکے کی بات نہیں ہے۔ لڑکی بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ تم صندل بی کی نیت پر شک مت کرو۔ دین دار لوگوں کے بارے میں اللہ عظیم ہا بول کر کیوں اپنے نامہ اعمال کو خراب کرتی ہو۔ خان بھی اس معاملے کو ایسے ہی نبھائے گا جیسے میں نبھا رہا ہوں۔ اس لیے میرا بھائیوں والا مشورہ ہے کہ واپس درس گاہ چلی جاؤ اور صندل بی کو اپنی سمجھ کے مطابق حل کرنے دو یہ مسئلہ۔ نیک لوگوں کی حکمت عملی ہم عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ ہمارے بھائی سے زیادہ سمجھ دار ہیں وہ۔ سنبھال لیں گی سب۔"

وراثت بہت مدبر بن کر اسے سمجھانے لگا تھا۔ وہ خاتون چند لمحوں کے بعد نہیں بولی پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"آپ ٹھیک ہیں۔ لیکن یہ نمبر کس کا ہے۔ یہ بتا سکتے ہیں آپ مجھے۔؟"  
 اس کے چہرے کے عتاب کی وجہ سے وراثت سمجھ نہیں پارہا تھا کہ آخر وہ اس کی نصیحت کو بھیجے یا نہیں مگر فی الوقت اسے اپنی ساکھ خطرے میں لگ رہی تھی۔ اس نے خاتون کے ہاتھ میں پکڑی چٹ کو دیکھا اور پھر گہری سانس بھر کر کہنے لگا کہ "اس کی مدد کریں۔ پھر ساری باتیں ہو۔ درجہ گاہ



میں پڑھتا ہے۔"

☆☆☆

"میں ڈرائیو کروں؟" خوش الحان نے ان کی جانب دیکھے بنا سوال کیا تھا۔ وہ جانتا تھا ان سے ڈرائیو نہیں ہو سکے گی۔ ان کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ بھانپ چکا تھا لیکن اجازت لینا اس کی عادت تھی، سو اس نے لی تھی۔ حبیب اللہ خان اس قدر خالی الذہن ہو رہے تھے کہ انہیں اس کا یہ دو لفظی جملہ سمجھنے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا۔ یہ زندگی کیسے کئے گی۔"

انہیں لگا تھا انہیں یہ سب سوچنا چاہیے لیکن ان سے یہ بھی نہیں ہو چکا تھا۔ ان کا دماغ جیسے ایک سادہ بوسیدہ ورق میں بدل گیا تھا جس پر کوئی تحریر نہیں لکھی تھی اور لکھی جا بھی نہیں سکتی تھی۔ خوش الحان نے مزید کہہ کر بتا انہیں پنجر سیٹ پر بیٹھنے میں مدد کی اور خود ڈرائیو تک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد ان کی گاڑی درس گاہ کے احاطے سے باہر گئی اور درس گاہ ان کی زندگی سے۔

ایک ٹک اس سفید عمارت کی جانب دیکھتے ہوئے جیسے وہ ہوش میں آئے تھے۔ انہوں نے خوش الحان کی جانب دیکھا۔ وہ سعادت مندی سے بیٹھا ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن صندل بی کے سامنے وہ کچھ بھی کہہ کر آیا تھا اس سب سے اس کا واقف ہونا ان بات کا اشارہ تھا کہ وہ کافی کچھ جانتا تھا۔ لیکن اس نے بھی ان سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں سیٹ کی پشت سے سر نکالیا تھا اور آنکھیں موند لی تھیں۔ ابھی وہ کچھ بولنے سمجھنے کے قابل نہیں تھے۔ ان کے سر میں ہی نہیں بائیں پہلو میں بھی درد ہونے لگا تھا۔ وہ ابھی خاموش رہنا چاہتے تھے۔

خوش الحان انہیں مخاطب کرتا چاہتا تھا لیکن ان کو اس درجہ غلط حال دیکھ کر وہ بھی چپ رہا تھا حالانکہ اس کا جملان خون تقاضا کر رہا تھا کہ اس معاملے کو جلد از جلد نبٹا لیا جائے مگر جو صورت حال تھی اس سے وہ بھی تذبذب میں پھر گیا تھا۔ وہ صندل بی سے ملنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنائیں اسے اپنے ساتھ رکھیں لیکن وہ جن لڑکیوں اور ان کے ساتھ دیکھ کر آیا تھا ان کی حالت اور صندل بی کے جارحانہ رویے نے اسے باور کروا دیا تھا کہ وہ تو غلام سوا رہا تھا۔

لاریب اپنے باپ کے بعد اپنی ماں کے ساتھ بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ اسے احساس ہوا تھا کہ ایک ایسی لڑکی جو پہلے ہی شدید قسم کے ذہنی و دماغی مسائل کا شکار تھی اس کا صندل بی جیسی خود پسند گھمنڈی عورت کے ساتھ رہنا نہایت خطرناک ہو سکتا تھا۔

"میں تمہارے لیے کیا کروں لاریب۔ میں کربھی کیا سکتا ہوں۔ ہر روزی میں بھی انسان آخر خود کو بچاؤ نہیں دے سکتا۔" اس نے سوچا تھا۔ اس کی نظریں سامنے دور وہ تنگ سڑک پر تھیں اور ذہن کسی اور ہی جانب پرواز میں تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ غیب سے ایک گاڑی اور ٹیک کرنی آگے بڑھی تھی۔ وہ لڑکھڑاہٹا تھا اس نے بارن نہیں دیا تھا۔

وہ گاڑی جو خاصی اسپید کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ وہ خوش الحان کی جیب کے سامنے تھی۔ اس میں بیٹھے تھے اپنی اسپید خواہنا آہستہ کر دی تھی۔ اب کی بار خوش الحان کا ذہن موجودہ صورت حال کو سمجھنے کے قابل ہوا تھا۔ وہ گاڑی اب آہستہ آہستہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور ڈرائیو سیکٹر بھی دے رہا تھا۔ خوش الحان نے یکدم اسپید آہستہ کی اور اسے سائڈ روکنا پانا۔

"کیا ہوا۔ شہر روکو۔ یہاں کیوں رکو۔ مت رکو۔" وہ اونچی آواز میں بولے تھے۔ خوش الحان نے خبر لی سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ اشارے سے اسے گاڑی آگے بڑھانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ دوسری گاڑی والے ڈرائیور نے اسے پھر کچھ اشارہ کیا۔ خوش الحان نے گردن موڑی تھی۔ اسی دوران پیچھے آگے والی گاڑی نے اپنی گاڑی ان کی گاڑی میں دے ماری تھی۔ پلک جھپکتے گاڑی لڑکھڑائی تھی۔ ساتھ والی گاڑی نے بھی یہ حرکت کی تھی۔ اس سے پہلے کہ خوش الحان سنبھل پاتا پیچھے والی گاڑی نے پہلے سے زیادہ شدت سے اپنی گاڑی اس سے ٹکرائی تھی۔

خوش الحان کی خاک سمجھ میں نہ آتا تھا لیکن حبیب اللہ خان سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے فوراً سے پیچھے خوش الحان کو ڈھال دینا چاہی تھی۔ وہ یہی کر سکتے تھے لیکن تب تک کافی دیر ہو چکی تھی۔ ان کی گاڑی اس ہی طرح لڑکھڑائی تھی خوش الحان بوکھلا سا گیا تھا۔ اس نے اسٹیرنگ ہی چھوڑ دیا تھا۔ گاڑی سڑک پر دوبارہ زور سے کھوی تھی اور پھر سڑک سے نیچے گئے میں اترتی چلی گئی تھی۔

آٹا فانا ہونے والا یہ عمل ان کے حواس اڑا دینے کو کافی تھا۔ گاڑی کسی بڑے پتھر سے رگڑ کھا کر رزکی تھی۔ حبیب اللہ خان نے ٹھونٹے سر کو بمشکل ہاتھوں سے تھامتے ہوئے خوش الحان کی جانب دیکھا تھا۔ ان کی ٹانگیں چند لمحوں بعد صرف خون ہی دیکھ پائی تھیں جو اس کے وجود سے بے رہا تھا۔

☆☆☆

"یا اللہ! یہ سب کیا ہو گیا۔ کیا ہو گیا یہ سب۔" وہ کب سے آپریشن تھیٹر کے باہر بیٹھے تھے اور ابھی تک کسی ڈاکٹر نے آکر کوئی تسلی بخش بات نہ بتائی تھی۔ کوئی انہیں یہ نہیں بتا رہا تھا کہ ان کا بیٹا کس حال میں ہے۔

جہ گھٹنے ہو چکے تھے۔ پولیس بھی آکر جا چکی تھی لیکن حالات کس درجہ جارحانہ تھے کچھ بتا نہیں چل رہا تھا۔ انہیں عمومی نوعیت کی چوٹیں لگی تھیں جن کی سر ہم پٹی مقامی اسپتال میں کروا کر وہ خوش الحان کے بے دم روم کو امبولنس میں لے کر اسلام آباد آئے تھے اور اس سفر کا ایک ایک منٹ ان پر بھاری رہا تھا۔ اپنی اولاد کو خون میں لٹ پت دیکھنا کسی آدمی کی ہمت سے یہ نہیں اب محسوس ہو رہا تھا۔

ڈاکٹر کی جانب سے ایک تسلی کا لفظ سننے کی خاطر وہ اب تک لابی کے کئی چکر لگا چکے تھے اور ان کا ہر قدم جیسے جلنے لگے ہوئے کوئلوں سے ہو کر آپریشن تھیٹر تک پہنچتا تھا مگر وہاں انہیں کچھ بھی سننے کو نہیں مل رہا تھا۔

انہیں لگا تھا وہ اتنے پتھر ہو چکے ہیں کہ وہ کبھی نہیں رو سکتے۔ حالت بھی انہیں اتنا نہیں ستائیں گے کہ ان کی آنکھیں پھریں اور آج وہ چپکے چپکے روز رہے تھے۔ ان کی آنکھیں عام حالات میں بھی سرخ ہی رہتی تھیں لیکن ان کی لابی بالکل مختلف تھی۔ اولاد کا دکھ ان کو توڑ رہا تھا۔

وہ اگرچہ بہت بہادر آدمی تھے لیکن جوان اولاد پر ٹوٹنے والی قیامت نے انہیں ادھ مو کر دیا تھا اور وہ ہانسنے بھی تھے کہ یہ سب کس کے ایما پر ہو رہا تھا۔ وہ جانتے تھے، یہ کس کی سازش ہے مگر وہ کچھ کر نہیں پارہے تھے۔

"آپ کی خاطر میں نے کیا کیا نہیں کیا۔ کسی کس کو اذیت نہیں دی۔ لیکن آپ نے کسی ایک چیز کا مان نہیں لیا۔ آپ مجھے بچے کے ساتھ یہ سب کیسے کر سکتی ہیں۔" ہاسپٹل کا شفاف فرش ان کی نگاہ کا مرکز تھا۔ وہ لکچر میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اگلا قدم کیا اٹھائیں۔

غلام میں جب یہ دور سگاہ نئی نئی قائم ہوئی تھی تو انہوں نے خود سارے علاقے میں صندل بی کی شہرت کے



☆☆☆

فخریہ خان کے لیے دعا کر رہی تھی۔  
گلے انتہائی بڑھ چلا تھا۔ اس کا دل کسی انہونی کے خیال سے لرز رہا تھا۔ حبیب اللہ خان نے ابھی  
بڑے دانہ گرانا بار بار بھول جاتی تھی۔ اس کا دل کسی انہونی کے خیال سے لرز رہا تھا۔ حبیب اللہ خان نے ابھی  
نیک ہاسپٹل سے تسلی بخشی کا کوئی فون نہیں کیا تھا لیکن لاریب کا نا صرف اسے ڈیڈی سے مسلسل رابطہ تھا بلکہ اس  
نے فخریہ خان کے دوستوں کو بھی فیس بنک پر رابطہ کر کے ہاسپٹل پہنچنے کی تاکید کر دی تھی۔ ارباب کے ساتھ بھی  
بات ہو چکی تھی لیکن ابھی بھی کوئی مثبت بات سننے کو نہیں ملی تھی۔ سب ہی کا پریشانی سے برا حال تھا۔ لاریب گلے  
کے ماس ہی آ رہی تھی۔

”ہم۔ ان شاء اللہ۔“ وہ کہتے ہوئے بولی تھی۔ لاریب اس کے مزید قریب ہوئی اور اس کے کندھے کو اپنے بازو کے حلقے میں لپا لیکن وہ بولی کچھ نہیں سہی۔

[illegible]

ہاں، تم ضرور دعا کرو۔ مگر بچے کے لیے دعا دینا کتنا آسان ہے۔ وہ سب بھاری ضرورتیں لے گا۔ جب وہ بھی دعا

پہاڑوں میں بسنے والوں کو ایسی باتوں سے بھلا نا پھسلانا اشنا متعلق نہیں ہوتا اور جب ان کی اپنی بارشوں کے لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں تو ایسے کام مزید آسان ہو جایا کرتے ہیں۔ درس گاہ کے قریب وجوہ کے لوگ مندرجہ ذیل کو ایک انتہائی برگزیدہ نیک ہستی کے طور پر جانتے ہی نہیں تھے بلکہ شرک کی حد تک انہیں ماننے لگی تھی۔ ایسے ہی کسی مزید سے کسی پرفارم کر دانا یا کوئی حادثہ کروانا ان کے لیے عام سی بات تھی اور انہوں نے یہی عام بات کرتے ہوئے حبیب اللہ خان سے ان کی سب سے خاص چیز پھینک لی تھی۔ اب وہ جا کر کوئی کہتا ہے کہ یہ سب مندرجہ ذیل کروا رہی ہیں تو کسی کو یقین نہیں آتا تھا۔ وہ اس حادثے کو بھی سازش ثابت نہیں کرتے تھے۔

"دعا میں چاہیں۔ آپ کی۔ دعا کریں میرا بیٹا۔"  
ایب کی بار آواز نے ساتھ چھوڑا تھا۔ حوصلہ اپنی باری پر ہمیشہ کم ہو جایا کرتا ہے۔ ابھی یہ کچھ عرصہ پہلے کی بات تھی جب اسی طرح کے ایک ہاسپٹل میں داؤد منور اپنی بیٹی کی خاطر رورہے تھے جس نے نشے میں اپنا گلاں کاٹ لی تھی۔  
"آپ کے گناہوں نے آپ کی بچی کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ آپ نے جو بویا۔ وہ آپ کی اولاد کے آگے آنا ہے۔ اللہ اللہ کروائیں کسی سے۔"

وہ ایک دم ان کے قریب ہوئے، ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔ اس چہرے سے ساری زندگی نفرت کا  
تھی انہوں نے۔ جب جب اس چہرے کو دیکھتے تھے تو خون رگوں میں سر ہو جایا کرتا تھا۔ وہ اس چہرے  
تھوکنے کی خواہش پاتے رہے تھے۔ وہ اس چہرے کو ایک گناہ گار کا چہرہ سمجھتے تھے۔  
آج اسی چہرے نے ان کو اتنا نام کر دیا تھا کہ ان کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

میرے لیے ان کو نانا دکر دیا تھا کہ ان کی انھیں مانیوں سے بھریں۔  
 "مجھے معاف کر دیں۔ مجھے معاف کر دیں۔ میرے بیٹے کے لیے دعا کر دیں۔ جانے کس کی دعا ہو گی۔"



وہ بیٹھی آنکھوں اور گلوگیر لہجے کے ساتھ مسلسل انتظار انداز میں ایسی ہی باتیں کرتی چلی جارہی تھی۔ اس نے بیسی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس دوران چلنے کے حوالوں کی سیپ بجے گی جیسی گئے نے لاریب کی جانب دیکھا۔ وہ دونوں ہی فون کی سیپ سے بھی ڈر رہی تھیں کہ کوئی بڑی خبر نہ سننے کو مل جائے۔

"کس کا فون ہے بچی۔ تم ہی دیکھو۔" لاریب نے فون اسکرین کی جانب دیکھا اور پھر دیکھتی رہی۔

"کس کا ہے؟" گئے نے پھر لڑتی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔

"میری می کا۔" گئے نے اس کی بات پر بالکل دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ ابھی اپنے ہی ڈاکھ میں جتا رہی تھی۔

"اٹھاؤ نا پھر۔ اٹھاؤ کیوں نہیں ہو۔" وہ جیسے رنج ہوئی تھی۔ لاریب نے سرد مہری سے فون اٹھا کر لاریب کی تھی اور ہٹا کچھ کہے سننے فون گئے کی جانب بڑھا دیا تھا۔

"ارے یہ تو صندل بی ہیں۔" گئے نے دوسری جانب سے سلام کی آواز سننے ہی کہا تھا پھر جیسے اس پر انکشاف ہوا۔ لاریب نے فون پر بند کر دیا۔ یہ کیوں کہا تھا کہ یہ میری می کی کال ہے۔

"لاریب کیا جتنا چاہ رہی تھی۔ کیا اپنی ماں کے بارے میں جانتی ہے؟"

گئے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ بات کرتے کرتے زک کی تھی۔ صندل بی کا ایک بھی لفظ بھول نہ آ رہا تھا۔ لاریب ہٹا کچھ کہے بستر سے اتری تھی اور باہر کی جانب چل دی تھی۔

☆☆☆

"خان صاحب۔ صورت حال انڈر کنٹرول ہے۔ خوش الحان نے رسپانڈ کرنا شروع کر دیا ہے۔ ڈاکٹر زہرے ہیں۔ اگلے بارہ گھنٹے انہیں لیکن خطرہ کافی حد تک ٹل گیا ہے۔"

ارباب نے اسپتال کے کھنڈے سے بیچ پر بند ہونے پر خوش ہوئے۔ وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئے پھر اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے فوراً پی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

وراثت جو سینے پر ہاتھ باندھے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ان کے آگے بڑھنے سے چونکا ہو کر آٹے ہوا۔ خان نے ایکٹیوٹ کے بعد سب سے پہلا فون اسے ہی کیا تھا۔ خوش الحان کے خون میں لپٹ جاتا تھا۔ اس نے ایبوسولٹس میں شفٹ کر دیا تھا۔ ایک جیتے جاگتے صحت مند انسان کو ایسی حالت میں دیکھنا کہ بے بھی خوش گوار تجربہ نہیں ہو سکتا۔ کسی دیکھنے والی ایسی حالت میں دیکھ کر انسان ایک لمحے کے لیے لرزتا ضرور ہے۔

وراثت نے اگرچہ کوئی دشمنی نہیں بھائی تھی لیکن اس نے اپنی جان بچانے کو جس طرح ایک عورت کے سامنے خوش الحان کا نام لے دیا تھا اس امر نے اسے انتہائی پشیمان کر رکھا تھا۔ وہ اس بات پر یقین کیے بیٹھا تھا کہ وہی خاتون اس حادثے کی ذمہ دار تھی مگر وہ خان کے سامنے اس بات کا ذکر کرنے سے ڈر رہا تھا۔

"کہاں ہیں ڈاکٹر۔ میں خود ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے کیوں نہیں بلوایا گئے۔"

حبیب اللہ خان ناراض ہو رہے تھے۔ کھنڈہ بھر پہلے خوش الحان کے سب دوست آگئے تھے اور انہوں نے بات نہ ہو سکی تھی۔

"آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ میری بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے۔ آپ آئیں، میں آپ کو ان کے پاس لے چلتا ہوں۔ آپ حوصلہ رکھیں۔ ابھی خوش الحان سے ملاقات کی اجازت تو نہیں ملی۔ ابھی اسے اچانک مجھداشت میں شفٹ کر دیا ہے آپ پریشان نہیں رہیں۔"

وہ چلتے چلتے بات کر رہا تھا کہ حبیب اللہ خان بھی ایک جگہ رک کر بات کرنے کے بجائے آگے کی ہٹ چلتے جا رہے تھے۔ خوش الحان کے ساتھ ساتھ وہ بھی چلتے جا رہے تھے۔

حبیب اللہ خان کو دیکھتے ہی سب آگے بڑھ آئے۔ وہ سب انہیں تسلیاں دینے لگے تھے۔ ان میں سے ہر ایک انہیں حوصلہ مند کرنے کی تاکید کر رہا تھا لیکن ان کا دل کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ وہ جب تک ایک اپنے کو نہ دیکھ لیتے انہیں حوصلہ کیسے آسکتا تھا، ان کا دل کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔

اپنے اپنے کو دیکھ کر ارباب بتا رہا تھا آپ خوش الحان کے ساتھ تھے۔ ہمیں کچھ پتا تو چلے کہ آخر یہ سب معاملہ ہوا کیسے؟ ہندہ ڈر کر تھا کیا جس نے نگر ماری آپ کی گاڑی کو؟"

توقیر نے آگے بڑھ کر انہیں مخاطب کیا تھا۔ انہوں نے خالی خالی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ ابھی کسی کو کچھ بتا سکنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ پولیس ان کا سرسری بیان لے چکی تھی۔ انہیں ایک دم احساس ہوا کہ اس پلو کو وہ مکمل نظر انداز کیے ہوئے تھے۔ پولیس ان کا سرسری بیان لے چکی تھی اور یقیناً وہ لوگ مزید تفصیلات اور پوچھ گچھ کے لیے دوبارہ آنے ہی والے تھے۔ وہ ابھی تک یہ نہیں طے کر چکے تھے کہ انہیں اس سارے واقعے کو حادثہ قرار دینا تھا یا سازش۔ انہیں ابھی تک اتنا وقت بھی مل سکا تھا کہ وہ اس کے خفیہ مبینان سے سوچ ہی لیتے۔

"آپ کی اپنی طبیعت کیسی ہے۔ آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔ آپ میرے گھر چلیں۔ وہاں کچھ دیر آرام کریں۔ یہاں کی گرمی کریں۔ یہاں ہم سب ہیں۔"

اس نے انہیں خلوص سے مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"میرا یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔ اگر پولیس آگئی تو انہوں نے بال کی کھال اتارنی ہے۔ انہوں نے ٹھیک لکھ میں کہا تھا۔ توقیر چند لمحے ان کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے ایک اور دوست کو اشارہ کیا تھا۔

"فارس یہاں آؤ۔ میری بات سنو۔ خان صاحب ابھی بہتر محسوس نہیں کر رہے۔ کیا ہم پولیس کو کچھ دیر کے لیے مال نہیں سکتے۔ وہ گھنٹے آرام کے لیے مل جائیں گے تو آسانی رہے گی۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ اگر ممکن ہو تو یہ مہربانی کر دے کوئی۔" انہوں نے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔ فارس نے فون سے انداز میں انہیں سلی دی تھی۔

"آپ گھر نہ کریں۔ ارباب۔ ہم سبھی لیں گے سب۔"

"بہت مہربانی۔ احسان ہے آپ لوگوں کا۔" ان کے حواس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہتر انداز میں کام کر رہے تھے۔

"آپ جائیں تو میں آپ کو اپنے گھر لے چلتا ہوں۔" توقیر نے پھر انہیں راضی کرنا چاہا لیکن انہوں نے ہلکتے ہوئے انکار کر دیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو ایسے چھوڑ کر نہیں جاسکتے تھے۔ وراثت بھی چپ چاپ دیوار کا سہارا لے کر اڑا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے کئی گھنٹے اسی طرح انتظار کی کیفیت میں گزر رہے تھے لیکن تا صرف خوش الحان کے دوستوں نے بلکہ ان کے مہمان نوازی نے ان کے کئی کام آسان کر دیے تھے۔ اگرچہ ان کا اپنا گھر بھی اسلام آباد میں تھا لیکن گلی سمیت وہ اور لاریب ڈاکٹر زہرے کے گھر میں ہی ٹھہرے تھے۔

دو دن بعد ڈاکٹر زہرے کی طبیعت میں پوری تبدیلی آئی تھی۔ خوش الحان کا ایک بازو فریکچر ہوا تھا لیکن اندرونی جوت نکول تھا۔ اس کے دماغ میں خون کا ٹھکڑا جم گیا تھا جس کی فوری سرجری کر دی گئی تھی اور اب سب کچھ انڈر کنٹرول تھا۔ اس کے سب اعضا سمیت تمام حواسات بھی مکمل طور پر ٹھیک ہو چکے تھے۔ ان کے چہرے کا رنگ بھی ٹھیک ہو چکا تھا۔ اس کے سب اعضا سمیت تمام حواسات بھی مکمل طور پر ٹھیک ہو چکے تھے۔ ان کے چہرے کا رنگ بھی ٹھیک ہو چکا تھا۔ اس کے سب اعضا سمیت تمام حواسات بھی مکمل طور پر ٹھیک ہو چکے تھے۔



کوئی بیان نہیں ہوا تھا

وہ جب بہتر طریقے سے بولنے کے قابل ہوا تو اس نے حبیب اللہ خان کے سامنے سب سے پہلے بات پر سخت ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ صندل بی کے خلاف باقاعدہ ایف آئی آر درج کر دیا جائے لیکن وہ آمادہ نہیں تھے۔ ان کے تذبذب اور ٹال مٹول نے خوش الحان کا دل مزید بدگن کر دیا تھا۔

☆☆☆

"ہاں بھئی ہیرو۔ اب کیا حالات ہیں۔ بھیج دیا موت کے فرشتے نے واپس۔ اسے بھی تم قبول نہیں ہو۔ میرا ہی حوصلہ ہے جو کہیں روم میٹ کے طور پر گود لے رکھا ہے۔" ارباب نے کمرے کے دروازے سے ذرا سے جھانکتے ہوئے سوال کیا تھا اور ساتھ ہی لین ترائی کی نرم خوش الحان ہاسٹل کے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ اگرچہ اب اپنے حواسوں میں تھا مگر تکلیف دے حد تک کہ گھر کی بات بھی مشکل تھا۔ بازو کی چوٹ نے الگ پریشان کر رکھا تھا لیکن دماغ نے سوچنا سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ ارباب دیکھ کر وہ خوش ہوا۔

"آ جاؤ بھئی سارے۔ جوان ہوش میں ہے۔" اس نے عقب میں کھڑی فوج کو اشارہ کیا تھا اور سب کے سب اٹکے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ "یار تم تو کسی کام کے نہیں نکلے۔ اس عمر میں سڑک پر کون مرنا چاہتا ہے۔ یہ کسی حسینہ پر مرنے والی عمر ہے میرے بھائی۔ تم سڑک پر مرنے والے تھے۔" ابو بکر جوان سب میں سب سے سنجیدہ مشہور تھا اسے دیکھ کر شرمناک بولتا تھا۔ سب نے اس کے ہنسنے کے گرد گھیر ڈال لیا تھا۔

"سچ جارہے ہو مولوی۔ خوب ترقی کر رہے ہو اس لمبی داڑھی کے ساتھ جب شریف لڑکوں کو ایسی لعین کرو گے تو خوب کاروبار چمکے گا۔"

ارباب نے ہنسنے ہوئے کہا تھا۔ ابو بکر ہنسنے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر پڑے انگریزوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ "مولوی تو لگ گیا کام سے۔ حور نہ بھی۔ انگریز ہی سہی۔" وہ شرمندہ نہ ہوا تھا۔

"پنچان قوم کو خوب شرمندہ کرواتے ہو تم دوست۔ ایسے ننھے ننھے حادثات کو تو وہ لوگ خاطر میں بھی نہیں لاتے اور تم چار دن سے ہاسٹل میں پڑے ہو۔ چلو اٹھو۔ کسی کام سے لگو۔" ارباب نے اپنے مخصوص انداز میں اپنی جانب سے اس کی خیریت ہی دریافت کی تھی۔

"اوسے چوہدری۔ یہ زندگی ہے۔ تیری بچی نہیں ہے۔ ادھر گرے ادھر سنبھلے۔ وقت لگتا ہے۔ لیکن خوش الحان تم سے واقعی یہ امید نہیں تھی۔ بندہ خدا اذرا سی نکر سے باز رہو گا۔ کچھ لگے ہو۔ کیا منہ دکھاؤ گے اس فیس سینٹر والے کو۔ جس کے پانچ پانچ کلو کے ڈمبلز اٹھا کر شوخیاں مارا کرتے تھے۔ تاک کوادی راتوں نے۔" تو قیر بھی شروع ہوا تھا۔ خوش الحان کو ہنسی آئی لیکن ہنسنے سے بھی آنکھ کے نشور پھڑپھڑانے سے تکلیف ہوا تھی۔

"اب بتاؤ ہم کیا کریں۔ کیا منہ دکھائیں یونیورسٹی والوں کو۔ مجھے تو یہ بتاتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے کہ اپنا گھر و جوان روڈ ایکسپریٹ سنٹ کی وجہ سے ہاسٹل میں ہے۔ میں نے سب کو یہی کہنا ہے کہ لڑکے کی کسی لڑکی کے ساتھ سیٹنگ کی۔ اس کے بھائیوں نے چھڑول کی ہے جس کی وجہ سے بازو بھی ٹوٹ گیا ہے اور دماغ بھی ٹھکانے پر آ گیا ہے۔ کیا۔"

فارس بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔ ان سب کے خیریت پوچھنے کا یہی طریقہ تھا۔ "اوہ تیری۔ یہ کہانی اچھی ہے۔" ابو بکر نے ہنسنے سے باز رہا۔

☆ ☆ ☆

پوری یونیورسٹی اس مسئلے پر اخبار کو تفصیل سے دیکھنا چاہے گی۔ ورنہ سادہ سی ایکسپریٹ سنٹ کی خبر کو مانیں گے۔ پوری یونیورسٹی اس مسئلے پر اخبار کو تفصیل سے دیکھنا چاہے گی۔ ورنہ سادہ سی ایکسپریٹ سنٹ کی خبر کو مانیں گے۔ پوری یونیورسٹی اس مسئلے پر اخبار کو تفصیل سے دیکھنا چاہے گی۔ ورنہ سادہ سی ایکسپریٹ سنٹ کی خبر کو مانیں گے۔

نہ نے نہ بھی نہیں لگتا۔ کیا کہتے ہو سب؟ نکالوں موبائل؟" ارباب نے ہاتھ جینز کی ہپ پکٹ پر رکھ کر موبائل نکالنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ سب ارباب کی باتیں کرنے میں مگن تھے۔ ان کا مقصد خوش الحان کا دل بہلانا تھا جس میں وہ کسی حد تک کامیاب ہو چکے تھے لیکن لڑکی کا مصروف حال دینے سے اسے وہ درس گاہ والی لڑکی یاد آ گئی تھی جس کو صندل بی نے اس کے اگے ساتھ رسوا کرنے کی کوشش کی تھی۔

ابے جبر جبری سی آئی۔ اس لڑکی کے چہرے پر جو ڈھکھڑا ہوا بے حد اہانت آمیز تھا۔ وہ اپنا چہرہ دکھانا نہیں چاہتی تھی اور صندل بی اسے چہرہ چھپانے نہیں دے رہی تھیں۔ اسے سب یاد آیا تھا۔ پوری یونیورسٹی اور صندل بی اسے چہرہ چھپانے نہیں دے رہی تھیں۔ اسے سب یاد آیا تھا۔ پوری یونیورسٹی اور صندل بی اسے چہرہ چھپانے نہیں دے رہی تھیں۔ اسے سب یاد آیا تھا۔ پوری یونیورسٹی اور صندل بی اسے چہرہ چھپانے نہیں دے رہی تھیں۔ اسے سب یاد آیا تھا۔

"اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا گزری ہوگی اور اصل معاملہ تھا کیا۔ بہت مظلوم لگتی تھی وہ۔" اس نے ہوا تھا۔ اس کے دوست اس کا دل بہلا رہے تھے لیکن اس کا ذہن یہی بتا رہا تھا۔

"جھا چلو، سب قریب قریب آ جاؤ۔ ایک سیلفی تو بنتی ہے۔ کل کلاں کو یہ مر گیا تو اس کے بچوں کو دکھا کر کہہ دیکھیں گے کہ تمہارے باپ سے بہت محبت کرتے تھے ہم۔ اس کی ذرا سی چوٹ پر پانچ پانچ سو ڈالے پھول لے کر نکلیں گے۔"

انظر نے اپنا موبائل نکال کر سب کو جمع کیا تھا۔ وہ بھی سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ انظر نے تین چار کلکس لے لیے تھے۔ "لو بھائیو! کوئی لگا ہوں ایلوڈ۔" اس نے موبائل ان کے سامنے کرتے ہوئے سب کو ایک ایک جھلک دکھائی تھی۔

"نہیں نہیں۔ زکوہ میں دوسرا نیا کی نیت باندھنا ہوں۔ تم ساتھ ہی ایلوڈ کر دینا۔ زیادہ برکت ہوگی۔" ارباب اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولتا تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتا۔ اس نے فوراً نیت باندھ لی تھی۔

"ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔ نظر نہ لگے کسی کی۔ ہو گئی ہے ایلوڈ۔" اس نے اپنے اکاؤنٹ سے اپ لوڈ کرنے کے ساتھ ہی یونیورسٹی کے فیس بک پر ایکسپریٹ سنٹ کی خبر کے ساتھ شیر کر دی تھی۔ سب ہی ہنس رہے تھے۔

"ایک منٹ میں وہ لائیکس ہو گئے ہیں۔" وہ ساتھ ساتھ اپ ڈیٹ بھی دیتا جا رہا تھا۔ خوش الحان کو ان کی موجودگی اچھی لگ رہی تھی۔

"میں نے نیشن بھی تو بہت اعلامہ کا دیا تھا۔ جوان ہینڈس م لڑکے نے سڑک کے پتھوں بیچ ایسی کیا حرکت کی کہ لڑکی دن دیہاڑے جان کے لالے پڑ گئے۔" وہ بتاتے ہوئے خود بھی قہقہہ لگا کر ہنس دیتا تھا۔

"اوسے۔ یونیورسٹی کے بیچ پر یہ بکواس نہیں لکھی تھی۔ پولیس کا خطرہ ابھی سر پر سوار ہے۔ خان صاحب نے بڑی مشکل سے انہیں یقین دلایا ہے کہ یہ حادثہ ہی تھا۔ تم انہیں مشکل میں نہ ڈال دینا۔" تو قیر نے لکھتے کی بھی مگر کسی برکونی اثر نہیں ہوا۔ خوش الحان ضرور چوٹ کا تھا کیونکہ وہ تو جانتا تھا یہ حادثہ نہیں تھا مگر ابھی وہ اس حالت میں نہیں تھا کہ کوئی سوال کرتا اس لیے چپ رہا۔

وہ سب تب تک اس کے کمرے میں رہے جب تک فیس نے آکر سب کو چلے جانے کا نہیں کہہ دیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد اسے پھر دو ایسوں کی وجہ سے غمو دگی محسوس ہونے لگی تھی اور وہ جلد ہی سو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆



ہوئے بھی بحث نہیں کر پار ہاتھا۔ وہ بولتا تھا تو اس کا لہجہ بھی غیر واضح محسوس ہوتا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ اس کا چہرہ رہا تھا۔  
 بابا! آپ نکل کیوں نہیں آتے اس ظلم کردہ سے۔" وہ جو کر بولا تھا۔ حبیب اللہ خان چوٹے کے وہ کہنا تھا۔

"کتنے سال گزر گئے آپ کو اس عشق نما عقیدت کے ہاتھوں خوار ہوتے ہوئے۔ کیوں نہیں سمجھتے آپ۔ وہ جانے کس جذبے کے تحت کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر بولتا چلا جا رہا تھا۔ حبیب اللہ خان بالکل سادہ و سادہ میں کیا ہے۔ خوش الحان بھی اتنے تلخ جیسے بول کر جیسے خود ہی تھک سا گیا۔ حبیب اللہ خان نے ایک ہی کمری سے بچھے ایسے مت دیکھیں۔ مجھے کسی نے نہیں بتایا یہ سب۔ آپ کی آنکھوں میں لکھا نظر آتا ہے۔ اتنی بچھے ہیں آپ ہمیں۔ مجھے گلے کو۔ لاریب کو۔ یابانی دنیا کو۔ ایک ہوش مند مرد کی عورت کے ہاتھوں کتنا افسوس ہوتا ہے اور کیوں۔"

اس نے کہہ تو دیا پھر اپنا ہی دل بھی دھکا۔ جس باب کے سامنے بات کرتے ہوئے الفاظ بھی گن کر رہا کرتا تھا وہ۔ ان کے سامنے اتنا اتنا پشیمان بننے کا سوچا نہیں تھا اس نے۔ مگر اس کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔ حبیب اللہ خان نے سیاٹ چہرے کے ساتھ اس کو دیکھا تھا۔  
 "ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم ٹھیک ہو جاؤ پھر ہم اطمینان سے اس موضوع پر بات کریں گے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں نا۔ سنبھال لوں گا سب۔" یہ ان کا پسندیدہ جملہ تھا لیکن خوش الحان حازم نہ ہوا۔

"نہیں۔ خدا را یہ لالی پاپ دینا بند کر دیں مجھے۔ میں جانتا ہوں، آپ کچھ نہیں کریں گے۔ اب کی بار میں آپ کے ساتھ مل کر کروں گا یہ سب۔ انہوں نے مجھ پر الزام لگایا ہے۔ مجھے آپ کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی ہے۔" وہ تھک رہا تھا۔ وہ ٹھیک طرح سے مکمل جملہ بھی ادا نہیں کر پار ہاتھا۔ حبیب اللہ خان نے اس کے ہاتھ سے ہاتھ رکھا۔

"دنیا کی کوئی طاقت میرے بیٹے کو میری نظروں میں نہیں گرا سکتی۔ مجھے تم پر اپنی ذات سے بھی زیادہ ہرجوا ہے۔ میں جانتا ہوں تم نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ یہ سب غلطی کا معاملہ ہے۔ دراصل۔ یہ سب برداشت کی حرکت ہے۔" وہ ذرا سی دیر کو چپ ہوئے پھر انہوں نے اسے سب بتا دیا تھا کہ کیسے ان کی ناگ کے بیٹے سب ہوتا رہا تھا۔

انہوں نے ساری بات بتاتے ہوئے ایک بار بھی صندوق کی کوئی چیز الزام نہیں ٹھہرایا تھا۔ اتنے دنوں ٹما ٹما کر ان کا غصہ کم ہو چکا تھا لیکن خوش الحان ساری بات سن کر بھی مطمئن نہ ہو سکا تھا۔  
 "اس کے باوجود صندوق کی کوئی چیز حاصل نہیں کہ وہ کسی کو جس بے جا میں رکھیں۔ تشدد کریں۔ یا کسی ہال طرح کے الزامات لگا دیں۔"

"تم ابھی بچے ہو میرے۔ بیٹے! ان معاملات کو نہیں سمجھتے۔ میں نے کہا نا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ پھر ہم اطمینان سے اس موضوع پر بات کریں گے۔" وہ اس موضوع پر بات کرنا ہی نہیں چاہتے تھے اسی لیے انہوں نے ٹالنا شروع کیا۔

بابا! آپ کی باری ہے۔ آپ کو ٹھیک ہونا پڑے گا۔ آپ پولیس کو ساری تفصیلات سے باخبر ہیں۔ اب آپ کی باری ہے۔ اصل صورت حال کیا تھی۔ کسی وکیل سے ملیں۔ اس کے مشورہ کریں اور اپنی مددیت ادا کریں۔ انہیں بائیس کراصل صورت حال کیا تھی۔ کسی وکیل سے ملیں۔ اس کے مشورہ کریں اور اپنی مددیت ادا کریں۔ انہوں نے بی کے خلاف مدرسے کی طالبات پر تشدد اور بدسلوکی کے مقدمات درج کر دیے تھے۔ آپ کو یہ کرنا تھا۔ بابا! آپ تو پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ کیوں نہیں سمجھتے آپ۔" وہ سخت ناراضی کے عالم میں بول رہا تھا۔

"مائی واقعی سر سے اونچا ہو چکا ہے لیکن جو تم کہہ رہے ہو، وہ بھی کوئی پریکٹیکل اپروچ نہیں ہے۔" انہوں نے مجھے بولنے اور اڑانیں مارتا ہوا پھر وہ چند لمحے خاموشی سے کچھ سوچتے رہے۔  
 "ہم یہ سب ہی ثابت نہیں کر پائیں گے۔ ہمارے پاس ثبوت ہی کیا ہے انہیں موقف کو ثابت کرنے کے لیے۔ اور صندوق کی سارے علاقے کی اس قدر چیخیں ہیں کہ کوئی جاری بات پر یقین ہی نہیں کرے گا۔ لوگ ہار کی جان کے دامن ہو جائیں گے۔"

وہ جب بولے تو جیسے سارے زمانے کی تھکن ان کے لہجے میں تھی، زندگی میں ایسا خسارہ ہو جائے گا یہ تو بھی ہر جگہ نہیں تھا انہوں نے کامیابی سے جوئے کی مانند ہوتا ہے۔ ایک کے بعد ایک داؤ اس امید پر کھیل جاتا ہے کہ شاید اب کوئی ٹکراؤ آجائے مگر آخر میں خسارہ ہی ہوتا ہے۔ حبیب اللہ خان کے لہجے کی تھکن ایسے ہی کسی خسارے کا بچھڑی ہوئی تھی۔  
 "اس کا مطلب ہے ہاتھ پر ہاتھ کر بیٹھے رہیں گے۔ کچھ کریں گے نہیں۔ آپ نے ان کی کاکشر دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چھپی اچھا بھلا سی تھی۔ اچھا چھوڑیں۔ آپ میری حالت دیکھ رہے ہیں۔ میں موت کے دروازے پر آ گیا ہوں۔ کیوں، ہم سب آپ کو نظر نہیں آتے یا۔ آخر کیوں۔ آپ کو ابھی بھی صرف "ان" کی برداشت ہے۔" وہ بولتے بولتے ہاتھ سا گیا۔ سر میں دھیک ہونے لگی تھی لیکن حبیب اللہ خان بس ایک ٹک سامنے بول کر کھڑے تھے۔ خوش الحان کو بے حد مایوسی ہوئی تھی۔



کے کہن میں نہیں آتی تھی۔ اس نے دروازے کے قریب کھینچے پر ڈیلی کو ہدایت پر کچھ رکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ شاید کھانے کے لیے کچھ نکال رہے تھے۔ وہ وہیں سے پلٹ جاتا تھا۔ لیکن اسی لمحے انہوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ وہ بھی فوراً کچھ نہیں بولے تھے۔ چند لمحے ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے بنا کوئی تاثر دینے کو نہ کرتے تھے۔

"بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ کھانے کو چاہیے؟" وہ پوچھ رہے تھے۔ لاریب کو نہیں یاد تھا کہ اپنے دوست میں اس نے کبھی باپ کے منہ سے یہ جملہ سنا تھا۔ اس نے سرعت سے ان کی سرسہ ہلایا۔

"میں نے کافی بنائی ہے۔ ایک کپ۔ تم چاہو تو ہاٹ دے سکتا ہوں کہیں۔" وہ کہہ رہے تھے۔ لاریب کی باربیری لٹی میں سر ہلاتا چاہتی تھی لیکن جانے کیسے وہ اثبات میں گردن ہلاتی۔ ان کے چہرے پر ملاعت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے انہیں مسکراتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ اس کی زندگی میں کتنی ہی ایسی چیزیں گھسی ہوئی نہیں تھیں جو ہاتی نارمل لوگوں کی زندگی میں ہوا کرتی ہیں۔ وہ دیکھنے سے چلتی ہوئی کھانے کے اندر آگئی۔ وہ کارنر میں موجود چھوٹی سی دکان کے پیش کی جانب بڑھ گئے تھے۔ ان کا کافی کالگ وہیں پر تھا۔ لاریب اضطرابی انداز میں چلتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے آتی تھی۔ انہوں نے ایک الگ الگ میں اپنے گنگ سے ہال کافی انڈیل کر اسے دی گئی۔ لاریب نے مشینی انداز میں گنگ ہلکایا تھا۔

"یہیں بیٹھ کر پی لو۔" وہ سادہ انداز میں بولے تھے۔ انتخابان کی آنکھوں میں تھی جیسے کتنے غم سے کوئی بات کرنے والا ڈھونڈتے ہوں۔ لاریب چپ چاپ ان کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ وہ بریل پر پینٹ بٹر لگا کر کھانا چا رہے تھے۔ میز پر بھی سب بڑا تھا۔

"میں سلاکس پر لگا دوں۔؟" اس نے بلاوجہ پوچھا۔ ان کے درمیان گفتگو کے لائق کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کے ڈیلی نے بھی سر ہلادیا جیسے اگر انکار کریں گے تو وہ اٹھ کر چلی جائے گی۔ لاریب نے سلاکس پر بٹری تھک کر ان کے سامنے پری پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھانے لگے۔

"تم اپنی می سے ملیں؟" انہوں نے یکدم پوچھا۔ لاریب نے ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کس قدر تاسف تھا۔ کتنی افسردگی تھی۔ انہیں کیا اس سے صرف یہ بات پوچھنی تھی۔ اتنے دنوں بعد اسے دیکھ کر ان کے دل میں کیا یہی پہلا خیال آیا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اسے اب یقین آ گیا تھا کہ اس کی داوی درست کہا کرتی تھیں۔

"تمہارے باپ کو تمہاری ماں کا سایہ ہے۔" اس کا دل لرزنے لگا۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس کی ماں کو اس سے ملنے کی ڈرا سی بھی جاہ نہیں تھی حالانکہ وہ تو باپ کا گھر چھوڑ کر بار بار جاتی ہی اس لیے تھی کہ اسے یقین تھا اگر اپنی می کے ساتھ رہے گی تو زندگی پر سکون ہو جائے گی۔ "کوشش بھی نہیں کی؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"نہیں۔" اس نے جھوٹ بولا۔ سچ تو یہ تھا خوش الحان سے نکاح سے پہلے اس نے انہیں کال کر کے ملنے کی درخواست کی تھی۔ اس نے اپنا عندیہ بنا دیا تھا کہ وہ دیڈی کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی لیکن اس کی می نے دو ٹوک انکار کر دیا تھا۔

"میں اس بڑھاپے میں یہ مصیبت اپنے سر نہیں لے سکتی۔ یہاں کے لوگ اس قدر عقیدت رکھتے ہیں کہ میرا کہنا ملنے کی جرات نہیں کرتے۔ میں کیا بتاؤں گی انہیں کہ اتنے سالوں بعد اتنی جوان اولاد کہاں سے اپورٹ کی ہے۔ تمہاری عادتیں بھی یقیناً اپنے باپ جیسی ہوں گی۔ منہ بک کی لامیم کا بھی پتا نہیں ہوگا۔ میں کس کے جگہ پردہ پوشی کروں گی۔" اس نے ایک لمحہ کے لیے اس کی آنکھوں میں آنسو کے قطرے ڈال دیے۔

بہاری حریت تمہارے باپ نے کی ہے اور اس کے کسی عمل پر بھروسہ نہیں کر سکتی میں۔ بہتر یہ تو ہیں رہو جہاں ہو۔" وہ ذرا سی بھی نرمی دکھانے کی روادار نہیں تھیں۔ لاریب نے نکاح سے پہلے خود کشی کی جو کوشش کی تھی وہ اسی دن کال کے بعد کی تھی۔

"آپ چاہتے تھے۔ میں ان سے ملوں۔؟" اس نے اچانک ہی یہ دہلیز کر ڈالا تھا۔ دادا نے انہیں اثبات میں سر ہلایا۔

"میں چاہتا تھا کہ تم ان سے ملو۔ میں چاہتا تھا کہ تمہاری زندگی میں جو خلا میں نے چھوڑا ہے وہ پُر ہو جائے۔" وہ سادہ سے انداز میں بولے حالانکہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ اس بات کا اظہار بر ملا کرتے رہے تھے کہ وہ اس کی می سے ملنے نہیں دیں گے۔ اس کا اور خوش الحان کا نکاح ہوا ہی اس شرط پر تھا کہ وہ اپنی شہ پرازی می کے لیے اپنی می کے ساتھ رہنا تھا۔ لاریب نے یہ بات انہیں بتائی تھی۔ وہ کی پرائی بات کا حوالہ دیتا ہی نہیں چاہتی تھی۔

"میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ تم خوش رہو۔" وہ بے ربط سی گفتگو کر رہے تھے۔ لاریب کے حصے میں ان کا بھی انداز آتا تھا۔ وہ ابھی بھی شاید نشے میں تھے۔ "تم خوش ہونا۔؟" انہوں نے یکدم ہی پوچھ ڈالا تھا۔ لاریب کا حوصلہ می کی دیوار کی طرح ڈھس گیا تھا۔ اس نے کتنی آرزو کی تھی کہ وہ بھی اس سے یہ سوال اپنے مکمل حواسوں میں پوچھیں اور وہ انہیں بتائے کہ۔

"نہیں۔ میں بالکل خوش نہیں ہوں۔ آپ اگر مجھے ایک بار گلے سے لگا کر مجھے میرے ہونے کا اعتماد دے دیں۔ مجھے بتا دیں کہ میں آپ کے لیے ضروری ہوں۔ میرا دنیا میں ہونا آپ کے لیے اہم ہے تو میں خوش ہو سکتی ہوں۔"

وہ یہ سب کہہ نہیں سکتی تھی۔ ان کے درمیان صدیوں کا فاصلہ حائل تھا۔ ان کے باہمی رشتے میں خاموشی اور پردہ ہی اس درجہ گندمی تھی کہ اسے چہرہ بھڑک رہی مٹایا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ پہلے بھی ان کے سامنے نہیں روٹی تھی لیکن اچانک وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

دادا نے منور اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کا سر اپنی ہاتھوں کے حلقے میں لے کر اسے اپنے وجود سے لگایا تھا۔ لاریب چند سے روٹی رہتی پھر اس نے اپنی ہاتھیں ان کے گرد باندھ لی تھیں۔ وہ دونوں ہی کچھ کہنا سننا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن دونوں کو ہی آج پہلی بار یہ یقین آیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے کتنے ضروری ہیں۔

☆☆☆

"ہمیں کسی پر شک نہیں ہے۔ ہم دشمنیاں پالنے والے لوگ ہی نہیں ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ ایک حادثہ تھا۔" حبیب اللہ خان نے اسے سامنے بیٹھے آفیسر کی جانب دیکھتے ہوئے دو ٹوک انداز میں کہتے ہوئے بات ختم کر دی۔ خوش الحان ان کی شکل دیکھتا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں شکوہ کنناں تھیں لیکن انہوں نے اس کی جانب دیکھا ہی نہیں تھا۔

"وہ شخص نشے کی حالت میں تھا شاید۔ اس سے گاڑی کنٹرول نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے پہلے اس کے سائیڈ سے ٹوکی۔ پھر پیچھے سے۔ اس کے بعد ہمیں تو اپنا ہی ہوش نہیں رہا۔ کسی اور کا دھیان کیا رکھتے۔ بہر حال خدا نے ہماری جان کی ایک بڑی برکت رکھی۔"

وہ شخص نشے کی حالت میں تھا شاید۔ اس سے گاڑی کنٹرول نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے پہلے اس کے سائیڈ سے ٹوکی۔ پھر پیچھے سے۔ اس کے بعد ہمیں تو اپنا ہی ہوش نہیں رہا۔ کسی اور کا دھیان کیا رکھتے۔ بہر حال خدا نے ہماری جان کی ایک بڑی برکت رکھی۔







وہ مدبرانہ انداز میں اس قدر بھونڈی اداکاری کر رہے تھے۔ پولیس سمیت وہاں موجود سب لوگوں کو یقین تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں مگر کسی نے انہیں ٹوکا نہیں تھا۔

ایک تو حبیب اللہ خان کی اپنے علاقے میں عزت بہت تھی دوسرا نظام میں اتنی خرابیاں تھیں کہ ادارے جان بوجھ کر بھی عام شہریوں کو ایسی باتوں کی جانب راغب ہی نہیں ہونے دیتے تھے جو ان کی زندگی کو بہتر بنائیں۔ سب لوگ ہی پولیس پکھری سے خار کھاتے ہیں لیکن پہاڑوں میں بسنے والے تو کچھ زیادہ ہی کھاتے ہیں۔

دونوں آفیسرز کو بھی پتا تھا کہ ان کے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہونے والا۔ یہ لوگ اپنے مسائل اپنے جروں میں سلجھا لیں گے اور بلاوجہ ان کا وقت ضائع ہوگا اسی لیے انہوں نے خاموشی سے ساریاں لے کر ڈکریاں کیں۔ خوش الحان بھی چپ چاپ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا لیکن اس نے کسی بھی چیز میں دلچسپی نہیں لی تھی اور نہ ہی خواہش کے باوجود باپ کے کسی بھی جملے کی تردید کی تھی۔

یہ ان کے یہاں بدتمیزی بھی جانی تھی وہ تنہائی میں تو ان سے بحث کر چکا تھا لیکن کسی تیسرے کی موجودگی میں ان کی کسی رائے سے انکار کرنا یا اس کی تردید کرنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"آپ کو کچھ کہنا ہے؟" ایک آفیسر نے کاغذی کارروائی کی خاطر رکی انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔ آپ سے تو بالکل نہیں۔" اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔ آفیسر نے تو صغیر انداز میں سر ہلایا۔

"اچھی بات ہے۔"

پھر مزید کہنے لگا۔ "خان صاحب نے درست فیصلہ کیا ہے۔ آپس میں ہی مل کر ٹنک ٹنک کر لیں۔ اسی میں بہتری ہے ورنہ پولیس تھانہ، کورٹ پکھری کوٹلوں کی دلائی سے بھی زیادہ غلیظ چیز ہے۔ ہاتھ کالے ہی نہیں ہوں گے۔ خالی بھی ہو جائیں گے۔"

وہ شاید حبیب اللہ خان کی درخواست پر سمجھا رہا تھا لیکن خوش الحان دم سادھے چپ چاپ بیٹھا رہا۔ ان کے جانے کے بعد وہ بھی وہاں سے اٹھ جانا چاہتا تھا لیکن حبیب اللہ خان نے اسے روک لیا۔

"یہاں کچھ دیر میرے پاس بیٹھو۔ مجھے بات کرنی ہے تم سے۔" وہ محبت بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ یہ جملہ اور اس جملے کی مٹھاس خوش الحان نے پہلے بھی محسوس نہ کی تھی لیکن پھر بھی اس کا دل نہیں پکھلا تھا مگر وہ عادت سے مجبور تھا۔ اس لیے چپ چاپ بیٹھ گیا۔

"ناراض ہو۔؟" انہوں نے اسی انداز میں دوسرا سوال کیا تھا پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر خودی کہنے لگے۔

"میں جانتا ہوں تم ناراض ہو۔ لیکن یہ مصلحت کے تقاضے ہیں۔ یہ سب کرنا پڑتا ہے۔ تم صورت حال کو سمجھو آنے والے وقت میں تمہیں یہ سب سنبھالنا ہے۔ یاد رکھو ایک جنگل میں دو شیروں کی تباہی نہ ہو سکتی ہے جب وہ ایک دوسرے سے بے نیاز ہو جائیں۔ اس علاقے میں ان کی جنگی ساکھ اور عزت ہے، امران کا بال کی بیکانیں کر سکتے تو خواہ مخواہ کی دشمنی پالنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہتر ہے ہم ان سے لائق ہو جائیں۔ ان کی پرواہ کرنا چھوڑ دیں۔ وہ ہماری نہیں ہیں۔ جن کی نہیں وہ جائیں اور ان کا کام۔ آج کے بعد میری حویلی میں کسی ان کا ذکر نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں۔"

وہ لار سے پیار سے اسے سمجھا رہے تھے۔ خوش الحان خاموش بیٹھا رہا تھا۔ یہ اس کا مسئلہ تھا اسے باپ کو نہ کہنے سے انجھن ہوئی تھی۔

"تم مجھ سے تنہائی میں ملنا چاہ رہے تھے۔ پہاڑی بابو۔ خیریت ہے نا؟"

ارباب نے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوتے ہی آنکھیں منکارتے ہوئے کھنڈرے پن سے سوال کیا تھا۔ لفظ "تنہائی" پر خصوصی زور دیا گیا تھا۔ خوش الحان نے چوکر اسے دیکھا۔

اس لڑکے کو راز رکھنا آتا ہی نہیں تھا حالانکہ اس نے بیچ پر خصوصی تاکید کی تھی کہ ایک اہم بات ہے اور وہ کسی سے نہ کہے کہ اس نے نہیں کرنا چاہتا لیکن اس نے دروازہ کھولتے ہی بھاٹا اچھوڑنے والے انداز میں بات شروع کر دی تھی۔ جسے کادان تھا اور وہ سب دوست ہری حویلی خوش الحان سے ملنے آئے تھے۔ حویلی میں باجماعت ادا کرنے کے بعد انہیں مزے دار کھانا کھلایا گیا تھا اور جب سب واپسی کی تیاری کر رہے تھے تو خوش الحان نے ارباب کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا۔

"میں نے کہا تھا تم سے، اسٹیل میں کچھ بات کرنی ہے۔ پورے ٹبر کے ساتھ مت آنا۔ تنہائی کا لفظ تم نے خود اڑکیا ہے۔" اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔ تم نے دماغ کھلو کر ناک لگوا لیے لیکن فضول بولنے والا خناس پھر بھی اندر ہی رہ گیا۔" وہ لاپرواہی سے کہتا ہوا اس کے بیڈک آتا تھا۔

"یار بکواس بند کرو اور میری بات سنو۔ میں سوشل میڈیا پر تمہارے توسط سے ایک اشتوری بریک کرنا چاہوں تو تم کیا چارج کرو گے۔ اور اس کی رینج (رسائی) کتنے لوگوں تک کروا سکتی گارنٹی دو گے۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ ارباب نے پھر بات کاٹ دی۔

"واہ چوہدری ارباب۔ تیرے ٹھٹھٹ۔ سوشل میڈیا پر ابھی تک کوئی ویڈیو وائرل نہیں ہوئی اور بزنس خود گھر پہنچ رہا ہے۔ واہ۔ مجھے واہ۔"

"دع ہو جاؤ عمر نکلو۔ ہر بات میں غیر سنجیدگی کو اس طرح محبت سے شامل کر لیتے ہو جیسے تمہارے ابا نے اس سے نکاح کر رکھا ہے۔ میں کسی اور سے بات کر لوں گا۔ تو قیر بھی تو یوٹیوبنگ کر رہا تھا نا۔ وہ کر دے گا میری مدد۔"

خوش الحان بلاوجہ چڑچڑا ہوا رہا تھا۔ ارباب نے سر سے پیر تک اسے دیکھا پھر ناک چڑھائی۔

"اسی سبک ابرہز کے ساتھ دو سال سے صرف بیچ کئے سکھا رہا ہے۔ جبکہ تمہارے اس بھائی کے چالیس ہزار فالوورز ہیں۔ ابھی کوئی چیز فیس بک پرائیڈلیوں تو کھیں کی طرح آتے ہیں۔ دس منٹ میں سولہ گولوں کی انگوٹھا ٹھوکی (اٹا) کا ریٹ چل رہا ہے۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ مجھ سے تیز سے بات کرو۔"

"نہیں کر سکتا۔ پاگل ہوں جو تم سے ایک فیور چاہی۔ مار لو دو جو تے مجھے اس غلطی پر۔ ورنہ تاریخ میں میرا نام کالے حروف سے لکھا جائے گا۔" وہ ناراض ہو کر اسی کے انداز میں بولا تھا۔

تاریخ جنغرافیہ فزکس کیمسٹری۔ نیلا پیلا سرخ سبز۔ جس رنگ سے مرضی جہاں مرضی لکھا جائے۔ ہماری بلا سے۔ بزنس مین کو صرف پیسے سے غرض ہوتی ہے۔ بتاؤ کیا اشتوری بریک کرنی ہے۔"

ارباب کا مسئلہ صرف غیر سنجیدگی تھا ورنہ خوش الحان بھی جانتا تھا کہ وہ اس کے بہت کام آ سکتا ہے۔ اس نے بہت موقع چھاری تھی، بہت دن کڑھتا رہا تھا۔ اس کے بابا نے واقعی صندوق لی اور ان سے وابستہ نورالقلوب کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا تھا لیکن وہ نہیں گر پارہا تھا۔ یہ اس کی فطرت میں تھا۔ وہ انتقام لیے بغیر نہ سکون نہیں ہو سکتا تھا اور سوشل میڈیا اس شخص میں اس کا سب سے بڑا ہتھیار ثابت ہونے والا تھا۔

☆☆☆

"آپ نے اپنا نام بک کر کیا میں نے آپ کو کچھ ضرور دیا ہے؟"







اس طرح خبروں کی زینت بننے پر سب سے پہلے ان کے اپنے مزیدوں نے منہ موڑا تھا۔ ان میں سے کسی ایک نسیب میں انکوائریاں بھگت رہے تھے لیکن صندل بی کا نام آتے ہی وہ سب غائب ہو گئے تھے۔ انہیں اس بات کا شدید افسوس تھا۔

”میں آپ کو فائدے کی بات بتا رہا ہوں..... وہ لڑکا اور اس کے دوست بہت تیزی سے اس ویڈیو کو دائل کرنے میں لگے ہیں۔ سوکل میڈیا بڑی چیز ہے۔ منٹوں میں بندہ ہیرو سے زیر و بن جاتا ہے۔ آپ کو تو ڈھونڈیں..... یہ بات اور تک پہنچ گئی تو بہت مشکل ہو جائے گی۔“

آپ ان سے بات کریں اور انہیں فی الفور ہٹانے کی تاکید کریں۔ آپ کا کہنا انہیں نہیں سکے گا۔ ہمارے جیسے لوگ کہتے سمجھاتے بھی رہے تو فائدہ نہیں ہے۔ آپ خود براہ راست بات کریں۔“ عزیز صاحب نے عقلمن کی تھی۔

”واہ..... یہ تو ڈھونڈا ہے آپ نے..... داد دینی پڑے گی آپ کو..... آپ لوگ مصائب میں گرفتار ہوں تو دوڑے دوڑے میرے پاس آتے ہیں۔ میں نے تو بھی آپ کو یہ نصیحت نہیں کی کہ جائیں جا کر دشمنوں سے مصالحت کر لیں۔“ وہ چپک کر بولی تھی۔

”مجھے خیر ہی کب تھی کہ آپ ہمارے دشمنوں کی بھی خیر خبر رہی ہیں۔ اس فوج میں آپ کا کئی لوگوں کے ساتھ نام لیا جا رہا ہے۔ کیا دوست۔“ کیا دشمن، آپ تو سب کی صندل بی ہیں۔ انہوں نے برمان کرانچی کے انداز میں جواب دیا تھا۔

”ہمیں سب کی خیر خبر رکھنی پڑتی ہے اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ آپ کیا چاہتے تھے کہ آپ کی دشمنیاں میں پال لوں۔“ وہ پہلے ہی عاجز آئی ہوئی تھیں۔ عزیز صاحب کے انداز سے مزید چڑھ رہی تھیں۔ ویڈیو کے منظر عام پر آتے ہی کئی لوگوں نے ان کی کال رد کی ہوئی تھیں۔ عزیز صاحب سے ناراضی وہ مول نہیں لے سکتی تھیں۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر خود اپنے لیے کوئی تعویذ کیوں نہیں لکھتیں۔ آپ تو سب کو ہی مشکلات سے بچاتی ہیں۔ اپنے آپ کو بھی بچائیے۔“

وہ بھی برہم ہوئے۔ وہ اس انداز پر آگ بگولا ہونے لگیں۔ آج تک ان سے اس انداز میں جس نے بھی بات کی تھی وہ نیست و نابود ہوا تھا۔ ان کا دل چاہا عزیز صاحب کا گلا بادیں مگر وہ بہت مشکل سے برداشت کر رہی تھیں۔

”آپ تحریف لے جائیں یہاں سے..... ایسے مشورے تو یہاں سے ہی کارپٹ کے نیچے پڑے رہتے ہیں۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔“

انہوں نے انتہائی غصیلے انداز میں کہا تھا۔ عزیز صاحب چند لمحے ان کا چہرہ دیکھتے رہے پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”جیسے آپ کی مرضی۔ لیکن میرا مشورہ اب کی بار دہرانے کے نیچے رکھ کر غور کیجیے گا۔ جو ملی والوں سے راضی نامہ کر لیں۔ ان کا بھی کافی نقصان کیا تھا آپ نے..... وہ صرف بول لے رہے ہیں۔ مگر آپ سے زیادہ جلدی طریقے سے..... آپ کے تعویذ ان کا تو نہیں کر پائیں گے۔ اس لیے ہاتھ ملا لیں ان سے..... بعض اوقات جھک جانے میں عافیت ہوتی ہے۔ بڑے بڑے درویش بھی وضو کرنے سے پہلے اپنی پٹلی اور شلے اتار کر نیچے رکھ دیا کرتے تھے۔ اگر یہ نہیں کر سکتیں تو ہرے کہ کچھ دن کے لیے پاکستان سے باہر چلی جائیں۔ آپ کا

کر لیں گی۔“ صندل بی نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن انہیں یہ مشورہ کسی صورت قبول نہیں تھا۔ وہ کہے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ بعد وہ مزید ادھر ادھر فون کرتی رہیں مگر ان کے قریب وجوہات میں سناٹا چھایا ہوا عزیز صاحب کے جانے کے بعد وہ مدد کرنے کو تیار نہیں تھا۔ سب ہی کا یہی کہنا تھا کہ فی الحال خاموش رہنے میں عافیت ہے۔ اس وقت کوئی بھی ان کی مدد کرنے کو تیار نہیں تھا۔

بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے حبیب اللہ خان کے نمبر پر کال کی تھی۔ وہ اگلے ہی دن انہیں کال کرنے کی کوشش کرتی رہی تھیں لیکن وہاں سے کسی نے بھی رپانس نہیں دیا تھا۔ ان کی کال اٹھائی گئی تا کہ ان کی کال نہ لگے۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ ان کے ساتھ یہ سب ہو رہا ہے۔ اتنی جگہ انہوں نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

مہرت حال سے تنگ آکر بالآخر انہوں نے وہاں سے فرار ہو جانے میں عافیت چنی گئی۔

☆ ☆ ☆

زہرہ نے آنے میں اپنا چہرہ دیکھا تھا۔ اس کی رنگت اچلی سی ہو رہی تھی۔ کال کے ایک طرف کچھ زہنوں کے نشانات اچھی بانی تھے لیکن وہ ہر امیدھی کہ وہ بھی جلدی ختم ہو جائیں گے۔ اصل مسئلہ ان زہنوں کا تھا جو اس کے دل پر لگے تھے۔ اس کا اعتبار ہر ایک پر سے اٹھ گیا تھا لیکن تانی شاہد ہر مقام پر بہت مثبت طریقے سے اس کی مدد کر رہی تھیں، صندل بی جس روز ادارہ چھوڑ کر لندن میں اسی روز ان کا چھوڑ یہاں سے ٹکڑا کر دیا

مباہنامہ۔ تانی شاہد درس گاہ نور القلوب کی نئی ہیڈ مقرر کی گئی تھیں اور ان کی مثبت شخصیت کا ہر پہلو ہر مقام پر اپنا رنگ چھوڑ رہا تھا۔ ادارے میں اب پہلے جیسی پابندیاں نہیں تھیں۔ وہ بچیوں سے فاصلہ رکھنے کی قائل نہیں تھیں۔ اسی لیے لڑکیاں ان کے سامنے کھلی کمرات کر سکتی تھیں۔

وہ اپنے اچھے طریقے سے لڑکیوں کو ہر معاملے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں گائیڈ کرتی تھیں کہ ان کے گمراہ ہونے کا امکان کافی حد تک کم ہونے لگا تھا۔

پہلے جو چیزیں اور اصول صندل بی کے خوف کی وجہ سے وہاں رائج تھے اب وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنا جانے لگے تھے۔ وہ سب اس نئے ماحول میں زیادہ اچھے طریقے سے پھلتے پھولنے لگی تھیں۔

زہرہ کی شخصیت میں اس توڑ پھوڑ سے کافی خلا پیدا ہوا تھا لیکن تانی شاہد ہر معاملے میں اس کی معاونت کرتی تھیں۔ وہ جب پریشان نظر آتی تو تانی شاہد کے سمجھانے کا الگ ہی انداز ہو جاتا۔

”زہرہ! اپنے آپ کو کسی دوسرے انسان کی نظر سے دیکھنا چھوڑ دو ورنہ تم ہمیشہ خود کو گناہ گار ہی سمجھتی رہو گی۔ اپنے بنانے والے پر تجھ کو سارکھو۔ کیونکہ وہ سمجھیں انسان کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ وہ ہمیں نوازنے کے لیے

ہمارے کرم نہیں دیکھتا وہ اپنے کرم کے حساب سے نوازتا ہے۔ ان شاء اللہ ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا تم ایک دن اس کیفیت سے نکل آؤ گی اور وہ تمہارا بہترین روپ ہوگا۔ حادثات کو بھول جانا بہتر ہوتا ہے ورنہ وہ ہائوں کی زنجیر بن جایا کرتے ہیں۔ آنے والے وقت پر دھیان دو جو تمہارا ہے۔ یہ یقین رکھو تمہارا اللہ تمہارے ساتھ ہے تب ہی آج تم سرخرو ہو۔ اسی سے مانگتی رہو۔ وہ ہی دے گا۔ کسی انسان کے اختیار میں یہ نہیں ہے کہ وہ

کے دوسرے انسان کا نصیب اس سے چھین لے یا اس کے اور اس کے معبود کے درمیان کھینچ کھڑی کر سکے۔ یہ انسانی رشتہ نہیں ہے جو اس قدر کمزور ہو۔ پرانی باتوں کو بھول کر نئی راہیں نکھر کر دو۔ جس نے تمہارے ساتھ نما کیا اسے معاف نہ نہیں کر سکتے۔ ان کی باتوں کو بھول کر نئی راہیں نکھر کر دو۔ جس نے تمہارے ساتھ نما کیا





قرآن شریف کو طاق میں رکھا اور واپس اپنی جگہ آکر بیٹھ گئیں۔

انہوں نے صالحہ کا کہہ دیا اور سوکھا ہوا چمکتا د نری سے اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

”دیکھو صالحہ! مایوسی کفر ہے، حالات تو بھی ہوں، جسے بھی ہوں ان میں اپنے رب کی رضا کو تلاش کرو۔ آواز اس کا دو گونہ بھی ہو سکتا ہے اور طول بھی لیکن اگر وہ ہو کہ بیٹھ جائے گا مطلب ہے کہ ہمیں اس ذات پر اتنا یقین نہیں جتنا ہونا چاہیے اور یہاں تو ساری بات ہی یقین کی ہے ہمیں اپنے رب پر مکمل یقین ہونا چاہیے وہ ہر وقت ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہے۔“

اور اس دن وہ جب استانی جی کے گھر سے چلی تھی تو یقین کے حصار میں تھی۔ وہ بار بار اس آیت کا ورد کر رہی تھی۔

”و توکل علی اللہ کفٰی باللہ وکیلا“

اور پھر شب و روز تبدیل ہونے لگے۔ سلجھے بال۔ دھلا دھلا یا لیاں، صاف ستھرا گھر، ہر شام ہی دیا جلا کر روشنی کی جالی تو حلیہ کی وحشت بھی کم ہونے لگی۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ حالات نہیں بدلتے انسان خود بدل جاتا ہے۔ صالحہ بھی بدل گئی تھی اس کا دل بدل گیا تھا۔ ☆☆☆

اور پھر دو برس بعد کی ایک دوپہر تھی جب منگو کی رشتے کی پھوپھی کا شوہر چلتا پھرتا ادھر آ نکلا ایک دو دن کے قیام میں اس نے صالحہ کو بڑی ہی نیک اور فرماں بردار پایا۔ وہ جاتے وقت صالحہ کی ہتھیلی پر شکر رکھ کر اپنے بچے اکرم کا رشتہ ڈال گیا تھا۔ یقین کی راہ پر چلنے والوں کو منزل میں خود ہی ڈھونڈ لیتی ہیں۔ صالحہ کی زندگی میں یہ دنوں کا دن تھا کہ اس نے اپنے

ملکجی شام کی بڑھتی ہوئی اداس تاریکی میں جگہ کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوتا۔ اکھڑے پلستر کی دیواریں تاریکی میں ڈوب کر بھیاں ک سا نقشہ پیش کرتیں اور حلیہ کی بوڑھی نظریں محسوس پھر کر ٹوٹی پھوٹی دیواروں پر پڑتی تھیں۔

اندر ایک چھپکے سے کمرے میں چار بانی پریشی سالگرہ کی کے پار کی باندھے جانے باوجود دیکھ رہی تھی۔ بھی دھیر دھیر سے مسکرا دیتی کبھی یقین کی پشت سے رز کر آنے پوچھتی۔ اس کی حالت اجڑی بیوہ جیسی تھی لگا لگا ہوا بھڑے لکھے بال، فاقہ زدہ چہرہ۔ حلیہ کو لگتا تھا وہ بی بی کلاس میں دیکھ دیکھ کر مریض بن جائے گی۔ شام دھیر دھیر سے کھسک کر رات کی آغوش میں جاساتی تھی۔ تاریکی گہری ہوتی تو حلیہ نے صالحہ کو آواز دی مگر وہ اپنی جگہ سے مس نہ ہوئی۔

”صالحہ کی طرف دیکھتی ہوں تو کلیجہ کٹ جاتا ہے۔“ وہ شوہر کے سامنے دل کھول کے بیٹھ گئی۔

”بھانے کیوں دل چھوڑ بیٹھی ہے۔“ منگو نے سوچی روٹی کا ٹکڑا کالی چائے سے کھا کر ہاتھ جھاڑے۔

”میری بات مان اسے استانی جی کے گھر بھیج دیا کر۔“

”وہاں جانے سے کیا ہوگا؟“ حلیہ کو بھانے کیوں لکھی بڑی روٹوں سے چڑھتی۔ ”اور کچھ ہونہ ہو مجھے لگتا ہے صالحہ کی سوچ بدل جائے گی اور جب سوچیں بدلیں گی تو اس کے دل کو بھی سکون ملے گا۔“ اسے یہ حالات کا ستایا ہوا ہے بھی کا چولا پہنے مارا مارا پھرنے والا منگو بھی لکھی پڑھی باتیں کرنے لگا ہے۔

حلیہ گشت بدندان شوہر کو گھر سے باہر جاتا دیکھ رہی تھی۔

استانی جی کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔ ان کا لہجہ انتہائی نرم اور میٹھا تھا۔ ماما کو اپنے اندر بھی سکون تھا۔ ان کی باتوں میں کئی بہایت ادب سے

آئے گا۔ اپنی توانائی کو کسی اچھے کام میں استعمال کرو۔“

وہ اسے پیار سے سمجھاتی رہتی تھیں۔ درس گاہ میں کوئی بھی اب صندل بی کا ذکر نہیں کرتا تھا کیونکہ تائی شاہدہ نے سب کو تائید کر رکھی تھی کہ ہمارا کام نہیں ہے۔ وہ کیا تھیں، کیا کر رہی تھیں یہ ان کا اور ان کے رب کا معاملہ ہے۔ ہم ان کی بددعائی کر کے اپنا وقت کیوں کالا کریں۔ وہ وہاں سے ہی نہیں گئی تھیں بلکہ ان سب کی زندگیوں سے بھی نکل گئی تھیں۔ اس لیے انہوں نے القلوب میں اب واقعی نور آ گیا تھا۔

☆☆☆

”سوال کیا گیا کہ کیا گناہ گار ہمیشہ خدا کی خوشنودی کو ترستے رہیں گے؟“

جواب دیا گیا کہ اللہ پر صرف اللہ والوں کا حق ہوتا تو انبیاء کے علاوہ کوئی نور القلوب کا حق دار نہ ٹھہرے۔ خوش الحان نے اس کاغذ پر لکھی تحریر کو غور سے دیکھا تھا پھر اس نے گہری سانس بھری۔ چہرے پر ایمان بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ یہ لاریب اور اس کے کلاس فیلوز کی کوئی ڈیجیٹل میڈیا کی اسائنمنٹ تھی جس کے لیے اس میں وہ کوئی سروے کر دار ہے تھے اور پوری یونیورسٹی میں سروے کے کاغذ بانٹتے پھر رہے تھے۔ میڈیکل یونیورسٹی کے بعد آج یونیورسٹی میں اس کا پہلا دن تھا۔ وہ سر تا قب کے آفس سے نکلتا تھا جب اس نے لاریب کو دیکھا۔ جینز پر میرون ٹاپ پہنے بالوں کی اوچی سی پونی بتائے وہ مگن سے انداز میں اپنی کسی فرینڈ کے ساتھ جا رہی تھی۔

آج وہ زندگی میں پہلی دفعہ اچھی لگی تھی۔ آج پہلی دفعہ اسے لگا کہ وہ تو واقعی خوبصورت ہے۔ آج اس کا کایا چشمہ اتار گیا تھا۔ آج وہ اس کے معاملے میں تعصب پسند نہیں رہا تھا۔ حبیب اللہ خان نے اسے یقین دلائی کہ وہ انہی کے ساتھ دونوں آپس میں بیٹھ کر اپنے مستقبل کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے انہیں اپنے بڑوں کی مکمل حمایت حاصل ہوگی حتیٰ کہ اگر انہیں جد کر کے خوشی محسوس کریں گے تب بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ”میں اپنی غلطیاں مزید تم پر مسلط رکھ کر تمہارے ساتھ اتنی بڑی زیادتی نہیں کر سکتا۔ تم اپنے ہر فیصلے میں مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔“

وہ اسے کہہ چکے تھے۔ ان کا اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے زیادہ ثابت ہوا تھا۔ خوش الحان ایک پوچھ سے آزاد ہو گیا تھا۔ اسے اپنا آپ لگا بھلا لگنے لگا تھا۔ وہ اور لاریب اب ایک دوسرے کے سامنے دشمنی دشمنی کیلئے نہ کر چکے تھے اگرچہ ان کا تعلق ابھی دوستی کے روپ میں نہیں ہوا تھا نہ ان کے درمیان اس موضوع پر ابھی تک بات ہوئی تھی کہ وہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا الگ ہونا چاہتے ہیں مگر وہ دونوں اس بات پر مطمئن تھے کہ اب جو فیصلہ ہوگا اس میں سو فیصد ان کی رضا شامل ہوگی۔

لاریب اپنی دوست کے ساتھ چلتی چلتی ان کے قریب سے گزر گئی تھی اور ہاتھ کے اشارے سے اسے پل میں بولتی تھی۔ خوش الحان نے بھی مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر جواب دیا تھا اور اس کی مخالف سمت میں گئی تھی۔ جانب بڑھ گیا تھا۔

☆☆



متعارف نہیں تھا بلکہ وہ اس کا عزیز ترین دوست تھا، وہ تقریباً روز ملتے تھے مگر آج یہاں بطور خاص اس کے لیے میٹنگ روم کی گئی تھی تو اس کی بھی ایک وجہ تھی۔ محسن حال ہی میں لندن سے فلم اینڈ ٹیلی ویژن پروڈکشن میں ڈپلوما حاصل کر کے اب باقاعدہ کام کا آغاز کر چکا تھا ٹھیک اسی نام میں عون لندن فیشن میک میں انعام یافتہ ہو کر لوٹا تھا۔ وہ ایک ان پرنٹیشن ماڈل تھا، جب ہی محسن آج کل اس سے ایک نئی سیریل کے لئے کوپیاٹنگ کر رہا تھا کہ اس میں ایک ٹینگ کے جرائم بھی پائے جاتے تھے، دوسری وجہ یہ بھی کہ عون کے مقابل اس سیریل میں ہر ایک نامور

جب وہ آفس میں داخل ہوا تو باہر شام اتر رہی تھی جبکہ چار بجے اسے یہاں میٹنگ میں ہونا چاہیے تھا اندر آنے کے بعد جس پہلی چیز کو چھوڑا، کیا وہ شرمندگی تھی اور جس دوسری چیز کو اس نے اپنایا، وہ ڈھٹائی تھی۔ آفس میں موجود مالک نے ایک نظر آنے والے پر دوسری وال کلاک پر ڈالی وہ جو لیٹ آیا تھا۔ اسے اسی قسم کے اشاروں کنایوں میں ہی بتایا جاسکتا تھا۔ آنے والا کوئی عام یا خاص اسٹار نہیں تھا، اس آفس کا مالک اس سے چھوٹی یا بڑی اسکرین کی وجہ سے





اسکرپٹ پڑھنے کے بعد اس سیریل سے انکاری ہو چکا تھا، اس کے باوجود محسن نے آج ایک آخری کوشش کی تھی، اس سیریل کی مین کاسٹ کے ساتھ سیریل کی رائٹر بھی میٹنگ میں شامل تھی چونکہ وہ جان بوجھ کے لیٹ آیا تھا تو توقع کر سکتا تھا کہ محسن اس وقت آفس میں اکیلا ہوگا۔

اس بچہ پاری رائٹر کو اپنا منتظر پا کر اسے محسن پہ تاء ایک فضول خواہش میں اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کر رہا تھا۔

”نو، نیور، امپاسل، میں ان چار چھ سبز میں  
سچی اچھی پرفامنس نہیں دے پاؤں گا۔  
اس بینڈم اور دراز قد لڑکے نے اپنی جگہ سے  
اٹھتے ہوئے زود نوک لہجے میں انکار کیا۔  
اس بار وہ دوستانہ انداز میں اس سے معذرت  
کرتے ہوئے سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہاں سے  
خصت ہوا تھا محسن بے بسی سے اس کی پشت کو گھورتا رہ  
گیا۔

انور میں با پھر چھت پر پہنچا دیا گیا ہو صباہ کے لیے یہ  
 لانی قیاس بھی ناممکن تھا۔ ایک ڈرائنگ روم اور مین  
 کمرہ پر مشتمل اس گھر میں صحن کے علاوہ اس روم کو لڑ  
 کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی اور چھت کو جانی سیڑھیاں اس  
 کے باہر کے دل کی طرح بہت تنگ تھیں۔  
 ایتر کو غائب ہونے کا مطلب تھا کہ کل اس کی  
 بھانجور نے اسے اپنے پونے داموں بیچ دیا تھا  
 بھانجور نے اسے ایک دل ڈوب سا گیا۔

کو ساجا جاتا جو اپنی ذمہ داری نہیں کے سر قہو پ کرا ملے  
جہاں میں عیش کر رہے تھے۔  
وہ صبا بھی، وہ اپنی بیو سے گھر کے باقی دو افراد  
کو پریشان ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی اسے اپنا بیٹھا جفا خوار  
بدرا (بیٹی) بے حد عزیز تھی فی الوقت ایسا ہوا تھا کہ  
اس کے ہاتھ میں آتے ہی اس کے استری شدہ لباس  
سے لپٹی اوائل اکو تو پر تار کی اس کے مزاج کی مانند  
ہی ایک دم بجھ ہی گئی۔



نا کام کوشش کی، اس کی یہ آخری دمکی ہمیشہ ہی کارآمد ثابت ہوتی تھی۔

”مجھ سے کہا تھا نا کہ روز درزی کی دکان کا چکر لگایا کر، بری کے جو جھ جوڑے سٹلے کو دیے تھے ایسا نہ ہو کہ وہ بڑھادری نام کے نام ان سٹلے ہی ہمارے ہاتھ پر رکھ دے، شادی ہے کہ سر پر آپچی ہے مگر اس میں میری سنی کون ہے، پھوپھی ہے تو دن بھر فون سے چلی رہتی ہے، بیٹی ایک نمبر کی پھوپھی اور نہی۔“

وہ دوبارہ مشین پر جھکتے ہوئے با آواز بلند بڑبڑاتی گئی۔

بیٹی تو خیر اتنے ہی نمبروں کی مستحق تھی مگر پھوپھی۔ وہ اس دن بھر کے الزام پر حق دق رہ گئی، اس کے سولہ گھنٹے تو کام میں گزار جاتے تھے، باقی وقت ہی کھانا پکھانا وہ ہمیشہ کی طرح خود کھائی کرتی تھکے قدموں کے ساتھ فاخری طرف آئی۔

”آج گھر کے لیے وقت نکال ہی لیا تھا تو پہلے اپنے کمرے کے واش روم کا دروازہ دھمت کر لیتے، کمرے کا تو تقریباً رنگ ہو چکا ہے، ساتھ ہی دروازہ کا بھی رنگ ہو جاتا۔“

اس کی آواز اس قدر دھیمی تھی کہ جو صرف فاخری سن پایا۔ بقول نرگس کے ماہانہ بحث کا بیشتر حصہ تو دولہا کے کمرے پر اٹھ رہا تھا حالانکہ گھر کے ماہانہ بجٹ کو انہوں نے پھونک تک نہیں ماری تھی، شادی کے دیگر معاملات کا انسانی خرچ صبا ج نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، فاخری کے مشورے پر بس ہلکا سا مسکرایا، اس کی رن پکڑ ہوتی۔

”اگر واش روم کا دروازہ بدل لیا جائے تو کمرے کی لک ہی بدل جائے گی۔“

وہ کتنے دنوں سے اس بات پر اصرار کر رہی تھی۔ وقت تھک رہا تھا کہ اس کا چہرہ جھک اٹھا۔

”نکل تم اپنی کوئی شادی پر مٹی نہیں تو سب اچھے ہو گیا، کھانا کم تو نہیں پڑا۔“

نرگس نے آخری دمکی ہمیشہ ہی کارآمد

کے سر پر کھڑی سند کو اچانک سے مخاطب کیا تو وہ اپنے مونہ میں کھلی خوش گواری سمیٹے ہوئے دھڑکتے پلٹی، وجہ تو یہ تھی کہ وہ اپنی، اس کا منہ پھلائے رکھتا تھا، اس کے لیے کچھ مٹی نہیں رکھتا تھا مگر اس کی بیٹی اسے دوسو سو کی نذر کرتی تھی۔

”میرج ہالز میں کھانا کم نہیں پڑتا ماں! یہ جواب صبا ج کے بجائے فاخری نے دیا۔ جس کی نگاہ منہ دروازہ پھلائی، بہن پر مٹی اس کے ہاتھ پر مل پڑے۔

”آپ کوئی بارنچ کر چکا ہوں کہ بدراگوں دکانوں پر مت بھیجا کریں۔“ وہ ہتھوڑا پھینک کر ماں کی جانب آیا۔

”اور کب سے کہہ رہا ہوں کہ ساجد تیار کونوں کر دیں۔ کہ وہ شادی تک باہر کے کمانوں کے لیے گاؤں سے کوئی لڑکا بیچ دیں۔“ وہ سنجیدہ مسائل پر ہی ماں سے شکن آلود سوڈ میں بات کرتا تھا۔

(لو ایک اور اضافی خرچا) نرگس نے لا پرواہی سے سر جھٹکا، مگر کماؤ بیٹے کی بات کا جواب دینا بھی ضروری تھا۔

”اس کام کے لیے تمہارے اس ساجد تیار کو جانے کب کب کھانا کھا ہے مگر جواب نداد۔ اگر میری بات کا یقین نہیں تو اپنے ان سگوں سے پوچھ لو۔“

وہ ان دونوں پر اک تیز نظر ڈال کر دوبارہ سے عینک لگاتے ہوئی اب متواتر بولے جا رہی تھی مگر ان دونوں نے جیسے کانوں میں اب روٹی ٹھوس لگی اور اس کام کے وہ عادی ہو چکے تھے۔

☆☆☆

”مجھے نہیں لگتا کہ تمہارا نکل اس قدر مصروف رہتا ہوگا جس قدر وہ ظاہر کرتا ہے۔“

لاؤنج کی کھڑکی سے باہر جھانکتی نرگس نے پورچ میں سے گاڑی نکالتے جواد کو گہری نظروں سے دیکھا چہرے پر بیٹے سے مخاطب ہوئی۔

”آپ کا شک بلا وجہ کا ہے، وہ واقعی مصروف رہتے ہیں۔“

ابھی نہ نمایاں ہوئی جسے اس نے بجانب لیا تھا کہ آج پھر سے ماں کے حواسوں پر جواد کہانی سوار تھی۔ عین کو اس موضوع کے سننے سنانے میں کچھ عارضوں نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب اسے عاری نہیں اختلاف بھی تھا کہ مٹی کی نکل نامہ اس کی گریڈ ماں (دادی) کے ذکر کے پلٹ ہی نہیں ہوتا تھا اور عین کی گریڈ ماں اس کی پائل میں شخصیت نہیں ماں کے لائف اسٹائل، ان کے آئیڈیل عادات میں کسی کو پلٹا جھول بھی نظر نہیں آتا عادات اس کے نزدیک ان کے زیر نگاہ ہیں کسی کو بلا وجہ تھا۔ اس کے نزدیک ان کی نہیں تھا اور اس کی ماں کے غلط ثابت کرتیں یہ ممکن ہی نہیں تھا اور اس کی ماں کے باقوت کے کھاتے میں جمع تھا۔

”میں جانتی ہوں۔ تمہیں اس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں لیکن سوچو کہ ماں جی کے بعد اب جواد کا ہم دونوں کے علاوہ اور کون ہے جسے واپس آ چکا ہے اور ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ اب یہ کبھی ہمیں ہی سبکھانا ہوں۔“ وہ انتہائی جذباتی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم آئندہ اس کے پاس آتی تھی۔

وہ ماں کی جدوجہد پر گیس کے رہ گیا۔ ”گریڈ ماں جی کہتی تھیں کہ تمہاری ماں جی عام عورتوں کی طرح محدود سوچ کی مالک جذباتی قسم کی عورت ہے لہذا اس کے فیصلوں کو بھی سنجیدگی سے مت لینا۔“

وہ آنسوؤں اور سرخ چہرے کے ساتھ اسی کو دیکھ رہی تھی وہ اس منظر پر ہمیشہ کی طرح بے بس ہوا کہ اس کے لیے وہ مسکرا رہا تھا۔

”سب کہتے تھے۔ سب کہتے تھے کہ اپنی عادات و اطوار میں وہ اسی فیصد دادی جیسا تھا ماں کو بھی اس سے یہی شکایت رہتی تھی کہ وہ دادی کی طرح ٹائم پر ہنستا اور ٹائم پر مسکراتا ہے اس لیے پر وہ ماں کی دل جوئی کی خاطر بے وقت مسکرایا تھا۔

پتا نہیں کیوں مجھے جواد کے متعلق اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی میں ایک اس خواہش کے علاوہ سب مائنس ہوتا جا رہا ہے پھر ڈھونڈنے سے تو خدا بھی ہار جائے گا۔“

آپ کے جیسے محسن کے ساتھ میری ایک بہت ضروری میٹنگ ہے، وہ جیسے تو بار بار لک کر رہا ہے۔ وہاں کی بات کاٹ کر زنی سے بولا اور اس کا ہاتھ تھام۔

”آئی براس کہ ایک دو دنوں تک اس موضوع پر آپ سے گفتگو کی بات ہوگی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامتا۔

خلعت میں اٹھ گیا۔ نکلانی اور میری بات پر آہ بھر کے رہ گیا۔ وہ باہر جاتے جیسے گواہد سب کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

”تمہاری دادی جس قدر بھی مکمل قسمت اور ہر فن مولاتی لیکن میں تم پر بات کر کے رہوں گی کہ صرف یہاں نہیں اس سے زندگی کے ہر موڑ پر غلطیاں ہوتی تھیں، میں ثابت کروں گی کہ اس نے صرف اس لڑکی کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اپنے بیٹے کے ساتھ بھی زیادتی کی تھی۔ وہ واحد ماں تھی جو اپنے فیصلوں پر آخری سانس تک نہیں چھٹاتی۔ تو اس کا بیٹا بھی شاید وہ آخری مرد تھا جو ماں کے حکم پر سر جھکا دیے کے بعد غرور کی سالوں سے گھر بسانے کے بجائے اپنی زندگی آوارگی کی تلاش کر رہا تھا اس خاندان میں ایک نگار بیگم ہی تھی جس کی دور رس بیٹے دیور سے بھلے مہینوں بعد ہی بات ہوتی چاہے کسی کی ناک پر ہوتی مگر ختم اسی بات پر ہوتی۔

”کیا میں پرسکون ہو جاؤں کہ تم وہاں کسی بھی گوری یا کالی سے شادی کر کے اپنا گھر بسا چکے ہو گے۔“

وہ ہر بار اک یقین کے ساتھ پوچھتی۔ جواب میں جواد کی گہری خاموشی کچھ عید نہیں کھاتی تھی۔ ہر بار وہ بات بدل دیتا، ماں کی علالت کا سن کر جب سالوں بعد گھر آیا تو بالکل اکیلا تھا۔

”ماں، جواد میاں اکیلے ہی آ گئے۔“ دیور کے ہاتھ میں ایک بیگ دیکھ کر وہ بے ہوش ہونے کے قریب ہو گئی تھی۔ جواب میں بیگ زمین پر رکھتے ہوئے اس نے جس طرح سر جھکا تھا تو اکیلے پن کا اعتراف تھا۔

وقت بھر بستر سے لگی باقوت نے بیٹے کی تن



تجارت زندگی پر اک آہ تک نہ بھری۔ اب یا تو ت کو  
تو سوچے ہی چلی جانی، وہ دیور کے پر سکوت چہرے پر  
نگاہ جمائے بہت کچھ کھوجی رہ جانی، اس کی گہری  
خاموشی، ایک دھواں سی بے چینی، کیا کسی نے جانتا  
توڑ لینے کا کفارہ تھا یا پھر یہ محبت تھی، وہ اسے دیکھے ہی  
جانی پر وہ چہرہ اب کی پر کچھ آشکار نہیں کرتا تھا۔  
سالوں پہلے سب کچھ بدل گیا تھا مگر سالوں پہلے  
کے کچھ منظر نگار کے اندر بھر گئے تھے۔

وہ آج بھی اس بنگلے کے ایک جانب ایک قدیم  
چتر کو سنبھال کر لیٹا چاہتی تھی کہ اس پر پریمی تصویر  
رہن باندھ دینے سے وہاں آوارہ منش بلبلیں بسیرا  
کر سکتی ہیں۔

☆☆☆

”اگر تمہارے یہ فضول کے ڈرامے ختم ہو چکے  
ہیں تو باہر آ کر ذرا ساجد میاں کو نوک و ٹوٹا، شادی سر پر  
کھڑی ہے اس نے ابھی تک نہ تو صدقے کا بکرا بھیجا  
ہے اور نہ ہی کام والا لڑکا۔“

نرگس نے یہ بات فلی والیوم میں کی تھی کہ اس  
پروں میں جو لڑکیاں بھی ڈرامہ دیکھ رہی تھیں، وہ ساجد  
میاں کو نوک لگانے ان کے گھر آ جاتیں، بدرا تو پھر گھر  
میں موجود تھی۔

”دوچہر کو ٹھنڈا ٹھار پانی پی لیا تھا۔ میرے  
میں خراش پڑ گئی ہے تو آواز بالکل بھی اچھی نہیں۔“  
اس نے اس کے کمرے کے دروازے پر آ کر  
جواب دیا، وہ بھی اچھا خاصا کھانسی کر۔

”لو اور سنو۔“ نرگس نے گردن گھمائی۔ ”تم نے  
فردوس جمال کو فون نہیں لگاتا بی! ساجد بے چارے کو  
تمہاری آواز سے کیا لیتا دیتا۔“ وہ بیٹی کی بے چینی بات  
پر سبک کے گویا ہوئی۔

اس بات پر بدرا کی ہنسی چھوٹ گئی۔ کہ یہ ادا کار  
اس کی ماں کا پسندیدہ ترین تھا، ہائے، ماں کی اس سے  
بات کرنے کی حسرت ابھی تک تروتازہ تھی۔

”جانتی تو تھی کہ اس کے دل میں اس کی سہیلی کی  
جگہ تو ابھی تک اس کی سہیلی کی جگہ ہے۔“

میں بنگلہ کا ایسا مسئلہ کہ گلا پھاڑ، پھاڑ کے سو بار بات  
دہراؤ، پھر بھی بات اٹھ کر رہ جاتی ہے۔“  
وہ منہ بناتے ہوئے ماں کی طرف بڑھی، ”وہ  
دوبارہ کمرے میں جانے کا نتیجہ جانتی تھی۔“  
بدرا برا آدمے کے کاؤچ پر آتی پالتی مارے  
ماں کا مطلوبہ نمبر ملا رہی تھی۔ نرگس نے اس کی بد حال  
ایزیوں کو پھرے ڈھنگے طور پر بڑھے ناخنوں کو دیکھا،  
اس کا جی بلکان ہوا۔

”آہ، جانے اس لڑکی کا کیا بنے گا۔“ ادھر کال  
لگنے پر خیر خیریت کے بعد جب باتوں کا سلسلہ شروع  
ہوا تو بدرا حلق کے بل چلاتے ہوئے اپنی بات  
سمجھانے کی کوشش میں ان دو جملوں کو اتنی بار دہرائی  
تھی کہ بات آپس میں کچھ یوں لگڑ لگڑ ہو کر رہ گئی۔

”اماں کہہ رہی ہیں کہ شادی تک باہر کے  
کاموں کے لیے کوئی ذمہ دار بکرا اور صدقے کے لیے  
خاصا صحت مند کالے رنگ کا لڑکا جلد بھجوا دیں۔  
مہربانی ہوگی۔“

”اس، ہائیں!“ نرگس کی گردن جھٹکے سے  
سیدھی ہوئی۔ ”استغفار لڑکی تجھ سے اللہ پوچھے۔  
ارے جملہ تو سیدھا کر۔“

وہ منہ پر ہاتھ رکھے اسے پھٹی آنکھوں سے  
گھورے جا رہی تھی، جملہ سیدھا کرنے کے بعد جب  
فون بند ہوا تو وہ ماں کو تیا ساجد کا جام دے رہی تھی۔

”وہ کہہ رہے ہیں۔ کام والا لڑکا تو بیمار پڑا ہے  
وہ خالہ ذکیہ کے کمرے سے ہمارے گھر رہنے کی بات  
کر چکے ہیں جو شاید پڑھائی کی غرض سے اس شہر میں  
رہتا ہے۔“

نرگس نے اندر بھاگتی بیٹی کو جی بھر کے کوسا جس  
کا جملہ ابھی بھی ٹیڑھا تھا۔

☆☆☆

ان دونوں کا ساتھ اور دوستی اس قدر پر فیکٹ تھی  
کہ ان کے درمیان کسی بھی اچھے برے پر اختلاف یا  
بحث ہوئی تو وقتی ہوئی تھی۔ اگلے دن، ان کے درمیان  
سے وہ کی دھوئیں کی سرس اڑ پڑی ہوئی۔

اس وقت وہ ہول میں نہایت خوش کوار موڈ میں  
من کے ساتھ بیٹھا، نرگس کے کسی مسٹری گیٹ کا  
انکار کر رہا تھا جب عون نے اس ادا کارہ کو دیکھا وہ  
اکلی تھی اور کیسا اتفاق تھا کہ شاید وہ بھی ڈنر کی غرض  
سے آئی تھی، اس کی آنکھیں مسکرائیں۔

اس نے سر جلتی آ رہی وہ ادا کارہ ان دونوں کی جانب  
منجہ ہوئی تو عون نے اپنی پر سنائی کو کچھ اور قند آور  
محسوس کیا۔ وہ اس ابھرتی ہوئی نامور اداکار کو آج کل ہر  
فیشن میگ کے ٹائٹل کی زینت بنادیکھ رہا تھا۔ وہ چہرہ  
اس وقت اس کے سامنے تھا پھر وہ ان کی ٹیبل کے پاس  
رہی۔

”سوری۔“ کچھ دیر ہو گئی۔ ”اس نے بیٹھتے ہوئے  
اپنا پنڈ بیک سامنے میز پر رکھا اور ان دونوں پر مسکرائی  
ہوئی نگاہ ڈالی۔“

ایک دم سے عون کی مسکرائی آنکھوں اور فریش  
چہرے نے رنگ بدلا تو یہ شخص اتفاق نہیں تھا۔ حسن کی  
مسٹری گیٹ ٹھامہ تھی، کچھ دن پہلے باتوں یا توں  
میں ان نے حسن کے سامنے ٹھامہ کی تحریف کی تھی اور

آج وہ اچانک اسے عون کے رو بہ رو لے آیا تھا، اس  
نے اپنے دوست کو کون آنکھوں سے دیکھا، اس نے  
تحریف سے ہٹ کر اس لڑکی کے بارے میں کوئی دوسرا  
جملہ ادا نہیں کیا تھا۔

حسن عون کی اس عادت کو اس کی خوبی سمجھتا تھا  
کہ وہ کسی بھی طبقے کی عورت کو ذاتیات کی حد تک  
ڈس کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اس کا خیال تھا کہ اس  
ڈسکشن سے ہم فردوں کی گفتگو حامیانہ پن کا شکار ہو سکتی  
ہے وہ عورت کی عزت کرنے والا مرد تھا زندگی میں پہلی

بار اسے حسن پر بچ بچ کا غصہ آیا وہ جانتا تھا کہ عورت  
عون کی کمزوری نہیں تھی پھر اس ادا کارہ کو یہاں مدعو  
کرنے کا مقصد کیا تھا، وہ کس ارادے کے تحت اسے  
رو بہ رو لایا تھا۔

اس نے ٹھامہ کے وجود سے نظریں ہٹالیں تو  
اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ چاہے تو اپنی نگاہ کنٹرول  
کر سکتا ہے۔

”اچھا میں اب کل بہت معروف تھی اور ان  
نئی سیریل کے لیے میرے لیے ڈسٹنٹ کرنا بہت  
مشکل تھا۔“ ایک دوسرے سے متعارف ہونے کے  
بعد وہ اس پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے خوش گواری کے  
ساتھ بولی۔ ”جب میرے علم میں آیا کہ یہ ارسل  
آپ کے ساتھ ہے تو میں انکار نہیں کر پائی، اپنی ماں  
اس نے اپنے دوہا صاع میاں کندھوں پر بھری  
کالی لٹوں کو اپنے ماتم ہاتھوں سے گردن کی طرف سرکایا  
اور خوب صورتی سے مسکراتے ہوئے بات کا سلسلہ  
جاری رکھا۔“

”اب ایسا ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہ سہی مگر  
آپ تو میرے ساتھ کام کر سکتے ہیں۔“

اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس نے  
کیسی عجیب بات کی تھی۔ اس کے لب و لہجہ کی دلکشی  
اپنی جگہ گراس بات پر عون کا چہرہ بے تاثر ہوا، اس نے  
حسن پر شکایتی نگاہ ڈالی۔ وہ ہمیشہ سے اپنی مرضی کا  
مالک تھا۔

”میں محض اسے ایکسکوز کر چکا ہوں، سو پلیز۔  
اس ٹاپک پر میں مزید بات چیت نہیں کر سکوں گا۔“ وہ  
جو نگاہ کو قافا میں رکھ کے بیٹھا تھا، اپنی آواز میں چھپی  
برہمی پر قافا نہیں رکھ پایا۔

”ایکسکوز می!“ اگلے سیکنڈ انہوں نے اسے  
کری چیوڑتے دیکھا ان کے چہروں پر ہجرت تھی، بے  
یقینی تھی۔ ٹھانسی کی پوری بات سننے بعد وہ ریٹ روڈ کی  
طرف جا رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ ہال کی میزوں پر بیٹھے  
لوگ صرف ٹھامہ کو دیکھ رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ وہاں آیا تو دیکھنا سارو  
کر رہا تھا۔ حسن ٹیبل پر اکیلا تھا۔

”تمہارا دوست ہوں اسی لیے تمہارے ساتھ  
ہوں۔ ایرول غیروں کی طرح تمہارا ڈنر چھوڑ کر نہیں  
جاسکتا۔“ وہ چھری کا شکار تھ میں لیتے ہوئے بالکل  
نارمل لہجے میں بولا۔ حسن نے اس کو قائلانہ نظروں سے  
دیکھا۔

”دوست ہو!“ اس نے یہ سب برداشت کر گیا



کیونکہ میں تمہارے اس سلطانی اپنی بیوہ کی وجہ جانتا ہوں، تم لیڈر ہو، تم سب سے آگے کھڑے ہو اور تمہارا سر ہر وقت آسمان کو چھوتا ہے اور یہ سب بیماریاں تم میں تمہاری گریڈ ہونے کی بجائے ہیں مگر تمہارا یہ رویہ صحت مند نہیں ہے۔

”اب تم زیادتی کر رہے ہو۔“ وہ گریڈ ہونے کے ذکر پر تلمیلا اور اسے دھیمی آواز میں ٹوکا۔  
”اگر میں زیادتی کر رہا ہوں تو کل ہم اس سٹیٹسٹ کے پاس چلتے ہیں جہاں تمہارا گریڈ باقاعدہ سیشن لیتا تھا وہ بھی عمر کے آخری حصے میں۔“ اس نے سوچا ضرور مگر کہہ نہیں سکا اس نے ایک دوسری بات کی۔

”اس معاشرے میں قد آور ہونا تمہارا اپنا کمال نہیں ہے اگر تمہاری تربیت نگار آئی کی گود میں ہوتی تو اس بات کو سمجھ سکتے تھے، اب تو یہ حال ہے کہ تم ایک عام انسان کے کریکٹر میں ایکٹنگ تک نہیں کر سکتے۔ اس جیلے میں کچھ تھا، جو اسے بری طرح سے چھپا، پہلے بھی حسن نے اس انداز میں اس کی خامیاں نہیں گنتی تھیں۔ اس تمام گفتگو میں وہ اس کے غصے سے محفوظ ہو رہا تھا مگر اس تربیت والی بات نے اسے

دیکھا، وجہ تنازعہ وہی سیریل ٹھہری تاکہ تم بات کو سمجھا پھر اس کا ڈھابے تک لے آئے ہو۔“ اس کی ٹون طنز پر ہوئی۔

”بالکل بھی نہیں۔ وہ بات میرے آفس میں ہی ختم ہوئی تھی اس نے مدافعت انداز میں ہاتھ اٹھا بھی تمام نے کہا تھا۔ میں وقت نکال سکتی تھی۔ وہ کسی سنگری میوزک ویڈیو میں اپنے ساتھ انہیں تمہارا نام آفر کر چکی ہے۔ اس کے خیال میں تم دونوں کے ایک ساتھ کام کرنے سے اس میوزک ویڈیو کی ریٹنگ آسمان پر باتیں کرے گی۔ کل رات اس نے مجھ سے بات کی اور تم سے ملنے کا پروگرام بھی اس کا تھا۔“

ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ نیچا اس کا جسم ہوا

تھا، وہ اب ڈزیر کرنے کے موڈ میں تھا ان کی ٹیبل پر خاموشی مگر ابھی تھی، اگلے منٹ عین نے بھی بالکل اسی کی طرح پانی کا گلاس اٹھا کر ایک ہی سانس میں خالی کیا مگر اس کی شرمندگی کم نہیں ہوئی۔

☆ ☆ ☆  
”ابھی تک تو اس ملک میں ڈاک کا نظام ٹھیک نہ تھا تو بس دیکھ لیتا۔ اب اماں اور ان کی سہیلیوں کی بدولت پھر سے دواں دواں ہونے والا ہے۔ وہ نصف درجن کارڈ ایک بوسیدہ ڈائری اور ایک عدد خط ٹیبل پر پڑے ہوئے منہ بسور کے بولی، بستر کی چادر جھاڑی صباہ نے اس پر تیز نگاہ ڈالی۔

”مجھے بھی لگتا تھا کہ اس شادی کی بدولت تم جیسی کام چور لڑکی بھی کچھ رواں دواں ہو جائے گی مگر افسوس اس ڈزیر کام کے لیے جس طرح تم نے بھائی کو تنگ کیا ہے تو تمہیں کیا ہوں، یہ پانچ سات کارڈ لکھ لیا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“ اسے سخت لہجے میں ڈانٹتے ہوئے اس نے تاکید درست کیا اور لیٹ گئی۔

اس کی ناراضی نے بدرا کی تلمیلا ہٹ میں اضافہ کیا۔

”کارڈ لکھنا جان جو کھوں کا کام نہیں مگر اماں کے اس اندھے اور میں ان کے لاتعداد رسالوں میں سے اس ہاتھ بھری ڈائری کو ڈھونڈنا کچھ آسان نہیں تھا، اوپر سے ان کا آرڈر ہے کہ ان دعوت ناموں کو تڑکنے ہر حال میں پوسٹ ہونا چاہیے۔ اب میرا وقت ضائع ہوا کہ نہیں۔“

وہ پھولے منہ کے ساتھ روہانی ہو کر منہائی، اس کی بات اور اس کے انداز پر صباہ کے اندر اک اباں سال اٹھا۔

”یہ جو دن بھر تم نے پرندوں کی رکابیوں پر چڑھا تھا وہاں پر اور مرغیوں کے ڈیروں پر مینا کاری کی ہے۔ کیا یہ وقت کا زیاں نہیں تھا۔“

ایسا اکثر ہوتا تھا کہ اسے سمجھاتے ہوئے وہ اپنے ہی کسی جملے پر چونک اٹھتی، اب بھی ہوا۔ ایف یہ یاد دواشتیں، دماغ کے کسی سفاک حصے کی ساتھی تھیں

ایک تھم میں بیٹھ دوسرے میں برس بٹا کی بیویوں کے کمرے کی ایک پٹ پر بیک بکھیرتے ہوئے ہولی کے فکشن انداز میں مصروف تھی۔  
”ہنہ، تو تم اپنی انرجی اور اپنا قیمتی وقت ایسے بیکے کاموں کے لیے محفوظ رکھتی ہو۔

ابھی کسی آہٹ کے عقب میں آ کر مخاطب ہوا تھا کہ ابھی اس نے پٹ پر بیٹھ کر اس کے پٹ پر بیٹھا ہوا اس کے بغل میں غصے میں چلا گیا کہ اب اس کے پرندوں کا غول پس منظر میں چلا گیا کہ اب اس کے پٹ پر بیٹھا ہوا شاہکار کو عبقری لان میں جا کر دیکھا جاسکتا تھا۔

”اگر میں تمہارا محبوب ہوتا تو جنوری کی ان پچھلے دنوں میں پیچھے لان میں جا کر کھڑکی پر اڑنے ان پرندوں کو سالوں دیکھتا پھر آدھی عمر گزر جانے کے بعد یہ جان ہی لیتا کہ تم نے جو پیٹ کیا وہ تمہیں یا بلبلیں۔“

وہ سنجیدہ تھا مگر اس کے لب لباب میں تھے اس نے بادل سے ہاتھ چمڑاتے ہوئے گہرے سانس بھر کے پھر پھر بدرا کے طے کو بوجھ نظروں سے دیکھا۔  
”لیڈر اب بستر پر جانے سے پہلے سوچ کر لیتا۔“

اس کے لباس پر جا بجا بڑے رنگ بڑے چھینٹوں سے نظر ہٹانی صباہ ایک بار پھر اپنی بات پر سانس ہولی کہ یہ جملہ بھی شناسا تھا وہ یک نخت بہت زیادہ مضطرب ہوئی، اس نے تیزی سے دیوار کی جانب

اپنی روم میٹ کے لیے یہ سنگین تھا کہ اب بات جیت بند۔ بوسیدہ ڈائری کو گھومتی وہ ملگجی سی لڑکی اب میری کر سکتی تھی ورنہ اس نے تو سوچا تھا وہ لی وی ایس کی اور یہ دعوت نامے اس کی آنی لکھے گی وہ کس کے سیدی ہوئی۔ کاش اماں کی سہیلیوں کے پاس ایسٹ فون ہوتے تو وہ یہ کارڈ انہیں وائس ایپ کر دیتی۔

اپنی روم میٹ سے مایوس ہونے کے بعد اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے جب آخری کارڈ کی بائی آئی تو وہ بوکھلا کے رہ گئی۔ اماں کی لاڈلی سہیلی

عابدہ کے شوہر کا نام ڈین سے لکھا تھا۔ اب رات کے بارہ بجے اماں سوچیں گیں وہ ریٹائر ہوئی ابھی یاد نہ ہوتا کہ ان کی یہ سہیلی دو سال پہلے شریف لاپچی ہیں صد شکر کہ اسے ان کے شوہر کا جلیہ یاد تھا اس نے ڈائری کے آخری صفحے کا پہلا ایڈریس پڑھا۔

غلام علی، اولی، ہنہ اس نے سر جھکا۔ وہ بندہ تو اچھا خاصا صاحب دیکھتا تھا اب وہ کسٹ پر آئی، صباہ خورشید، یہ بھی نہیں یہ نام بھی اس کی شخصیت کی نشانی نہیں کرتا۔ ٹیکسٹ، سنگین شاہانے، بڑے بڑے بولے نہیں، وہ تو اونچا لہجہ میں مومچوں والا جارحانہ کا بندہ تھا، بقول اماں کے ان کا ایڈریس آخری صفحے پر ہی تھا۔ بالآخر مارکر کی نوک آخری سوار پر رکی۔ ”جلال عالم“ اس کی آنکھیں چمکیں۔

وہ آخری دعوت نامہ تھا جس کی بیٹھ پر جلال عالم کا ایڈریس رقم ہو رہا تھا۔ نرس نے جو سہیلی کے نام خط لکھا تھا۔ اسے کارڈ میں ڈالتے ہوئے وہ جی جان سے مسکرائی۔

”تم ظہار محبت کی حد ہے بھئی۔“ اس کی آواز چبکی، ”لگتا ہے اماں نے فیروز جمال کے حصے کی باتیں عابدہ خالہ کے خط میں لکھوا ڈالی ہیں۔“  
یہ ایک کلکھلائی ہوئی خود کلامی تھی جو دیوار کی جانب کروٹ کے بل لٹھی صباہ پر شعلے کی مانند گرئی۔  
آہ۔ اس نادان کو کون سمجھائے کہ کسی کے حصے کی باتیں کسی دوسرے کے کھاتے میں ڈال دینا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ ایک الگ تجربہ ہوتی ہے جو کسی دوسرے تیسرے کی سمجھ سے قاصر ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆  
”میں اپنی جن فرینڈز کے ساتھ اچانک پرکھائی ہوتی ہوں، چند دن پہلے انہوں نے مجھ سے کہا کہ جن مسائل کو حل کرنے کے لیے تم دوسروں کے دروازے دستک دیتی پھر رہی ہو اس کام کی ابتدا انہیں اپنے گھر سے کرنی چاہیے تھی۔“

اس کے ساتھ جلیبی عینی نے ان جملوں کا استحباب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ وہ اس کا مزاج جانتی تھی، وہ



نہایت کم گھٹا اگر وہ اس سے سو سال لڑی تو اسے صرف دس کا جواب ملتا ماہ اکتوبر کی خوش گوار ہوا کو بے لکڑی سے محسوس کرتا محسن اس کی بات سن کر ایک دم سے رکھا۔

”میں کچھ سمجھا نہیں“ اس کے انداز میں حیرت تھی، اس نے ساتھ گھڑی لڑکی کو دیکھا وہ جانتا تھا اس کی چھوٹی زاد کنز یعنی اور اس کی فرینڈز شہر کے مختلف علاقوں میں سیمینار منعقد کر کے وہاں اپنی ڈی پیٹ میں ان مڈل کلاس عورتوں کے حقوق کی بات کرتی تھیں جن کی علیحدگی یا ڈائٹوراس ہو چکی تھی مگر ان کے سرالیوں نے آئینس یا طاقت کی بنا پر انہیں ان کے شرعی اور قانونی حقوق سے محروم رکھا ہوا تھا ان سیمینارز کی سوشل میڈیا پر کوریج کے ذریعے غائب سسرال اور کمزور عورت، دونوں پارٹیوں کو متوجہ کرنا مقصود تھا۔

وہ کئی بار عالم ولا جا چکی تھی مگر وہاں عمن سے ملاقات نہیں ہو سکی تو آج وہ اسے مطلع کر کے جم چلی آئی تھی۔ وہ واقعی میں کچھ نہیں سمجھا تھا یا انجان بن رہا تھا۔

یعنی نے اسے سراٹھا کر اور آنکھیں سکڑا کر دیکھا، وہ اپنے تمام کمزور میں نمایاں اور الگ شخصیت کا حامل تھا۔

”میں اس کی بات کر رہی ہوں، جس عورت کو کئی سالوں سے تم لوگوں کے اٹاٹوں یا ماہانہ انکم میں سے چھوٹی کوڑی تک نہیں ملی۔“

وہ بات کا آغاز کرتے ہوئے جبراً مسکرائی، مگر وہ یہ عمل جبراً ہی نہیں کر سکا۔

”تو تمہیں یہ بات جواد عالم سے کرنا چاہیے۔“ اس نے بات کو سمجھتے ہی وہ جان پہچان سے عاری لہجے میں گویا ہوا۔

میں نے اسے تاسف سے دیکھا۔ اپنے مقام پر کھڑے عمن کو علم ہونا چاہیے تھا کہ اس کے قدموں کے نیچے کئی ان لکڑی پائیکلز کے نیچے ہی وہی زمین تھی جو ہر خاص و عام کو میسر تھی، وہ اس کے جواب پر حیران نہیں ہوئی، وہ اس ٹاپک سے الگ تھا تو وہ

وجہ جاگتی تھی کہ کیوں تھا۔ جواد عالم جیسے خانہ بدوش بندے کو اس معاملے کی تشہیر سے کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر کہیں ضرور پڑے گا، تم شو بزنس سے، انڈسٹری سے وابستہ ہو تو میں نہیں چاہتی کہ ہمارا یہ گھریلو مسئلہ بھی میڈیا لائبریا بریکنگ نیوز میں اچھالا جائے تو اسے میری ریویو میں سمجھتے ہوئے اس معاملے کو حل کرو پلینز اب کرنی (نانو) کی طرح یہ مت کہنا اگر ان کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی تو وہ اس جنرل کی پراسنٹس کرنا چاہتے تھے کہ ذریعے بات کیوں نہیں کرتیں۔“

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر آہستگی سے گویا ہوئی، وہ اسے دیکھ کر رہ گیا قبول کرنی کے اس کی حق تلفی کہاں ہوئی تھی، وہ اپنے ساتھ کروڑوں کی مالیت کے زیورات لے گئی تھی، وہ دیکھ رہی تھی کہ کسی نہ کسی بات پر اس کے چہرے کا تاؤ ڈھیل پڑا تھا، جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں وہی کرفرتھا۔

”میں نہیں جانتا، تمہارے نزدیک کون غلط ہے کون درست۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میرے گریڈز کے ایک جذباتی اور غلط فیصلے سے وہ لڑکی اپنی دنیا چھوڑ کر ایک الگ دنیا میں آ گئی تھی، وہ یہاں ایڈجسٹ نہیں کر پائی تو واپس چلی گئی، اس سے میری ماں کو یا تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔“

جینز کی جیبوں میں ہاتھ گھسا کر آسمان کی وسعتوں کو دوپچی سے تکتا وہ جیسے کسی انسان کی گھٹن کی پرندے کی بات کر رہا تھا۔ وہ شاکرہ کی اور جواد فرماؤ کے رشتہ تھا اور اس رشتے کے ٹوٹنے کی تکلیف تھی اسے اس سب کی واہ ہی نہیں تھی۔

اسے جو کہنا تھا۔ وہ کہہ چکا تھا۔ یعنی کے زور پڑتے چہرے سے بے خبر آنے والے وقت سے بے خبر اور گزر چکے وقت سے بھی بے خبر،

☆☆☆  
”بس از شو شاکنگ۔“ وہ بمشکل اتنا ہی بول پایا۔ نگار نے اس کی نگاہ اس کے خوب رو چہرے پر لگی تھی وہ جیسے کہیں تھا بالکل ساکت و صامت تھی ہی دیر بعد

ان نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلنے ہوئے بیٹے کا کندھا چھوا تو عمن کے سفید پڑتے چہرے نے اپنا ہل رنگ پکڑا۔  
اب وہ ماں کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ لڑکی کی دلی نہیں تھی، اب یہ ماں کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ یہ عجیبی طور پر ہوا ہے تو یہ ماں کی مائی گئی دعاؤں کا نتیجہ تھا مگر بدلت سے تڑپ کے معاملے میں ماں کے اندر اتنی کسی دوسرے کے معاملے میں وہ اپنے ہی اس سوال پر الجھ سا بدلت، تڑپ کیوں تھی وہ اپنے ہی اس سوال پر الجھ سا گیا۔

وہ اپنی دادی کی سمجھ بوجھ اور جہاں دیدگی کا قائل تھا۔ وہ اس کی شخصیت سے اس قدر امیر لیس تھا کہ اپنی ماں کو ان عورتوں میں شمار کرتا تھا جن کو کبھی ایڈجسٹ پر اپنی ماں کو غلط ثابت کرنے کی صورت نہ ہوتی ہے اس وقت وہ دونوں ایک دوسرے کو بخجید کیے دیکھ رہے تھے یہ روئین کی گفتگو نہیں تھی کہ وہ مسکرا کے موضوع بدل دیتا۔

”اس کا رڈ یہ درج ایڈریس ہمارا ضرور ہے لیکن اس میں موجود خط ظاہر کر رہا ہے کہ یہ سی فلفلفی کا نتیجہ ہے پھر آپ کس سلسلے میں وہاں جانے کا سوچ رہی ہیں۔“ ہلے بھی اس رشتے کا بھجایا ختم کیا تو ان لوگوں کی رو پوچھی نے کیا تھا۔ اب بھی انہوں نے یہ راستہ نہیں دکھایا۔

وہ جب ہاتھ میں پکڑا کارڈ ٹیبل پر پھینک رہا تھا تو اس نے ہاتھ کی ہرگ تھی ہوئی تھی، اسے بیٹے کی سوچ پر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ آج بھی ان لوگوں کو اپنے خاندان کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹیبل پر چھٹے گئے کارڈ کو کسی خزانے کی طرح ہاتھ میں لیا، وہ آج بھی اس روپوش شدہ خاندان کو اپنی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”انسان بڑی عجیب شے ہے، وہ بہتر سے بہترین کی تلاش میں آگے بڑھ جاتا ہے۔ ہر کوئی آپ کی طرح برسوں ایک ہی نکتے پر ٹپک سوجتا۔ کچھ دیر بعد عمن نے نرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بات آئی گئی

کرنا چاہی۔  
”اگر انسان کو بہترین مل جائے تو وہ بھر جاتا ہے جیسے کہ ہمارا جواد اور شاید وہ لڑکی بھی کہ ان کے رواج کے مطابق۔“ وہ اچانک سے خاموش ہوئی۔  
وہ دھوک سے کہا کہ کئی گز میں ماہ و سال حائل تھے۔ اس اور دوسرے جگہ اس نے سراٹھا کے اس کو دیکھا۔ کاش اس کی ماں بھی اس کی دادی کی طرح مضبوط اور پرفیکٹ عورت ہوئی۔  
”سب کو لگتا ہے کہ وہ دھنار کھنے کا شوقین ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اس آوارہ گردی میں وہ اپنی عمر ضائع کر رہا ہے۔“ اس کی آواز نرم ہوئی۔  
”فارگاسک بھی آج کا انسان کسی کے لیے زندگی ضائع نہیں کرتا۔“ وہ ان کی جذباتیت پر تھلا اٹھا۔ ”آپ یقیناً غلط نہیں کا شکار ہیں کہ انکل جواد کی کا جوگ لے کر بیٹھے ہیں۔ ہمیں کیا پتا، اس تمام خرابے میں انہوں نے اپنی زندگی بھر پور طریقے سے انجوائے کی ہو۔“

اس نے ٹیبل سے فون اٹھا تے ہوئے ان کی ڈبڈبائی آنکھوں سے نگاہ چرائی۔ وہ انہیں کیسے سمجھاتا کہ مرد آگے نہ بڑھنا چاہیے تو اپنا سفر روک سکتا ہے مگر ایسی پجوشن میں عورت حالات یا کسی دباؤ کا شکار ہو کر اپنی منزل بدل سکتی ہے۔  
”اب ان سے مکمل ملاپ کا کچھ فائدہ نہیں ہے ماں! بلکہ ہماری پوری فیملی دوبارہ سے اپ سیٹ ہو جائے گی۔“

اس پر فائدہ اور نقصان واضح کرتا ہوا وہ باہر نکل گیا۔ دونوں ہاتھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی، وہ ان مردوں میں سے نہیں تھا جو عورت کے آنسوؤں سے زیر ہو کر کوئی بھی فیصلہ کر گزرتے ہیں۔

☆☆☆  
پورے دن میں ان کے کام کا وقت الگ آ جائے تو یہ ہذا حرام بمشکل چار گھنٹے ہاتھ چلاتے ہوا غمے اور پھیلاوا تو دیکھو کہ سینے سے سیٹے جوڑ دکھ جا۔



جوابت ہوئے تھے مگر تیرے ابا سے کب برداشت ہوتا تھا کہ ان کا دوست کسی دوسرے کی دکان سنبھالے۔  
 ”وہ بات سب کی ختم ہو چکی۔ اب کی کو یاد بھی نہیں ہوگا۔“  
 فخر مختصر جواب دیے کہ خاموش ہو جاتا مگر اباں خواہ مخواہ بات کو بڑھا رہی تھی۔  
 وہ دو چار دن کا رشتہ اگر بدرا کے علم میں آج آیا تھا تو ذکیہ خالہ کا بیٹا بھی اس رشتے کے جڑنے اور ٹوٹنے سے بالکل بے خبر تھا لیکن یہ بات نرس کو کون سمجھاتا۔ جس معاملے کو وہ فی الوقت التوا میں ڈال چکا تھا شاید اسے فی الفور حل ہونا تھا یا یہ نگار بیگم کی خوش مرادی کا دور تھا کہ وقت بھی جیسے اس کا ساتھ دینے پر تعلق تھا۔ ایک ہی روز ایک فیملی کنکشن اینڈز کرتے ہوئے اس پر واضح ہوا کہ ان کا وہ گھریلو مسئلہ جیسے کوئی پبلک ایڈیٹور تو عوام عالم شاکر رہ گیا، وہاں ان سے مخاطب ہونے والوں کی ہنڈرڈ پر سنسٹ گفتگو جواد کو بے چارہ ثابت کر رہی تھی اور ان کو غاصبوں کی لسٹ میں ڈالا جا رہا تھا جو اس کی گریڈز مدر کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے، اب ان کی وفات کے بعد انہیں جتایا جا رہا تھا کہ جلال کی فیملی جواد عالم کی پرانی بی بی پر ہاتھ صاف کرنے کا خواب دیکھ رہی ہے۔  
 عون کے پاس ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ بس سرد نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔ ان کا خاندان ان سب کے متعلق اس طرح کی باتیں کہے سوچ سکتا تھا۔  
 واپسی کا سفر اس نے بڑبڑاتے ہوئے کڑھے ہوئے اور لوگوں کی ذہنیت پر بلاتے ہوئے طے کیا مگر نگار بیگم نے یہ سفر گہری خاموشی کے ساتھ طے کیا۔  
 ”اب چھوڑ دو“ چلو غصہ صوک دو۔“ وہ اس قسم کے جملوں سے اس کا اضطراب کم کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ اگر وہ اس کو شہنشاہ کرنے کی کوشش کرتی تو شاید گھر آنے تک وہ سنبھل چکا ہوتا، اس کا بیٹا کہتا تھا اگر وہ جذباتی قسم کی نہ ہوتی تو اس کا شمار دنیا کی ذہین ترین عورتوں میں ہوتا۔

جس کے خالی ڈبے ایک بوری میں ٹھونے ہوئے حسب معمول وہ مسٹریوں کے جاتے ہی شروع ہو چکی تھی، بدرا کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتا فخر چونکا، وہ گھر میں ایک ضروری بات بتانا بھول گیا تھا۔  
 ”ساجد تیار ہے تھے کہ ذکیہ خالہ کا بیٹا بھی انٹرویو کی تیاری کے سلسلے میں آج کل پھر سے ہاسٹل میں رہتا ہے، تبا نے اس سے بات کر لی ہے ان کے اصرار پر ایک دور دراز تک وہ یہاں آچکے گا۔“  
 فخر کے لب دلچسپی میں ٹھکی لی بے فکری نے بدرا کو اندر تک شانت کیا۔ ایسے فائل سسر کے بعد بھی فراغت نصیب نہیں ہوتی تھی۔ نرس جو سارا دن اسے مسٹریوں کے سر پر سوار رکھتی تھی، اب وہ سارا دن سکون سے لی دی تو دیکھ کے گی، دوسری جانب اسی بات نے نرس کے سکون کو تہہ و بالا کیا۔  
 ”میں کہتی ہوں ساجد بوڑھا ہو گیا ہے۔ سنبھال گیا ہے ورنہ ذکیہ کے بیٹے کو اس گھر کا راستہ نہ دکھاتا۔“  
 خالی ڈبوں کی قیمت کا حساب کتاب لگتی نرس کا بیٹے کی بات سن کر سارا حساب کتاب ٹپٹ ہوا۔  
 ”کیوں ذکیہ کے بیٹے نے ایسا کیا کیا ہے، یاد کریں، جب ابا زندہ تھے تو آصف چچا (ذکیہ کے شوہر) کا کس قدر آنا جانا رہتا تھا۔“  
 ”مجھے سب یاد ہے، مجھے یہ بھی یاد ہے میری بدرا بیٹے بھر کی جی جب اس کا رشتہ ادھر طے ہوا تھا، چار دن اندر آصف چچا ساری دکان پر بیٹھ گیا تو تیرے ابا نے بات ختم کر دی تھی تو ان کا وہ آنا جانا تب ہی ختم کیا تھا۔“  
 اب وہاں صورت حال ایسی تھی کہ اس گفتگو پر ان کھڑی بدرا آنکھیں پھیلانے لگی تھیں مگر تو کبھی کی کاچہ وہ کھڑی تھی۔  
 ”سہ ابا کی خواہ مخواہ کی چوہدری تھی وگرنہ فخر چچا کی کہاری نہیں اپنے آبا کی ساری دکان پر بیٹھتا، فخر ان کے حق میں بول رہا تھا۔“  
 ”بھلے وہ ایک شاہکار کھڑنے والے کا ریکر

اس نے گاڑی میں بیٹھے ساتھ ہی جواد کو ٹیکسٹ کر کے چیک کر لیا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے نگار کی خوش قسمتی تھی کہ وقت اس کا ساتھ دے رہا تھا وہ فیملی کنکشن اینڈز نہیں کرتا تھا، آج وہ ڈرائیور کو چھٹی پر بھیج رہا تھا۔  
 بعد اصرار ساتھ لائی تھی وہ جانتی تھی کہ اس کے لیے کی لائف گھر سے باہر گزری ہے، اس کے پاس لوگوں کی باتوں کے جواب نہیں تھے سو وہ خاندان والوں کے سوالوں کے جواب اس سے ضرور مانگے گا جو اس وقت گھر کے لیونگ روم میں موجود تھا۔  
 ☆☆☆  
 آج وہ گھر آیا تو زندگی میں پہلی بار اسے جواد کی خاموشی نے بے سکون کیا، نگار کی کسی بات پر مسکراتا ہوا وہ گہرا شخص اپنی زندگی سے خوش تھا یا کہ ناخوش مگر اس کے علم میں ہونا چاہیے تھا کہ اس کی فیملی پر اس کی وجہ سے انگلیاں اٹھ رہی ہیں سو وہ کسی دلی بحث کا سہارا لیے بناوڑائی مدعا پر آ گیا۔  
 ”گھر بننے اور ٹوٹنے رہتے ہیں۔ آپ کے ساتھ کچھ انوکھا تو نہیں ہوا تھا تو آپ نے زندگی کو سوالیہ نشان کیوں بنا رکھا ہے۔“  
 بات کے اختتام تک وہ آواز کی تیزی پر قابو نہیں رکھ پایا تو جواد نے اسے ہمہ الجھنے کے ہاتھ دیکھا جیسے کہ ٹون نہیں اس سے مزجلال بات کر رہی تھیں۔  
 ”پہل یہ کہ آپ کئی سالوں سے سنگٹل ہیں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ ابھی تک اسی وژن کا شکار ہیں کیا یہ سچ ہے؟“  
 وہ اس سے ایک حد تک بے تکلف تھا اور یہ سوال مدے سے باہر تھا کہ بلیک شرٹ میں بیٹوں تھے پر اچھے بالوں سمیت وہ شخص چونکا۔  
 ”میں نہیں جانتا تھا کہ یہاں صرف فیملی میں پران کوئی بریکٹ سمجھا جاتا ہے سو پلیز یہ جوک نے سنگٹل مین کو گوالی شرٹ پہن رہی ہے تو جان لیجئے کہ یہ میرے اور میری ماں کے لیے مسائل کھڑے کر رہی ہے، اب اس کو اتار دیجئے پلیز۔“  
 نگار کی توقع کے مطابق وہ سلگ کے گویا ہوا۔

جواد نے سیاہ شرٹ کی آستین فولڈ کرتے ہوئے اس بے درد مشورہ نواز کو نظر بھر کے دیکھا۔ اس نے یہ راز آج ہی جانا تھا کہ اس کی ماں اس گھر میں اپنے مزاج کا ایک مرید چھوڑ گئی تھی اور یہ براہو تھا۔  
 اس نے نظر کا زاویہ بدلا تو نگاہ جس چیز پر پڑی وہ ایک کالج نما ڈائری میں جمل تھا جبکہ وہ ماں بیٹاں کا چہرہ دیکھ رہے تھے، اس کی جانب سے کسی ایسی بات کے منتظر کہ عون، محسن اور عینی کوئی مثبت جواب دے سکتا، اور نگار پیچھے مڑنے کی بجائے چھوڑ گئی۔  
 مگر اس دو پہر جیسے شخص کی خالی نگاہ ہنوز وہیں تھی جہاں اس کا کالج کے دروازے پر ایک جالی دار پردہ ساکن تھا۔ اندر خاموشی تھی، تنہائی تھی مگر روشنی بھی تھی گویا اندر کوئی کھڑی تو کھڑی تھی، بالآخر کسی لمال میں گھر کے اس شخص کی خاموشی ٹوٹی۔  
 ”تمہارے مشکل سوالوں کا میرے پاس کوئی آسان جواب ہے تو یہی ہے کہ میں اپنی آخری سانس تک تنہائی جیسی سزا کا حق دار ہوں۔“  
 لکڑی سے بنے کالج کے دروازے پر پڑے پردے کے عقب سے جھانکی لاری ڈول پر سے نگاہ بنا کر بولا تو اس کے لب دلچسپی میں دھوپ سی دھکی تھی۔  
 پھر انہوں نے اسے وہاں سے جاتے دیکھا، عون کے چہرے نے رنگ بدلا۔ جواد اپنے جواب میں ایک مشکل سوال چھوڑ گیا تھا۔  
 سزا کا حق دار تو قصور وار ہی ٹھہرایا جاتا ہے جبکہ عون کے نزدیک خطا وار کوئی اور تھی اگر جواد عالم قید تنہائی کا رہا تھا تو کیوں؟  
 اس نے گہرا سانس بھرتے ہوئے سر کو صوفے کی بیک پر گرایا تاہم اس کے چہرے پر چھائی ایک فیصلہ کن کیفیت نگار بیگم کو شانت کر رہی تھی اس کی مرحومہ ساس کی طرح عون کو بھی کئی مٹی کی مہک سے الگ تھی اور وہ اسے بارش کے پہلے قطرے ڈھونڈنے پر آمادہ کر رہی تھی۔  
 ☆☆☆  
 زندگی ہماری مرضی کی تابع نہیں ہوتی، اسی طرح







مالکوں تک پہنچا دینا جناب۔  
ایک موٹی رسی اس کے ہاتھ میں تھما دینے کے بعد اسے حق حالت میں جھوڑ کر وہ اپنے لوڈ رکشے کی طرف مڑ گیا عین اس کی حرکت پر بری طرح بوکھلایا کہ اس رسی کا دوسرا سرا ایک بکرے کے گلے میں پڑا تھا۔

”اوہ ہیلوانکل بات سنیں۔“  
اس کا حلیہ، کپڑے، جوتے ہر برائے اس کی پوزیشن واضح کر رہا تھا، وہ رکشے والا کیا اندھا تھا لیکن اگلے لمحے اس کے ساتھ جو ہوا وہ بھول گیا کہ وہ پلٹ کر لوڈ رول لے کا دماغ درست کرنے والا تھا۔  
اس سال خوردہ عمارت کو رنگ کرنے والے مسٹر کا برش چلنے کی دیر بھی اس کا حلیہ، اس کی پوزیشن بل میں بدل چلی تھی اس نے بالوں سے ٹپکتے سر کی رنگ کے ساتھ اک نظر اپنی جین پر دوسری آف وائٹ شرٹ پر ڈالی۔

اس نے پیش کی حالت میں سر اٹھایا اس رنگ ساز کے ہاتھ میں جوڑا تھا۔ وہ اب خالی ہو چکا تھا۔  
”سوری بھائی صاحب غلطی ہو گئی۔“ سیرجی کے آخری پائیدار پر چڑھا وہ دانت اندر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ عین اس سے بھڑتا دفعتاً دروازے کا پٹ کھلا۔

”جی فرمائیے۔“ لڑکی نے باہر جھانکا، وہ اگر نروس ہوا تو یہ بے ساختہ عمل تھا کہ ایسی صورت حال پر لڑکیاں حلق چھا کر ہنستی ہیں یہ حیران کن تھا کہ مقابل کھڑی لڑکی نے اسے دکھ کے منہ بنایا۔

”اگر تم اس مسٹر کی شکایت لگانا چاہتے ہو تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ لیکن تمہیں اس سے بدلہ لینے کی پوری اجازت ہے، اس کی سیرجی جھنجھوڑو، بھیلے توڑ ڈالو۔“

بدرانے دروازے سے گردن نکال کر مسٹر کی کھوڑا جو اس کی اجازت پر پیلا پڑ چکا تھا، وہ بچے کی۔  
مجھے اس کی شکایت نہیں لگائی، دراصل میں تو۔ اس آکورد پوزیشن میں وہ گڑبڑا کر رہ گیا، جبکہ

کہ وہ نیاز صاحب کے کسی دیرینہ دوست کا پوتا ہے یہاں کس چیز سے آنا ہوا تو دادا نے فرمایا تھا کہ نیاز صاحب کی ٹیکسی سے ملے آنا۔

اسے یہ سب ذہن نشین تھا، اب اس رنگ زدہ حلیے کے ساتھ ذہن جیسے خالی ہو چکا تھا جس طرح انہوں نے جواد کو اس شادی کا ڈک کی بابت کچھ نہیں بتایا تھا تو فی الوقت وہ صباہ نیاز سے بھی اپنی شناخت کے ساتھ متعارف نہیں ہونا چاہتا تھا۔

”بات تو سنیں پلیز۔“ قبل اس کے دروازہ بند ہو جاتا اس نے دہلیز پر ہاتھ رکھا، اتفاقی طور پر جس ہستی کی رسی اس کے دوسرے ہاتھ میں تھی۔ اس کے مہم، میں، میں کرنے کی دیر بھی کہ بدرائے چہرے کا رنگ کھلا۔

”ہائے اللہ! پہلے ہی بتا دیتے کہ تمہیں ساجد بتایا نے بھیجا ہے، وہ آنا فانا نرم پڑی۔“  
”اپنی کوئی بات نہیں دراصل میں تو۔“ وہ فی الفور یہ غلطی دور کرنا چاہتا تھا۔

”ہاں، ہاں میں جانتی ہوں، تم ملازم نہیں بلکہ ذکیہ خالہ کے بیٹے ہو۔“ وہ اس کی بات کا تھوٹے ہوئے سامنے سے ہٹی۔

کچھ تھا جو اس کے دل و دماغ پر ضرب کی طرح لگا، ذرا دیر کو اس کا حلیہ کیا بدل گیا تھا، اس کی شخصیت ہی گم ہو گئی تھی، اس نے بکرے کی رسی چھوڑ دی، کیا وہ یہاں سے لوٹ جاتا، اسے محسن سے مشورہ کرنا تھا، لیکن فی الوقت تو اسے بالوں سے ٹپکتے اس رنگ سے نجات چاہیے تھی۔

☆☆☆  
اس گھر کے اسٹور میں گرد مٹی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لہذا بدرانے فخر کا پرانا مگر صاف ستھرا شلوار سوٹ خاصی علت میں استری کیا تھا تو وہ دیکھ نہیں پائی وہ ٹیپس کندھے سے ادھڑی ہوئی تھی۔

”مجھے اندازہ تھا کہ فخر بھائی کا سوٹ تمہیں کچھ کھلا اور کافی چھوٹا ہوگا۔“ وہ جب نہاد دھوکہ سانسے آیا تو

صرف سوٹ نہیں تھا، چلو چار دن ہی سہی مگر یہ بدہ اس کے منگیتر کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا اس ہند سے اترا ہوا شخص اس کی طرف متوجہ نہیں تھا اس کی نگاہ صدر دروازے سے آنند رائی صباہ نیاز پر تھی شاید وہ چہرہ اس کی یادداشت میں محفوظ تھا کہ وہ اسے پہچان گیا۔

وہ غریب آئی تو اس کی کلائی میں موجود نگن دیکھ کر اسے یقین ہو گیا وہ صباہ ہی تھی، ایسے نگن اس کی کے ہاتھ میں جمی تھے۔ وہ اس کا حال احوال دریافت کرتے ہوئے اپنائیت جتا رہی تھی، وہ اس کا دل دل بھانجتے ہوئے عجیب سا ہورہا تھا۔

یہ غلطی، یہ رہن بہن، کیا یہ عورت کبھی بھی اس کی رادی، اس کی ماں کی برابری پر آ سکتی تھی، اس کے اندر تپتی وادی نے غرور سے سر اٹھایا۔

غور وہ عہدہ ہے جس کا انجام زوال ہے تھوڑی دیر بعد جس طرح وہ گھر کے افراد کو چائے وغیرہ سرو کر رہی تھی، وہ یقین کر سکتا تھا وہ یہاں مہمان نہیں بلکہ بیٹی کی کلین کی، اس یقین نے اسے خوش نہیں کیا وہ حیران تھا کہ اس کی کیفیات بالکل سیاٹ تھیں۔

”جب تک تمہارا جوتا خشک نہیں ہو جاتا تو انہیں ہلکا کر دو۔“ وہ اس آواز پر چونکا پھر ان جوتوں پر نگاہ ڈالی جو بدرانے اس کے سامنے رکھے تھے، وہ چڑے کی پانی چل تھی جس کی نوکیں تقریباً اڑنے والی تھیں، ہاں کے ساتھ کیا ہورہا تھا، وہ اپنا بیگ گاڑی میں چھوڑ آیا تھا جن لوگوں سے متعلق وہ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا، اب ان کی اترن پہن کے سے شنا تھا۔

”سوبا کہا تھا کہ ساجد میاں کو مخ کر دو اگر کام والا لگا ہمارا پڑ گیا ہے تو کسی بھی دوسرے کو مت بھیجنا اب اس کا بھی ذکیہ غیر ذمہ دار تھی ویسا ہی اس کا بچا، زرا دھوکہ کھو کر کشتے سے اپنا سامان ہی اٹھانا بھول گیا۔

وہ رنگ قسم کی آنٹی جو بکرے اور اس کی ایک ماٹھام پر صرف بکرا دیکھ کر خوش ہوئی تھی، وہ اب

میں سے تھیں۔  
تھیں میں تنگے پاؤں کھڑی بدرا منہ چھڑے کن رہی تھی۔

وہ ایک دم ہی ان آوازوں اس ماحول سے اچاٹ ہوا، یہ سب اس کے مزاج کے برعکس تھا۔ شام کی مدہم پڑی روشنی میں وہ یہ گھر چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتا تھا، تب ہی تھپتھپائی اس لڑکی نے وہاں آ کر برآمدے کی لائٹ آن کی تو روشنی کے چھیلے ہی عین کی اس ٹیپس کے ادھڑے سے اور بالوں میں پہنے ہوئے کی خستہ حالی واضح طور پر دکھائی دی لیکن اس کا زور نہ ٹیچر رابرٹ کہتا تھا جب آپ کی زندگی میں اچانک سب غلط ہونے لگے تو کسی دوسرے سے یا خود سے سوالی جواب مانگنے کے بجائے آپ بالکل خاموش ہو جائیں۔ بالا خرہ خاموشی اپنی زبان میں بتائے گی کہ آپ کے ساتھ یہ کیوں ہو رہا ہے۔ اس نے ہر خراب چیز سے نگاہ ہٹا کر چند گہرے سانس لیے، وہ محسن کو بتانا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے نزدیک ان کا یہ لوڑ کلاس رشتے دار بھی سب بزرگ رہتا تھا۔

وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا جب کلاس کی یہ جمع تفریق ہر طبقے میں موجود تھی تو اس نا انصافی پر صرف اپر کلاس کا برچار ہی کیوں کیا جاتا ہے لیکن چند منٹوں بعد باہر کی گے چوک تک آ کر جب وہ اس سے بات کر رہا تھا تو باقی ہر گتہ شکوہ بھول کر وہ اسے اس پریشان کن چویشن سے آگاہ کر رہا تھا۔ یہاں اس کا نام بھی کوئی نہیں جانتا تھا، فی الوقت وہ ایک پسماندہ گاؤں میں رہنے والی کسی ذکیہ خالہ کا بیٹا تھا جو اس قدر نادان تھی کہ نیاز منزل میں پگا ہوا ٹیلا نمک دھونے لگتی تو زندگی میں پہلی بار پریشان و حیران ہوئی تھی کہ اس نے یہ کیا کر دیا تھا۔

☆☆☆  
”یہ تم پہلے سے ہی ملے کر چکے تھے کہ تمہیں اس فیملی سے فی الوقت ایک الگ شناخت کے ساتھ ملنا ہے لہذا اب تم اس گھر میں کسی بھی حیثیت سے رہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یاد رکھو کہ تم فیوچر کے ایک



زدیں آگئی تھی، ایک نعت اس سے چھن گئی تھی ایک عروج اس سے ردھ گیا تھا۔

☆☆☆

اگر یاقوت کے لیے باعث حیرت تھا کہ اس جیسی ذہین و ملین بیوی کے ہوتے اس کے شوہر کو بیٹیوں کے معاملات میں لگے رہے ہونے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی تو کچھ غلط نہیں تھا۔ جلال عالم اپنی محبوب بیوی کی غیر معمولی صلاحیتوں کا تصور بدل سے معترف تھا بلکہ اس بات کا مکمل کے اظہار بھی کرتا تھا جب ہی تو اولاد کے تعلیمی معاملات سے لے کر ان کی فوجی ملازمت تک شادی بیاہ کے فیصلوں تک اس پر مکمل اعتماد رکھے ہوئے اسے عالم دلا کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا تھا، وہ سیاہ و سفید کا مالک آج کل شوہر کی باتوں پر دنگ رہ جاتی تھی کہ آزادی نسوان کے قابل جلال عالم کا دل اپنی بیٹیوں کے متعلق تنگ کیوں پڑتا جا رہا تھا۔

بیانی بیٹیوں کا بطور مہمان اپنے میکے میں چند روزہ قیام باپ کے لیے فرحت آمیز ہوتا ہے جب یہ قیام طوالت اختیار کر جائے تو والدین چونک اٹھتے ہیں، اس کا دل تنگ نہیں پڑتا تھا، وہ بھی چونکا تھا۔

اس نے یاقوت سے یہ پریشانی سن کر بھی پھر وقتی طور پر اس لیے خاموش ہو گیا کہ انہی دنوں شہود کا رشتہ طے ہونے کے بعد مکمل کی تاریخ رکھ دی گئی تھی لیکن خاموشی کا یہ دورانیہ زیادہ طویل ثابت نہیں ہو سکا۔

کچھ دنوں بعد ایک برس باریٹی میں نظر آنے والے مناظر نے جلال کو ہلا کر رکھ دیا تھا وہاں ایک طرف اس کے داماد دوسری عورتوں کی بچی میں ڈرنیک لے رہے تھے دوسری طرف اس کی دونوں بیٹیاں بدھوش ہوئے غیر مردوں کی کمپنی انجوائے کر رہی تھیں۔

اس دن گھر آنے کے بعد اس نے زمزمگی پہلی باری یاقوت سے درشت لہجے میں بات کی تھی نہیں کہ وہ شوہر کے لب و لہجے پہ بے چین نہیں

ہیں کو کمزور کر رہا ہے۔“ مجھے اندازہ ہے تمہاری ای نہیں جانتیں کہ یہ ہنر بھری چھٹیاں تم ہمارے یہاں گزارو گے بس کچھ دنوں کی بات ہے جیسے ہی مستریوں کا کام ختم ہوگا میری مانو تو زمین پر گدالگا کر بستر بنا دیتے ہیں، اب اتنی سی ہنر میں چار پائی کی جگہ کہاں لنگے گی۔“ ذکیہ کے بچے پر اس نے جیسی بھی نگاہ ڈالی تھی مگر بچے کے آگے اس کا لب و لہجہ درخواست کرنے جیسا تھا وہ ان دونوں کی باتیں سن چکی تھی۔ ان کا مہمان اس طویل دوری کی وجہ نہیں جانتا۔

میزبانوں کے لیے یہ اچھی خبر تھی۔ زنگ کی آنا فانا آمد سے فخر کی بات اور عون کی وضاحت دونوں ادھوری رہ گئیں وقت اصرار کر رہا تھا کہ اسے خاموش رہنا ہوگا۔ وقت کا اشارہ مجھے اس طرح کے نہ کرے کی خالی جگہ کی آنکھوں سے پناش کی وہاں ایک چھوڑ تین چار پائیاں لگ سکتی تھیں، اصل مسئلہ یہ تھا کہ اس لوہے کا کس مہمان کو وہ آگئی چار پائی جیسے پروڈوکول کے قابل نہیں سمجھتی تھیں۔

”آپ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ آپ کہیں گی اور میں ابا کے کسی بھی رشتے دار کو زمین پر بستر لگا کے دے دوں گا۔“

فاخر نے پلٹ کر ماں کو جس سرد انداز میں جواب دیا تو عون اس کے سر پر چہرے کو بس دیکھ کر رہ گیا، وہ اپنے بچے کی حیثیت کو عزت دے رہا تھا یہ اس کی اعلا ٹرٹی تھی مگر عون کے نزدیک یہ سراسر جذباتیت تھی۔ کلاس کے لحاظ سے ذکیہ کا بیٹا بیزو کرنا تھا کہ اس کا بستر زمین پر ہی لگایا جاتا۔

اس کی ایسی باتوں پر اس کی ماں استغفار پڑھتی تھی، اس کی ایسی سوچ پر اس کی دادی استغفار نہیں پڑھتی تھی وہ سمجھتا تھا کہ وادی نے ماں کی نسبت نعمتوں سے عروج سے بھر پور زندگی گزار لی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ کلاس کے اس چکر نے یاقوت کو کس قسم کے زوال میں مبتلا کیا تھا۔ اس کی طاقت، دولت، شہرت، کمال، کا بھی نہیں ہوا تھا اور وہ زوال کی

”ارے اب تک چائے بھی شمع نہیں کی۔“ اے نرمی سے مخاطب کرے ہوئے وہ موڑھا کھینچ کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔ بچوں میں اچھے اس مہمان نے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھائی، لبالب کپ پر گڑی اس کی نگاہ ٹھنڈی پڑی چائے جیسی ہی تھی، وہ جب سے یہاں آیا تھا بالکل خاموش تھا۔

”میں سمجھ سکتی ہوں کہ تائیا نے محض ہماری سہولت کے لیے نہیں زبردستی یہاں بھیجا ہے مگر تمہیں اک مزے کی بات بتاؤں۔“ وہ ذرا آگے کو بھگی ”ہر سزا کی پیکی ہوتا ہے اور قیام اس سفر کی سبکی۔“ وہ اسے ایک بچے کی طرح بھلاتے ہوئے چکا چونڈ لہجے میں ہنسی۔

عون نے سرعت سے چہرہ اٹھایا۔ سادگی سے نکلتی اس عورت نے یہ کیسی بات کی تھی کہ اس کی سوچ میں جھجکا جا رہا ہوا، اس وقت کوئی بے شناخت تھا تو وہ جلال عالم کا پوتا تھا۔

صباحہ نیاز جہاں تھی اپنی شناخت کے ساتھ بہت روشن اور مکمل نظر آ رہی تھی تو کیوں، وہ اس پہیلی کو بوجھے بنا اس گرد زدہ کہانی کو اس عورت کے حق میں کیسے جانے دیتا، وہ اسے دیکھتا ہی جا رہا تھا۔

عالم دلا کے بیش قیمت بیڑوں پر سفید رہن باندھ کر جنگی برید کے کولانے والی وہ لڑکی وہاں ملکہ کا تاج پہن سکتی تھی تو فیصلہ ہو گیا تھا اسے اپنے قیام میں بس خاموش رہ کر تمام حقیقت حال کو صرف خاموشی کی زبان میں جانتا تھا۔

☆☆☆

”میں واضح طور پر نہیں جانتا کہ ہم دونوں گھرانوں میں اس طویل دوری کی اصل وجہ کیا تھی دراصل میں۔“

وہ لگا سا انکا، اسے جملہ مکمل کرنے کو الفاظ کے جنازوں میں توقف درکار تھا، نیاز منزل کی خواتین اس کے متعلق جس غلط فہمی کا بھی شکار ہیں وہ اپنی جگہ لیکن اس گھر کے واحد مرد سے ملنے کے بعد وہ ٹھوڑی سی تمہید کے ساتھ اس کی غلط فہمی کو دور کرنا چاہتا تھا۔

”وجہ کچھ خاص نہیں تھی، یہ ضد اور انا کا بخار

برائے اشارہ ہو۔ سو پوچھا انجوائے دس کریکٹر۔“ وہ اپنے اندر پھونٹی مسرت کو کنٹرول کرتے ہوئے نازل سے انداز میں گویا ہوا تھا لیکن اس کی رگ، لگ سے واقف عون باخبر تھا۔ حسن کے خیال میں اس کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کہ بطور خاص اس انعام یافتہ پاؤل کے لیے لکھوایا گیا اسکرپٹ اس کی بدھشت کی آفس ٹیکل پر آج بھی اس کا منتظر تھا۔

وہ جانتا تھا کہ عون جب کسی معاملے کو ہاتھ میں لیتا ہے تو پھر اسے ادھورائیں چھوڑتا، حیدر آباد کے ہندوانہ طرز تعمیر پر بنے اس محلے میں اسے جن حالات کا بھی سامنا رہتا، اپنا کام انجام دینے تک اب اس کی واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

”تمہیں یاد ہے اکیڈمی کے علاوہ بھی اکیٹنگ کے چھپتے گر سکھنے کے لیے ہم ہر کامیاب مووی اور ہر بہت چھتر دیکھنے جایا کرتے تھے۔ میرے ذہن میں اس کا نام تو نہیں آ رہا مگر تمہارے ساتھ جو ہوا ہے، سب جاننے کے بعد مجھے تمہاں اور سستی کا وہ چھتر ملے یاد آ رہا ہے جو ہم نے کوئی پچاس بار تو ضرور دیکھا ہوگا جہاں ایک۔“

اب یہ مت کہنا تم تمہاں کی اکیٹنگ اور میں اس حسین بی کو دیکھنے جاتا تھا۔

عون نے اس کی بات کاٹ کر جس طرح دبی آواز اور تیز لہجے میں اپنا وقار کیا تو جواب میں حسن کا جان دار قہقہہ بی الوقت وہ انور نہیں کر سکتا تھا اس نے فوری طور پر کال کاٹ دی۔

یقیناً یہ حسن کی کسی ٹھنڈی آہ کا اثر تھا وہ اس کے لیے ایک ڈھابے والے کا کریکٹر ایکسپٹ نہیں کر رہا تھا اور اب اپنا مطلب نکالنے کے لیے جانے وہ کس قسم کی اداکاری کا سہارا لینے والا تھا۔

دوسری جانب اسے آفس میں اس کی سچویشن پر محفوظ ہوتے پروڈیوسر کو یقین تھا کہ فیوچر کا یہ سپر اسٹار اب دوبارہ نیاز منزل میں یوں داخل ہوگا جیسے وائی اسے یہاں تائیا جاد نے بھیجا تھا۔

☆☆☆







میں اس وقت تک جی کی خدمت پر مامور رہتا ہوں گا جب تک وہ۔ وہ اسے سب کچھ بتانا چاہتا تھا مگر نیند کے غلبے نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

جانے یہ نئی جگہ کے اثرات تھے یا پھر وہ کسی کھٹے کی بنا پر بیدار ہوا تھا جو بھی تھا تو ڈی دیر بعد فاخر اس کے کمرے میں نہ جھانکتا تو حسب عادت وہ کچھ دیر لیٹر پر اڑ رہتا، فاخر سے مسکراہٹوں کے تبادلے کے بعد پھر اس وقت جب وہ کچھ کام اس کے ذمہ لگا رہا تھا پھر اس وقت جب اس نے عون کو کچھ رقم دینا چاہی تھی اس نے سوچا کہ وہ خود کو اس پر آشکار کر دے مگر وہ اسے جانتا ہی کتنا تھا۔ اس کی یہ اپنائیت اس کے رشتے دار کے لیے بھی جانے وہ عون عالم کے ساتھ کس طرح پیش آتا تو ایک چپ میں ہی سوکھتے تھے۔

وایے بھی اسے جو غرض تھی، صادقہ نیاز سے تھی۔ وہ ان لوگوں کے رویوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا جن سے اسے دوبارہ کبھی نہیں ملنا ہوتا تھا۔ سو فاخر کی مخلصانہ مسکراہٹ کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے اس نے جوتا پہنے میں تاخیر سے کام نہیں لیا۔

اچھڑواش روم اگرچہ بڑا نہیں تھا لیکن اس گھر کے حساب سے غنیمت تھا فریش ہونے کے بعد وہ باہر آیا تو بچن میں ناشتا بنائی نرس نے سامنے کی کھلی کھڑکی سے صحن میں آتے اس دروازہ لڑکے کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔

”عون کوئی ملازم نہیں، اپنی برادری کا لڑکا ہے۔“

اس سے برتاؤ اور بول چال میں احتیاط برہے۔“  
بچنے کی بات یاد آتے ہی اس کی تیوری پر ہل پڑے۔ وہ اس کی باتوں کا مطلب جانتی تھی۔ کل یہ لڑکا آیا تھا اگلے دو دنوں تک نرس کی اماں تشریف لارہی تھیں، مہمانوں کے اس سلسلے کو اب شادی تک جاری رہتا تھا۔ اس کی تو عمر بھر کی جتن پوچھی ڈوبنے کے قریب تھی۔

صحن میں آتے عون نے جو منظر دیکھا تو بری طرح ٹھٹھا۔ گھر کے آگے اور مندریں پر چھپاتے

غیر ملکی بے تکلفی اس ناشتے کو معمول کا حصہ ظاہر کر رہی تھی، اس سارے ماحول میں کچھ تھا۔ جو دیکھا بھالا تھا۔ کیا واقعی وہ مستقل مزاج تھی تو اس گھر کے اکلوتے درخت کی چوٹی پر بندھا وہ سفید ربن اس لڑکے کے لیے پریشانی اور جواد عالم کے لیے خوش نصیبی کی علامت تھا، وہ اپنے ہاتھ میں موجود کاپی زمین پر رکھ کے بیٹھی تو اسے وہاں دیکھ کر چوکی۔  
”بہت خوب! یعنی تم بھی خیر ہو“ وہ اس کے چہرے پر نگاہ جمائے مسکرائی۔ سینے پر بازو لپیٹے وہ اسے گہری نگاہ کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی زندگی کے ان مشاغل سے کیا اخذ کرتا کہ فطرت پرستی اور محبت پرستی دو الگ چیزیں تھیں۔

”تم ان کنوروں میں پانی بھر دو۔ اتنی دیر میں تیار ہو کر آئی۔ ہوں پھر ناشتا پر گپ شب لگاتے ہیں۔ وہ پانی کا برتن اسے چھو کر آگے بڑھ گئی۔

اس نے مڑ کر دیکھا تو نگاہ نرس سے ٹکرائی پتا نہیں اس کی ذہیر سے کیا دیکھی تھی کہ وہ اس کے سینے کو چھتی نظروں سے دیکھ رہی تھی، اسے یہ جاننے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی، وہ جسے جاننے کی غرض سے یہاں آیا تھا اس کا فوکس وہی عورت تھی۔

اپنا کام ختم کرنے کے بعد جب وہ برآمدے میں آیا تو وہ ناشتے پر اس کی منتظر تھی، پرانے کاؤچ پر بیٹھی شفاف چہرے کی مالک اس عورت کی تیاری کی بھی جاب کے لحاظ سے کچھ خاص نہیں تھی، اس کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے عون کی نگاہ اس کی ریٹ وائچ سے اٹھی۔

”سمجھ میں نہیں آ رہا تھا تمہارا شکر یہ کس طرح ادا کروں۔“ اس نے اس کی پلیٹ میں آلیٹ رکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا، ریٹ وائچ سے ابھی وہ نگاہ وہیں گزر رہی تھی کیونکہ وہ کوئی عام سی گھڑی نہیں تھی۔

”تاج کل جس طرح گھر میں کہیں مرمت تو کہیں رنگ درون کا کام ہو رہا ہے۔ مستریوں کی اس آمدورفت پر گھر میں ہمہ وقت ایک مرد کی موجودگی بہت ضروری تھی۔

اس کے سامنے پراٹھا اور چائے رکھتے ہوئے وہ ٹکڑا میز سے مسکرائی۔ اس کی دادی سچ کہتی تھیں، ”باقی عالم دلا سے ایک بھاری نایت کا سامان اٹھا آئی تھیں اپنے سامنے موجود ناشتے سے بے غرض اس لڑکے کی آنکھوں میں تیرنی ناپسندیدگی دو چند ہوئی اس کی ماں اور عینی اس کے کن حقوق کی بات کرتی تھیں جبکہ اس کا حساب ان کی طرف بنتا ہی نہیں تھا۔

”نچوچہ سکتا ہوں کہ آپ کو جاب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔“ اس کے سوال میں بے اختیار تھی۔ غجالت میں ناشتا کرتی صباہ نے صرف سوال پر دھیان دیا تھا مگر بے اختیار ہونے والے کے ہم زاد نے اسے توری تسمیہ کی، ایک بے غرض اور پخلوص رشتے دار کے لہجے میں سوال جواب کرتے ہوئے طنز اور تفتیش نہیں اپنائیت ہوتی ہے۔ اس نے سر جھکا کر گول میز سے چائے کا کپ اٹھا لیا۔

شاید وہ جواب میں کچھ بھی مگرگلی میں اپنا مطلوبہ مارن سننے ہی وہ سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی، چائے کا کھونٹ بھرے ہی وہ حیران ہوا، وہ دوسرا گھونٹ نہیں بھر سکتا تھا اور وہ پورا کپ خالی کر چکی تھی۔

اس بد مزہ چائے کی لذت سے بے نیلے والی کیا اپنی کاپی پر موجود گھڑی کی قیمت جانتی تھی؟ کیا وہ جانتی تھی کہ اس برانڈ کی موجودہ قیمت کیا ہے۔ بالوں کو اچھی طرح باندھے مسٹر ڈاکٹر کے شلوار سوٹ میں ٹھوس قدموں کے ساتھ چلتی صباہ نیاز کو وہ نظروں سے اٹھانے تک دیکھتا رہا۔

☆☆☆

اس کچے، کچھن میں ٹکڑی کی کرسی پر محض وقت گزاری کے لیے جس کتاب کے وہ کئی صفحات الٹ لٹ پکارتا تھا، اس کا نہ صرف ٹائٹل بلکہ اندرون صفحات کی چھاپا ڈالے ہوئے تھے۔ وہ نہیں جان سکا ان دنوں کا کیا رشتہ تھا۔ وہ لڑکی جس سے ناراض ہوئی تھی کہ وہ اپنے گاؤں والوں کو اپنے ساتھیوں، اپنے نزلے کو بھلا کر جو اس نے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کمال کرنا تھا، وہ خوش ایک دوسرے محل میں عیش

کرنے جا رہا تھا۔  
ان سطور کو پڑھنے کے بعد اس نے ایک بے نیلے، وہ جو کوئی بھی تھی، بالکل اس کی ماں بھیسی سوچ رہی تھی۔

”عون! تمہیں گاؤں گئے اور اپنی تانی سے ملے سات سال کا عرصہ گزر چکا ہے، وہ کتنی روتی ہیں جہاں سارے زمانے سے ملے ہو، خون اس وقت اپنے رشتے داروں اور بزرگوں کے لیے بھی نکال آیا کہ وہ یہ مضمحل کی ادا کاریاں چھوڑ کر تمہیں اپنے باپ دادا کا کاروبار سنبھالنا چاہیے۔“

وہ گاؤں والوں کو، رشتے داروں کو، لوگوں کی فلاح و بہبود کو یاد رکھتا پھر سرکل میں زندگی گزارتے ہوئے سر جاتا جبکہ وہ اپنی مرضی سے جینے والا شخص تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنی ماں کو خوش کرنا چاہا تھا اور اس فلاح و بہبود کے مشن پر اپنی اکرادی، اپنی شناخت تک کھو بیٹھا تھا۔ اس نے قریب ہوئی آہٹوں پر سر اٹھایا، وہ لڑکی جس نے اسے پھٹی قمیص دی تھی جو رات کو صحن میں حلق پھاڑ کے ہنس رہی تھی، وہ جھانپاں روکتی ہوئی تھی پانچ شاید جن میں لگے واش بیسن کی سمت جارہی تھی، اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب دوبارہ سے کھولی واش بیسن پیچھے رہ گیا تھا۔

چند لمحوں بعد اس نے بے خیالی میں رخ بدلا اس کی نگاہوں نے جو دیکھا، وہ سب کیا تھا، اس نے مرئی کے ڈربے میں جس ہاتھ سے خوراک ڈالی تھی جب ہاتھ باہر نکالا تو اس میں دو انڈے تھے، اگلا سین چونکانے والا تھا محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ تیزی سے لائٹری باسکٹ کی طرف گئی جب واپس آئی تو اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ عون نے لب جھنجھے۔ یہ کوئی بیجک شو نہیں تھا۔ کھلی چوری تھی۔ دوسری طرف یہ معرکہ مار لینے کے بعد بدرا کے چہرے یہ جو چمک ابھری تھی، وہ اپنی ماں کے قریب ہوتے قدموں کی دھمک سے ذرا جو باندھ چکی ہو۔

مرغیوں کا ڈربہ کھنگالنے کے بعد نرس نے بیٹی پر مشکوک نگاہ ڈالی عون کی محفوظ ہوئی نگاہ بھی اس پر



میں دو نوں ہاتھوں سے اپنے جنگل نما گھونسلے نما ہال سنواری اس لڑکی کی خود اعتمادی اسے روٹین کا چور ثابت کر رہی تھی۔

”میں ذرا باز آ رہی ہوں، چاولوں کا بھاؤ معلوم کر آؤں پھر دیکھنا، اس صحن کی ہر مخلوق سے کیسے اگلائی ہوں کہ آج کل اٹلے کون غائب کر رہا ہے۔“

بدر اجو باہر آنے کے بعد اب تک اسے نظر انداز کر رہی تھی، ماں صفائی میں کچھ کہنے کے بجائے شیشا کے سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانکا سوائے اس مہمان کے صحن کی ہر مخلوق کوئی بھی، واردات کے اس واحد گواہ نے نگاہ ملنے کے بعد چرانے میں سیکنڈ تک نہیں لگا۔

”اب اٹھ ہی گئی ہو تو میری واپسی تک کچن صاف کر لینا اور لڑکے! تم بھی فارغ بیٹھنے کے بجائے کسی کام سے لگو۔“

”اسے نکال کے چھت پر پھینکا دیتا۔“

وہ ان دونوں کو یک بیک مخاطب کرتے ہوئے راہداری کی جانب چل دی۔ اس آہنی کے آرڈر پر اس ان پروفیشنل اداکار کے چہرے نے تیزی سے رنگ بدلا، وجہ جو بھی تھی جب وہ غلط ٹرن لے چکا تھا آگے راستہ اسے جس جگہ لے آیا تھا یہاں اس نے کسی عہدے پر فائز نہیں ہونا تھا، اپنی ذیوبی یاد آتے ہی اس نے تیزی سے کرسی چھوڑ دی۔

”فارغ نہ کہا ہے جب تک میں یہاں ہوں تو باہر کے کام میں دیکھا کروں گا۔“ اس نے آنٹی کے سامنے آ کر بر باری کے ساتھ اپنی خدمات پیش کیں تو جواب میں اسے کڑی نگاہ سے دیکھا گیا۔

”چاول والے سے بھاؤ تاؤ کر لو گے۔“

”جی! اور گڑ بڑا کرے گا۔“ چاول اور بھاؤ تاؤ پر سب کیا تھا، خود خالی الذہن سا گھڑا تھا۔

”تمہارے ماں باپ نے بھی ہمیشہ کھانے کا ہی

سرور کیا، گرم لہجہ جتا رہا تھا۔ میرے معاملات میں دخل اندازی کے بجائے وہ کام کرو جو فاخر تمہارے ذمہ لگا گیا ہے، نرس اسے اس کے والدین کی کارکردگی پر فیل کر کے اپنی راہ ہوئی، وہ کچھ بھی نہیں سمجھا تو کندھے جھٹک کے رہ گیا لیکن فاخر جو کام اس کے ذمہ لگا کر گیا تھا، وہ اسے دلچسپی کے ساتھ انجام دے سکتا تھا۔

☆☆☆

”تم نے ناشتا کر لیا ہے؟“ وہ چوسلے پر چائے رکھنے لگی تھی جب اس نے صحن میں جھانک کر صحن کو مخاطب کیا۔

”ہاں، صبح فاخر کے ساتھ کر لیا تھا۔“ اس نے جھوٹ بولا، فاخر کے کمرے کی وارڈروپ کی دروازہ کئی کیمیکل سے صاف کرتے عون نے چہرہ جھکائے ہی جواب دیا۔

”خیر میں چائے بنانے لگی تھی تو سوچا مروتا پوچھ لوں۔“ اس نے دوبارہ سے ہانک لگائی۔

”میں پی چکا ہوں۔“

اس جواب پر بدر کا پورا منہ کھلا۔ ”ناممکن، غلط جھوٹ، اس نے آنکھیں پٹی پٹیاں اگر تم ماں کے ہاتھ کی بنی چائے پی چکے ہو تو تم دنیا کے دوسرے صابر شا کر انسان ہو۔“ اس بار وہ جن سے باہر اگر مخاطب ہوئی، آدھی آستین والی قدرے لمبی ٹیوش میں پہلوؤں پر ہاتھ رکھے وہ سو فیصد ج بول رہی تھی مگر وہ ان کی کرتے ہوئے بے نیازی جتنا اپنے کام میں مصروف رہا۔

بدرانے رخ بدلا تو اس نے گردن اٹھا کے اس کی پشت کو گھورا، کیا وہ زبان بند کی وجہ سے بطور شوت کے اسے چائے ناشتے کی آفر کر رہی تھی۔

”خیر، نہیں کی۔“ وہ چورنی بالوں کو جوڑے کی شکل میں پٹینی دوبارہ سے جن میں غائب ہوئی۔ کچھ دیر بعد جب دوبارہ سامنے آئی تو اس کے دونوں ہاتھوں میں چائے کے گک تھے۔

”میں نہیں۔“ اس نے بے نیازی کی تاریخ

اجھا تھا۔ وہ اس کی بے نیازی پہ جھنجھلائی۔ کسی بھی طرح سہی مگر عون کو اپنے خفیہ مشن میں سیٹ کرنا بہت ضروری تھا ورنہ تو وہ قانون مرجانی کچھ دیر کے غور و فکر کے بعد وہ ناصرف کرسی کا رخ بدل کر عین روبرو ہوئی بلکہ اپنی بھی ٹون بدلی۔

”تم کچھ بھی کر لو اماں پھر بھی تم سے خوش نہیں ہوں گی، اس لیے کہ تم ہمارے رشتے دار ہو، لہذا ہمیں ان کی نہیں ہماری پرواہ کرنی چاہیے۔“

”وہ گھی کا گھڑا ثابت ہو رہی تھی۔ پھر ہم دونوں کے بیچ تو اک اور رشتہ بھی تھا۔“ کرسی کو مزید آگے گھسیٹا عون کے ابرو جڑے، نگاہ اٹھی۔ یہ اول جلوس لڑکی کیا چیز تھی۔

”جھٹک ہے، جب میں اتنی سی تھی۔“ اس نے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو دایاں ادا کیا۔ ”ہماری ممکن کی مدت بھی بس تیس دنوں کی تھی پھر بھی تمہیں بچپن کے اس رشتے کا کچھ نہ یاد آتا ہوگا۔“ وہ جڑ رہا۔

”اوہ گاڈ! اس کی بے نیازی جھٹک سے اڑی وہ کون سی ممکن کی بات کر رہی تھی۔ وہ سیدھا ہو کر اسے نکلے جا رہا تھا۔

”کیا یہ موقع کی مناسبت سے کھڑی جانے والی کہانی تھی یا جو بھی تھا۔ یہ لڑکی وہ کیسے کے بیٹے کو بھی دن دھاڑے بیچ آئی، اس کے شانوں پر آگے پیچھے جھولتے جھوٹے بڑے ہر سائز کے جس سیاہ جنگل کا پھیلاوا تھا تو اس جنگل سے ہر ذی شعور کو پناہ مانگنی چاہیے تھی۔

☆☆☆

کچھ اپنی مرضی کچھ وقت کی منشا پر دن گزرنے کے بعد جب نیاز منزل پر شام اتر رہی تھی تو ماں سے بات کرنے وہ چھت پر چلا، اس کے اندازے کے مطابق اس کا ڈرائیور اب تک گھر پہنچ چکا ہوگا۔ اس کا اندازہ صحیح تھا کہ کال ملنے ہی اسے اسے ماں کی پریشان آواز سنائی دی۔

”تم نے اپنی گاڑی اپنا سامان تک واپس بھیج دیا ہے، تم خود کہاں ہو؟“ وہ سلام دعا تو بھول گئی تھی۔ یہ بھی بھول گئی کہ بچہ کو یہاں کا راستہ اس نے خود دکھایا

تھا وہ کچھ نہیں سکا، وہ کالٹ میں جتا ہوا رہا تھا یا حیرت میں۔

”وہیں رہوں اس نے ماں کو وہی جواب دیا تھا جو وہ سننا چاہتی تھی مگر فون کے دوسری جانب ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ اس قدر کہ عون کو لگا فون کٹ چکا ہے لیکن اس کے ہیکل کے نیچے کی دیر کی کاس نے بھی آواز میں سوال کیا۔

”وہ کیسی ہے؟ کیا اب بھی اس کی بی بیخیدہ سی پچھل دوسروں کی توجہ فوری طور پر پھینک دیتی ہے۔“

وہ ماں کی اس بات پر سناں ہوا انہوں نے کس کی بات کی تھی، فون کان سے چپکائے منڈیر کے پاس کھڑا وہ نیچے صحن میں جھانک رہا تھا جہاں وہ مل چل پچاتے ہوئے پچھل پچھل کے دیواروں سے پرندے اڑا رہی تھی۔

عالم ولا میں بیٹھی نگار بیگم تو صبحہ نیازی بات کر رہی تھی۔

”ماں سب کچھ سمجھنے کے لیے مجھے کچھ وقت چاہیے ماں! اس جواب کے ساتھ اس نے فون بند کر دیا۔ بیش قیمت گہری کی مالک جو صبح سویرے کی نکلی اب تک نہیں لوٹی تھی، وہ ان کے متعلق کیا بات کہتا، البتہ وہ پرندے اڑائی اس لڑکی کے بارے میں رائے دے سکتا تھا جس کے ساتھ ایک دن گزارنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ پچھل پچھل والی یہ لڑکی دھواں بھی جتا پانی پھر بھی اس کے اڑ جانے اور بہہ جانے کے خدشات کسی بھی صاحب عقل کو نیم پانچل کر سکتے تھے۔

☆☆☆

ایسا نہیں تھا کہ باقوت کے کسی غلط فیصلے کی بنا پر وہ اس کے دل سے اتر گئی تھی۔ اس کی کچھ باتوں نے اسے ہرٹ کیا تھا مگر روز اول کی طرح آج بھی رب کے حضور کھڑی اپنی بیوی کو وہ اتنی ہی توجہ سے دیکھ رہا تھا جب ان کی شادی ہوئی تھی۔

کسی بھی فنکشن یا پارٹی سے ان کی واپسی جس وقت بھی ہوئی، وہ عشا باقاعدگی سے ادا کرتی تھی،



میں نے جانے کو بس چکھا ہوگا۔“  
آکھوں کو مل گول گھراتی اس جھکی سی لڑکی نے  
واقعی یقینی بات کی تھی ابھی ایک کھنہ پہلے دو تین گلیاں  
گھومنے کے بعد بالا خرا سے جنرل اسٹور والے سے  
معلومات مل گئی تھیں کہ اس محلے میں ہوٹل یا ڈھابے  
جیسی کوئی سہولت نہیں تھی جہاں اکا دکا فوڈ پوائنٹ تھے  
بھی، وہ کھل کر ابر یا یہاں سے خاصا دور پڑتا تھا۔

”جب نظر ہے کہ ہم جیسے عام قسم کے بندہ بشر  
اس گھر کی خاتون اول کی بنائی جائے کو منہ نہیں لگا سکتے  
اور چائے پینا بھی نہیں چھوڑ سکتے تو اس نعمت کو میرا  
احسان سمجھو۔“

چائے کے گگ دراز پر رکھتے ہوئے قریب  
پڑی کسی کو بھینٹ کر وہ وہیں بیٹھ گئی۔ اس نے احسان  
جتنی لڑکی کو تو نہیں لیتے بھاپ اڑانی چائے کو ضرور  
دیکھا، وہ سچ کہہ رہی تھی، چائے جیسی نعمت کو کون ٹھکرا  
سکتا ہے۔

”تم ابا کے رشتے دار ہو، تمہاری خدمت ہم پر  
کی جان سے فرض ہے۔“ اپنی چائے اٹھاتے ہوئے  
اس نے جی جان سے ہی اداکاری کی، چائے کے  
طلب گار کا چونکا لاری بھی۔

کل شام اسے پرانا سوٹ اور پھٹا جوتا دینے  
کے بعد آج دن کے گیارہ بجے چائے کے اس ایک  
کپ میں کون سی خدمتیں شامل تھیں اس لڑکی کی آواز  
میں خدمت کے بجائے بناوٹ کی جھلک تھی۔ اس نے  
شکر یہ کہ یہ بناوٹ سے چائے کا گگ اٹھالیا۔

”تم اماں کے چائے ناشتے کو دل پر مت لینا ان  
کی یہ سوجھ بوجھ صرف ابا کے رشتے داروں کے لیے نہیں  
بلکہ ان کی یہ جادوگری سب کے لیے ہے۔ وہ ایک  
کپ دودھ سے چائے کے چار کپ بناتی ہیں اور  
ایک انڈے کے چار آلیٹ بناتی ہیں۔“

وہ لڑکی اور ٹانگ پہ ٹانگ جھاتے ہوئے بات  
آگے بڑھائی۔

”اب ایسا ناشتا کرنے کے لیے بہت بڑا دل  
چاہیے جو کہ میری طرح جتنا اراک، جتنی جھوٹ، جتنی  
جتنی دھوکا دے سکتا ہے۔“

”تو“ وہ دانستہ خاموش ہوئی۔  
انف وہ کسی قدر بات توئی تھی اور خواہ مخواہ کا  
سپنس پھیلا رہی تھی۔  
”اگر میرے معاملے میں اماں کے سامنے اپنی  
زبان بند رکھو گے تو اماں جتناں کی طرح فائدے میں  
رہو گے۔“ بد رانے بڑی ہوشیار قسم کی مسکراہٹ کے  
ساتھ سامنے اشارہ کیا۔

وہ نجف سی بڑھیا جو نرس آئی کے گھر سے نکلتے  
ہی سیکوری گارڈ کے طور پر آئی تھی مگر نیاز منزل میں اپنی  
نیند پوری کرنے کے بعد اب آگے کی چھواؤں میں ایک  
پر تکلف چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ وہ ایک دم  
سے معاملے کو سمجھا گیا اس مزیدار چائے میں خدمت یا  
احسان نہیں رشوت تھی ہوئی تھی۔ اس نے چہرہ گھا کے  
اسے بغور دیکھا۔ وہ فائری بات چیت سے اخذ کر چکا  
تھا کہ ان لوگوں کو فی الفور ایک میل ملازم یا اپنا کوئی  
رشتے دار مطلوب تھا تو اس لڑکی کے تحفظات کے لیے  
تھا جو اس قدر شارب تھی کہ ان مستریوں مزدوروں کو  
دن دھاڑے بچھڑا سکتی تھی۔ اس حساس موقع پر اسے حسن  
کی بات یاد آئی۔

”تم فیوچر کے سپراسٹار ہو۔“ اس اداکار کو محسن کا  
مشورہ یاد آیا۔ ”یوٹو ایجوئے دس کریکٹر۔“ یہ مشورہ  
اتنا برا بھی نہیں تھا، وہ ہلکا سا کھٹکھار کے بولا۔

”میرا دل بہت بڑا ہے، میں ایک انڈے سے  
بنائے پانچ آلیٹ بھی کھا سکتا ہوں۔“ اس جملے کی  
ادا گیری میں مسکراہٹ کا کچھ عمل دخل نہیں تھا، وہ بھی  
سنجیدہ تھا مگر اس کی آنکھوں میں جھلک دکھائی مبہم  
مسکراہٹ سے وہ زچ ہوئی۔ وہ جسے پیٹھ دلا اور کھانڈ  
سمجھ رہی تھی، وہ اس کی آفر کو رد کر کے اپنے کام میں  
مصروف ہو چکا تھا وہ بھانڈا اچھوڑ بھی دیتا تو مسئلہ صرف  
دواغروں کا نہیں تھا۔

پہلے دن بھران ماں بیٹی کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں  
ہوتا تھا تو ماں سے خفیہ رکھنے والے کام خوش اسلوبی  
سے انجام پذیر ہوتے تھے وہ ہونٹ چباتے ہوئے  
دیکھتا تھا کہ اس کا سامنا مت کرنا چاہیے۔

نماز کے بعد سات یا دس منٹ تک وہ تسبیحات میں  
مشغول رہتی۔ اس وقت بھی وہ آنکھیں بند کیے تسبیح  
کے دانے گرا رہی تھی چونکہ وہ نماز پڑھ چکا تھا، اس  
وقت سنگل صوفے پر بیٹھا گھونٹ گھونٹ پانی پیتا اسے  
ہی دیکھ رہا تھا۔ ان لحاظ میں جلال کو اس کے خوب  
صورت چہرے کے گرد حجاب کی صورت لپٹا ہوا وہ دپٹا  
اپنی تمام جم پوچی سے کہیں زیادہ قیمتی محسوس ہوتا تھا۔

تسبیحات مکمل کرنے کے بعد جائے نماز کو اس کی  
خصوص جگہ پر رکھ کے اس نے رخ بدلا تو وہ پورے  
وجود کے ساتھ چونکی وہ اپنی مخصوص نشست سے ہٹ کر  
کیوں بیٹھا تھا اس وقت تو صوفہ کم بیڈ میں دھنس کر اس  
کے کندھے پر سر ٹکائے وہ اس سے دن بھر کے  
معمولات شہر کر رہی تھی اور چائے یا کافی سے محظوظ  
ہوتے ہوئے وہ صرف اس کو سنتا تھا۔ اس وقت پانی کا  
گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے اپنی بیوی کو کچھ بتایا تھا  
اور وہ کمرے کے وسط میں کھڑی کھڑی زمین میں دھنس  
گئی تھی۔

وہ شخص آج عمر کے اس حصے میں اپنی پہلی اولاد  
کے سامنے خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا تو اس کی وجہ کیا  
تھی جہاں بیٹی ٹھہرنے لاسکے کہہ رہی تھی۔  
”آپ کو میری سیریز لائف میں انٹرفیئر  
(مداخلت) کا کوئی حق نہیں۔“

اس جواب پر دم بخود رہ گیا تھا مگر اس نے جان  
لیا تھا کہ اس کے لہجے میں کیا بول رہا تھا۔ اس کے باپ  
کا گھر بھی بہت بڑا تھا، یہاں وہ ہر آسائش کے ساتھ  
پلی بڑھی اس نے اپنی ضروریات پر پیسہ پانی کی طرح  
بہایا تھا، آج وہ جان چکا تھا کہ باپ کے گھر میں بوڑھی  
ملازمہ سے بھی ادب مینز کے ساتھ بات کرنے والی  
اس کی بیٹی کے لہجے میں دولت نہیں بلکہ اس کا ماحول  
بول رہا تھا۔ اس کی اپنی اندھی لاپرواہیوں کے نتیجے  
میں جو کچھ غلط ہو چکا تھا، اس کے سچ ہونے کی دعا  
کر سکتا تھا اور جو ہونے جا رہا تھا اس کے لیے اپنے  
اختیارات استعمال کرنے کے بعد اب صرف فیصلہ  
سنانے کی ضرورت تھی، اس نے بیوی کو کچھ بتایا تھا جسے

سننے کے بعد وہ شاکرہ گئی تھی۔  
”سب کچھ ملے ہو چکے۔“ منگنی کی ڈیٹ تک  
فائل ہے، ایسے میں آپ لڑکی والوں کو ایک معذرتی  
انکار تھا آئے ہیں، آپ اتنا بڑا فیصلہ ہوئی اور میری  
مرضی کے بغیر کیسے کر سکتے ہیں۔“  
وہ کہنا جانتی تھی مگر خاموش رہی۔ شوہر کے  
چہرے پر ایک نئی فیصلہ درج تھا جس کا اعلان ہو چکا  
تھا۔

”میں نے شوہر سے بات کی تھی۔ وہ ناپاک کے  
ساتھ جذباتی طور پر ایسی ہی طرح کیل نہیں تھا البتہ  
ایسا ہوتا ہے ہی میں اپنے بیٹے کو سمجھانے کے لیے  
آخری حد تک جاتا۔“

یا تو نے اندر کی سوال پر اٹھا رہے تھے جلال  
نے صرف اس کے ایک سوال کا جواب دیا تھا، وہ اس کا  
چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ اپنی سلطنت کی حاکم تھی۔ اس کا  
فیصلہ مسترد ہوا تھا۔ منت سماجت اس کی سرشت میں  
نہیں تھی، اس حاکم کے لیے حکم برداشت کرنا ایک صبر  
آزما مقام تھا۔ وہ میڈی گرون کے ساتھ کھڑی تھی،  
اسے اپنی گفتگو کا حرف، صرف اب تول کر ادا کرنا تھا  
اسے ظاہر کرنا تھا کہ شوہر کے فیصلے سے اسے کچھ  
اختلاف نہیں۔

”میری کمنٹ، میرا سرکل..... آپ نے میری  
سوشل اور موبائل ویلیوز کے بارے میں کچھ نہیں سوچا  
کوئی بات نہیں مگر ایک لڑکی پر اپنی پسندیدگی اور رشتے  
کی مہر لگا دینے کے بعد اسے ملازمہ کر دینا کیا خاندانی  
لوگوں کو زیب دیتا ہے۔“ وہ اپنے مخصوص محل کے  
ساتھ گویا ہوئی۔

”ملازمہ کا انکار کسی کو بھی زیب نہیں دیتا مگر  
میرے پاس انکار کی وجہ تھی۔“

وہ اس کے سوال پر اندر ہی اندر سلگا، ”معذرت  
ہو یا مرد دونوں کی بے جا آزادی ایک گھرانے پر کس  
طرح اثر انداز ہوتی ہے۔“ وہ اس حقیقت کو بھگت رہی  
تھی مگر اس سے یہ بحث کرنا بے کار تھا۔ اب وہ انکار کی  
وجہ بوجھ ہی تھی۔







میں نہیں آتی تھی تو لکڑی کے فریم میں اسے فٹ کرتے ہوئے وہ بہت خوش تھا۔ دو لہاکے اس مہمان رشتے دار نے کمری احیاط اور ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے اس قیمتی آئینے کو دیوار کا سہارا دیا۔  
اسے یقین تھا کہ اب اس آرائشی آئینہ کو اس کمرے کی کاسی دیوار کے ساتھ ایک فالتو چیز کی طرح ہی لٹکے رہنا تھا۔

☆☆☆

وہ محلے میں شادی کے دعوت نامے بانٹنے کی آئی تھی، اسے اپنی ماں سے اتنی سی امید بھی نہیں تھی کہ تھکی تھکاٹی بیٹی کی خدمت میں ایک کپ چائے ہی پیش کر دیتی بلکہ اس کے حساب سے بیٹی محلے داروں کے ہاں سے اتنا کچھ کھاپی کر آئی ہوگی کہ رات کے کھانے کی گنجائش اب کہاں ہوگی۔  
برآمدے میں کاؤچ پر آلتی پالتی مار کے بیٹھے ہوئے اس نے صحن میں صندوق کھگائی ماں پر لا چاری نظر ڈالی پھر اس نے سیڑھیاں اترتے عون کو دیکھا جو چھت پر کام کرتے مستریوں کی نگرانی پر مامور تھا مگر نرس کی ایک آواز پر فوری حاضر ہو جاتا، ابھی صحن کو اس نے ان آنٹی کے انڈراپنی ڈیوٹی کا بتایا تو وہ جانے لگتی ہی دیر ہوتا تھا۔  
”یعنی کہ تو پچھلے ایک گھنٹے سے وہاں ٹھیکے دار کا کام انجام دے رہا ہے گویا تھامس کو اس جڑے پر بے نام و نشان اترنے کی سزا مل رہی ہے، کاش میں نیاز منزل کے اس مہمان اداکار کو اس کریکٹر میں دیکھ سکتا۔“ اس نے قہقہہ لگایا۔

وہ ان طنزیہ قہقروں کے جواب میں کال کاٹ دیتا تھا۔ کچھ واقعات انسان کی پلاننگ سے باہر ہوتے ہیں، جانے کیوں اسے بھی اپنا یہ آؤٹ پلاننگ کی کیکٹر اب دلچسپ لگنے لگا تھا جیسے کہ واقعی وہ کسی سیٹ پر کسی شوٹ کا حصہ تھا۔

مزید دس منٹ گزرنے کے بعد اب چائے کی طلب میں بدرا کا سر دکنے لگا تھا، افواہ اماں کو پتا نہیں کیا جاسیے۔ عون کے ہاتھ میں ایک اور کیکر دیکھ کر اس نے

جان لیا کہ نرس اس کام کو ابھی جاری رکھے گی، اس نے فوراً کاؤچ چھوڑا، اس کے پاس ایک حل تھا۔  
”کچھ کھردل کے کارڈرہ گئے ہیں، کل خود ہی دے آئیے گا۔“ وہ صندوق کھگائی ماں کے پاس لہجہ بھر کورکتے ہوئے بولی۔

اس بات پر نرس کا ہاتھ رکا۔  
”وہ کیوں بھی؟“ وہ چہرہ اٹھا کے برہم ہوئی۔  
”وہ اس لیے چونکہ میں ایلی کی تھی تو آپ کا آرڈر تھا کہ بھائی کی واپسی سے پہلے آ جانا اگر آپ میرے خدمت گار کو اپنے کام پر نہ لگائیں تو سارے کارڈر آج ہی باٹ جاتے۔“  
وہ چلتے چلتے ہی جواب دہ ہوئی یہ جانے بغیر کہ لفظ خدمت گار پر کوئی ساکن، صامت، جامد ہوا تھا اس نے اپنے پاس سے گزرتی اس آقا کو شاک کے عالم میں دیکھا جو ننگے پاؤں تھی جس کا ایک جوتا رابڈاری میں اور دوسرا برآمدے کی پکلی سیڑھی پر پڑا تھا۔

بچن میں آکر اس نے چولہے پر ساس پین رکھتے ہوئے آگ جلائی، اگر وہ تھامس تھا تو اس بچل آئی لینڈ میں ایک عام مسافر کی حیثیت سے کھڑا تھا اگر وہ اس سے کہہ دیتی کہ میرا جوتا اٹھا کر لے آؤ تو خدمت گار کو حکم سے مہربانی نہیں ہوتی، اسے وہاں تین سو پینٹھ موسوں کو پانے کے لیے ایک عبادت گاہ کے احاطے میں اس وقت تک مٹی کی خدمت پر مامور رہنا تھا جب تک وہ ننگے پاؤں پھرنے والی اس پچارا کا جوتا نہیں تلاش کر لیتا۔

وہ نرس کی آواز پر حرکت میں آیا جو اسے پانی لانے کو کہہ رہی تھی، وہ اس کی فرمائش پر بچن کی جانب بڑھ گیا۔ اندر باورچی خانے میں اس نے ساس پین کے کھولنے پانی میں پتی چھوٹی تو اچانک اسے یاد آیا کہ اسے چائے کو خفیہ رکھنا تھا، وہ دروازہ بند کرنے کی غرض سے بھاگی لیکن وہ عام مسافر چوکھٹ پھلانگ چکا تھا بدرا کا رنگ انڈا کی پتی کی مہک سارے میں پھیل چکی تھی۔

”اللہ جی مروا دیاناں۔“ اس سے بالشت بھر

کے فاصلے پر کھڑا عون کچھ بھی نہیں سمجھا، ادھر پتی کی مہک کو سونگتے ہی نرس گم نہ کھلا تو اللہ کی پناہ۔

”محلے میں سے کوئی بھی منہ اٹھا کر آجائے تو بدرا بی بی چائے بسکٹ سے کپیر میری ایک نہیں سنتی آج پورا محلہ کھونسنے کے بعد جھے گھر آ کر چائے بناتے ہوئے شرم تو آ رہی ہوگی۔“

”آہ آہ کیسے کیسے الفاظ میں اس کی فیاضیوں کی کلاس لے رہی تھی۔“

”مجھے چائے بنانے پر ذرا شرم نہیں آ رہی بلکہ آپ کی اس ادلے بدلے والی سوچ پر آج بھی غصہ آ رہا ہے۔“ وہ جواب میں بولی گویا کہ۔۔۔ طفل جنگ بچایا گلاس میں پانی اٹھایا عون سمجھ چکا تھا کہ اس چائے کو رازداری کی ضرورت تھی تو کیوں تھی۔

”جب آس پڑوں گی تب ہمارا اشارہ کھاتے بیٹے گھرانے میں ہوتا ہے تو اچھی مہمان نوازی ہم پر فرض ہے۔“ وہ منہ بنا کر بولی اب یوں تھا کہ دونوں طرف سے گولہ باری ہو رہی تھی۔

”اسے میں پوچھتی ہوں، یہ چائے کا مال اسباب تمہارے پاس آیا کہاں سے؟“ نرس نے دوپٹے سے بندھی چابی نکالتے ہوئے ایک اہم نکتہ اٹھایا کہ بیٹی کا جیب خرچ شادی کی وجہ سے آج کل بند تھا ماں کے اس سوال پر وہ کڑ بڑائی اس کے پیچھے پڑتے چہرے نے بچن میں خالی گلاس رکھنے کی غرض سے آئے عون کو بدقت مسکرانے پر مجبور کیا، وہ صرف اندے چور نہیں تھی۔ بدرا نے اسے تپ کے دیکھا۔

”مجھے نہیں تو مجھے پتہ نہ دینا چاہیے تھا کہ میری پردہ دار چائے تمہاری وجہ سے رسوا ہوتی ہے۔“ وہ تنگ کے بولی۔

وہ حق، دق ہوا۔ ”چائے اور پرہ دار“ اس نے کوشش کی اور قہقہہ ضبط کر لیا، ہاں اس کا چہرہ کھکھلا رہا تھا، وہ دیکھ چکی تھی اس کے کچھ سوچا اور غصہ ضبط کر کے گویا بولی۔

”یہ سب عون اپنے خرچے پر لے کر آیا ہے۔“

وہ باہر کو پھکی۔ جڑی جہاز سے اترنے والے اس خبردار مسافر کے چہرے پر اترتے ہی خیر سے بے نیاز اس کے پاس سے قیمتی خوشبو اٹھتی ہے اور اس کا فون بھی خوب چمکتا ہے آصف کی دکان پر اس سے بڑا بیسٹا ہے جو اسے دھلائی نہیں دیتا۔ پچھلے ایک سال سے لوگ کڑی کے لیے دکنے کھاتے والے ذکیہ کے بیٹے سے کوئی پوچھے آخر یہ کما تا کیا ہے، اب جو دارا خرچا پانی میں اٹھانے چلا ہے، اس سے پہلے کہ وہ اس بیانی کی مزید کلاس لیتی۔ بدرا بولی پڑی تھی۔

”افواہ اماں! آج کل کے لڑکے قیمتی خوشبو اور اچھے فون کے لیے قابو کر کے بھی جمع جوڑ کر ہی لپتے ہیں۔“

ذکیہ کے بیٹے سے کوئی پرانی دشمنی کھانے کے بعد اب اس کے دفاع میں بولنے والی کی آواز میں ہمدردی بھی یا شرارت، باہر آتے عون نے اسے ایسے ہی دیکھا جیسے کسی چالا کو مامی کو دیکھتے ہوں گے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے پاس ایک ایسی خبر ہے جو اس کی ماں کا موڈ بدل سکتی ہے۔ اب وہ ماں کے پہلو سے جڑ کے بیٹھی اسے بتا رہی تھی کہ فردوس جمال کا بیٹا داما آ رہا ہے۔  
”میں واقعی؟“ نرس خوش ہوئی ”تو کیا اس ڈرامے میں بھی وہ بڑھے والے رول میں آ رہا ہے۔“ اس کے لہجے میں کیسا ڈر تھا۔

”افواہ! بدرا کا منہ کھلا۔ اب وہ بڑھا ہو رہا ہے تو پھر انقہ۔“

وہ ہنسنا شروع ہوئی تو ہنسی ہی پھیلی گئی۔ اس کا پیکا چہرہ اب رنگین ہو چکا تھا۔ رسوا شدہ چائے کا پہلا نمونہ لیتے اس نے نوجوان نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے بے اختیار ہی دیکھا تھا یہ سچ تھا کہ اس کی غیر سنجیدہ سی ہانچل دوسروں کی توجہ کھینچتی تھی۔

☆☆☆

بات چل نکلی تھی لیکن یہ سونے اور کھنسنے کی بات تھی۔ دو سال بعد وہ لڑکی اچانک فاختری زندگی میں لوٹ آئی تھی اور اس خوش خبری کے ساتھ کہ وہ اپنے والدین کو اس رشتے پر راضی کر چکا تھی اور اس وقت جب شادی



میں صرف دس دن رہ گئے تھے مگر یہ صورت حال بدراکی  
سجھ سے بالاتر تھی۔

”بات نکلی ہے تو اب دور تک جائے گی۔“  
گھٹنوں سے اوپر کرتی گلابی فرائیڈ کی کریم کلر  
جھال کو لہرا، لہرا کر گنگنائے والی بدرا کو سر پہ بڑی شام  
دیکھ کر ہول اٹھنے لگے۔ صبح سے شام ہو گئی تھی مگر بات  
اس کی فرائیڈ کے گھیر برابر بھی نہیں پھیلی تھی، البتہ اس  
شعری سلسل گردان نے عون کے سر میں درد ضرور چھیڑ  
دیا تھا جبکہ بدرا کو یہ خدشات ستارے تھے۔

رات کو فاختہ کے زیر صدارت بیٹھک میں ہونے  
والی اہم میٹنگ کے دوسرے دونوں مشاورتی ممبران  
اگر یونہی خاموش رہے تو فاختہ کے سرال جانے کے  
بجائے بات گھر میں ہی رہ جائے گی اور اس کا بھائی  
بامراد ہوتے ہوتے نامراد رہ جائے گا سو وہ اپنی  
مصرفیات ترک کرتے ہوئے صبح کے مقابل آ  
بیٹھی۔

جب وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں تو قریب کچن  
اپنے کپڑے بریس کرتا وہ خاموشی سے سنتا رہا، پہلے  
تھوڑے کچن پر چڑھا، پھر واک آؤٹ۔

واک آؤٹ کرنے والی اب صرف میں ڈوبے  
پلاسٹک کے پھول پتوں، شاخوں کو برس سے رگڑ رگڑ  
کے دھور رہی تھی۔ اس نے اہم میٹنگ کے ایک مشاورتی  
ممبر کو اپنی چھوڑی ہوئی خالی کرسی پر آنی کے رو رو دیکھتے  
دیکھا جو کچھ دیر پہلے اس پہ تپ رہا تھا کہ تمہارا بے سرا  
داگ بن کر میرا سر گھوم رہا ہے۔  
”میں سننا نہیں کا۔ سمجھتا ہی نہیں، مگر اس لیے گھوم  
رہا ہے کہ اس کی آنکھیں آف وائیٹ جھال کر کے ساتھ  
ساتھ گھومتی رہی تھیں۔“

☆☆☆

”میرے خیال میں آپ کو فاختہ کی کسی بات کا  
جواب تو دینا چاہیے تھا۔“  
بہت ساری باتوں کو ضبط کرنے کے بعد اس کے  
ذہن نے یہ عام سا سوال ترتیب دیا تھا۔ عون کو لگ رہا  
تھا کہ ان دنوں ان کے دماغ میں بات چیت تو مست  
ہو رہی ہے۔

کچھ کلیم ہو جائے گا۔

وہ اس کی ٹھکی سی عورت کو بغور دیکھ رہا تھا۔  
اس نے کھلے ریشتر پر قلم رکھتے ہوئے اس کا چہرہ  
دیکھا جیسے رات کو وہ بند ہونٹوں کے ساتھ فاختہ کا چہرہ  
دیکھتی رہی تھی۔

دو کرسیوں کے بیچ گول میز پر بڑے فون نے میج  
ٹون بجائی۔ ”اس نے ہم سب سے ایک بات شیئر کی  
تھی۔ مشورے کی نوبت تب آتی جب وہ اپنا فیصلہ  
ساتا۔“ وہ اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر تیج کھولتے  
ہوئے بولی۔

یہ اس کی ایک کولیگ تھی جو فاختہ کے اوقات میں  
دوستوں پر اپنا نفسیاتی میجک آزماتی رہتی تھی۔

”بالفرض وہ مشورہ مانگتا تو آپ کا جواب کیا  
ہوتا؟“ وہ قدرے توقف سے سوچ سمجھ کر گویا ہوا۔ نگاہ  
اس کے چہرے پر پڑی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی  
عورت بھی اس کے گھر کا فرد تھی، اس وقت وہ جو بات  
بھی کرنی ذاتی تجربے کی بنا پر کرتی کہ فاختہ اور اس لڑکی  
کی کلاس میں بھی زمین آسمان جتنا ہی فرق تھا۔

اگر حیران و پریشان ہونے کا موڈ ہو رہا ہے تو  
سوال کرنے والے کا سوال اسی کو لوٹا دو (اس کے منہ پہ  
مارو)

اس نے میج پڑھا ہند دلچسپ  
صباحہ نے نگاہ اٹھائی وہ کم گو تھا، آج سوال پر  
سوال کر رہا تھا تو یقیناً بدرا کی طرح سوچ کی نزاکت  
سمجھے بنا اس نوجوان نسل کی طرح صرف فاختہ کے  
جذبات کو دیکھ رہا تھا لیکن ایسی سوچ صاحبہ کی بھول تھی  
”بالفرض وہ تم سے مشورہ مانگتا تو تمہارا جواب کیا  
ہوتا؟“ اس کا مخاطب عون تھا مگر اس کی نگاہ عون کی  
اسکرین پر مرکوز تھی۔

صاحبہ کی بات پر پھول پتوں کو دھوتی لڑکی نے  
چہرہ موڑا تو جیسے ایک ماہ کی بدرا نے اپنے منگیترو کو دیکھا  
تھا، آخر ان کا رشتہ بھی پائمنس کی بنا پر ہی ختم ہوا تھا۔  
”ہر کلاس کی ایک الگ دنیا ہوتی ہے تو میں سمجھتا  
ہوں کہ شادی کے بعد ایسا ہی کرنا چاہیے۔“

اس جملہ ادھورا چھوڑ کر اس نے دیکھا تھا۔  
وہ حیران ہوئی بہت زیادہ حیران۔ بدرا سے بھی زیادہ  
اس کی کولیگ کا بیجا جملہ گویا تھا۔ وہ بھی سوچ بھی سکتی  
تھی کہ اس ادھورے جملے کے آگے اس کی اپنی کہانی  
پڑی ہوگی۔

وہ سامنے والی آیا کو گھر میں آتے دیکھ کر صرف  
رجسٹر اٹھا کر ہی نہیں اور تھی بہت کچھ سمیٹ کر وہاں سے  
اٹھ گئی تھی۔ دوسری طرف جو اس خوبرو نوجوان کے  
جواب سے مایوس ہوئی تھی ہاتھوں سے سرف جھکتی وہ  
لڑکی اس کی بات کے ری ایکشن میں سمجھتا ہٹ  
اور غصے کے مارے اس پر بہت کچھ آشکار کر گئی تھی۔

اس شام عون پر کچھ کلیم ہوا تھا تو یہ تھا کہ بدرا نامی  
وہ لڑکی دیکھ کے بیٹے کو اپنے بچپن کی منگنی ٹوٹنے کے  
افسوس یا پچھتاوے میں مبتلا دیکھنے کی خواہش تھی۔ اس کا  
غصہ اسی جگہ ختم نہیں ہوا تھا جب رات کا پہلا پہر چار سو  
پھیلا تو عون نے سنا۔

آج بھی بامدے کے راتے کاؤچ پر کچھ  
نئے منصوبوں کے ساتھ وہ رات کے تک فاختہ کی بات  
پر اکسائی رہی تھی اور وہ نیند کے غالب آنے تک سوچتا  
رہا تھا کہ اس لڑکی کو کس طرح اپنے دل کے حکم نامے پر  
ہر ذی شعور کو پناہ دینی چاہیے۔

☆☆☆

”اگر بدرا جیسی لڑکی ایک چھٹی، بے نیاز اور بے  
وفائے واپسی اور وفا کی امید رکھتے تو کچھ حیرت نہیں اس  
کے حیران پر سب سوٹ کرتا ہے لیکن.....“ وہ راہداری  
میں ابھرتے قدموں کی چاپ پر ادھورے جملے کے  
ساتھ دانستہ خاموش ہوا۔

کیا وہ فاختہ کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا  
جن کے کمرے میں دیوار سے کندھا جوڑے وہ آراکشی  
آئینہ اپنے مستقل ٹھکانے کا منتظر تھا۔ لائڈری کرنی  
صباحہ اس کی عجیب و غریب تمہید پر بھی سوچ سکتی تھی  
اس بات کو سن کر راہداری کی بھلائی بدرا کا منہ بنا اس نے  
اپنا نام لیتے اس تبصرہ نگار پر جتنی سی نگاہ ڈالی کیا ایسا تھا  
کہ وہ اپنے نازاں سے وفا جیسے سا ادا لڑکی کے متعلق

جاری کر رہا تھا جو فاختہ سے محبت کرتی تھی یا پھر وہ اپنی  
سابقہ منگیترو کی فیڈنگ کو کوس کرتے ہوئے اس پر اپنی  
خوبیاں آشکار کر رہا تھا۔

”ہنہ گھٹا“ اس نے سر جھکا کر اپنی کل رات  
جب وہ اپنے سیل فون کی گھڑی چیک کر رہا تھا تو وہ  
ایندھیرے بڑا دمب میں گھڑی سے اندر جھانک رہی  
تھی۔ اس کے سیل فون کی گھڑی ایک بے ایک نامور  
اور حسین ماڈرن تصویروں سے بھری ہوئی تھی عون نے  
منہ پٹائی لڑکی کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر رخ بدلا اور  
بات کا سلسلہ دوبارہ سے جوڑا۔

”لیکن آپ بہت مختلف ہیں تو آپ کے اس  
مستقل انتظار پر میں سمجھتا ہوں۔“

وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا تو اس کا لب و لہجہ  
عام سا تھا مگر وہ سارے حروف، وہ تمام الفاظ عام نہیں  
تھے تو وہ فاختہ کی بات کی بات کر رہا تھا وہ بے اختیار  
طور پر گڑبڑا کے پٹی تو اس کے چہرے کا رنگ ہی نہیں  
اس کے حواس بھی اڑے ہوئے تھے۔

”کیا مطلب؟“ اسے سوال کی ضرورت ہی نہیں  
تھی اس کے پلٹنے اور نگاہ ملانے کا انداز اس  
قدر استفساریہ تھا، اس کی بوکھلاہٹ حیرت کا باعث  
تھی۔

”میں اس خوش آواز اور غیر مستقل مزاج چرندے  
کی بات کر رہا ہوں۔“

وہ آم کی چوٹی پر اترتے سفید رہن کی جانب  
اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے جواب دہ ہوا تو وہ گہرا  
طویل سانس خارج کرتے ہوئے حواسوں میں آئی، وہ  
پتا نہیں کیا کبھی تھی۔

”ویسے میرے متعلق تمہارا تعجب ناحق ہے کہ  
ایسے شوق بدرا نے ہی پال رکھے ہیں۔“

وہ اس سے نگاہ جراتے ہوئے بولی اس کے  
جواب پر لمبے ڈگ بھری بدرا اچانک سے رکی۔ اس  
کے جواب پر عون کا ہاتھ منگن آکڑا ہوا، اس نے غلط بیانی  
تھی۔ ایسا کیوں تھا کہ وہ ہر حوالے سے منکر ہو کر صرف  
حال میں جھجک جھجک کر رہا تھا، اس کا منہ بڑا بڑا



تھا۔  
”چلو ماں لیا کہ یہاں اس بیڑ پر اسے بدرانے  
ہی باندھ رکھا ہوگا لیکن ماں بتاتی ہے کہ ادھر آپ کے  
آہائی گھر ہیں۔“

روانی میں بولتا وہ لڑکا اسے بہت کچھ یاد دل رہا تھا  
اس نے مغرب سا ہو کر سفید کے بجائے سرخ دوپٹے  
کوئیل سے پانی کی بائی میں پیچھا۔ اپنے کام میں آج  
پہلی بار غلطی کرنے والی وہ عورت اگلے لمحے اپنے آبائی  
گھر میں پہنچ چکی تھی۔

وہ گھر جہاں اسے اپنے باپ کی سینکڑوں  
مصروفیات میں سے اس کی واحد مصروفیت پرندوں کو  
دانہ پانی ڈالنا پسند تھا۔ وہ گھر جہاں اس کی دوسری دلچسپی  
کاباعث دادی کے تخت کے پاس پیچرہ بڑا تھا جس  
میں بلبوں کے جوڑوں کا بیڑا تھا جو دادی کا کوئی رشتہ  
دار بطور خاص ایران سے لایا تھا۔

ایک دن اس کی غلطی سے ایک بلب اڑی تھی شام  
کو وہ اپنی فراک کا ایک حصہ کاٹ کر الماس کے بیڑے  
چڑھ گئی تھی، اپنی دادی سے کسی کئی کہانی میں ایک گمشدہ  
لڑکی رائے میں جگہ جگہ بیڑوں پر بندھی اپنی بہن کی  
سفید پوشاک کے ٹکڑوں کو پہنان کر بالا خراس تک پہنچ  
گئی تھی مردہ ایرانی بلب جو اڑی تو الماس کی اس چوٹی پر  
اس سفید نشانی کے ہوتے ہوئے بھی کسی واپس نہیں  
آئی۔

☆☆☆

گزشتہ کی سالوں سے اس کی زندگی میں سب  
ٹھیک چارہا تھا۔ اسے یاد نہیں چلنے کب سے لیکن اس  
کی زندگی باقی سے کٹ کر صرف حال میں گزر رہی تھی  
شاید اس وقت سے جب سے وہ اپنی تمام سکری بھاوج  
کے ہاتھ پر رکھے گئی تھی تب سے باقی کے طعنوں  
تھنوں سے بھی اس کی جان چھوٹ گئی تھی۔

آج شام وہ عموں کے سامنے سے ادھر ادھر ہو کر  
اس نے خود کو ادراپتی جس کہانی کو ادھر ادھر کر دیا تھا رات  
کو بستر پر گرتے ہی وہ اس باب سے غلط گئی جہاں ایک  
بار پھر وہ اپنے آبائی گھر میں تھی، وہ گھر جہاں اس کی

موجودہ ماں کی صرف تصویریں اور نشانیاں ہی اس نے  
دیکھی تھیں جہاں ہوش سنبھالتے ہی اس نے اپنے باپ  
بھائی اور دادی کو دیکھا تھا۔

دادی کی وفات کے بعد اس کے باپ نے رشتے  
داروں اور دوستوں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود دوسری  
شادی نہیں کی تھی۔ جب اس کا بیٹا اٹھارہ ایس سال کا ہوا  
تو وہ گھر میں بہو لے آیا تھا، بھادرج کی آمد کے بعد بھی  
اپنے بھائی سے چار سال چھوٹی صاحبہ کے لایا ابی اور کام  
چور مزاج میں کچھ خاص فرق نہیں آیا تھا مگر بلبوں کا  
پیچرہ وہ واحد ذمہ داری تھی جو اس نے خوش اسلوبی سے  
سنبھال رکھی تھی گو کہ اب اس پیچرے میں ایرانی بلبوں  
کی جگہ گل دسوں کا بیڑا تھا۔

وہ اسکول سے آتے ہی پیچرے کے ساتھ لگ  
کے بیٹھ جاتی تو چھپوٹے موٹے کاموں کے لیے رگس  
جو اس کی منتظر ہوتی تھی، دل موس سے رہ جاتی۔

ایک دن وہ اسکول سے واپس آئی تو پیچرہ خالی  
پڑا تھا۔ اس دن دوسری بار وہ الماس کے بیڑے پر چڑھی تھی  
اس کے بعد بھی وہ پیچرہ لان پرندوں سے کئی بار آباد ہوتا  
اور جانے کس کی غلطی سے خالی ہوجاتا۔

وقت گزرتا گیا وہ فاخر اور بدرانے کے ساتھ کھیل کود  
کر پروان چڑھتے ہوئے آئیس بائیس کی عمر کو پہنچی۔  
اسے سردیوں کی وہ دوپہر یاد آئی اس دن ابا کے کالج  
کے زمانے کا ایک خاص دوست آ رہا تھا۔ بھادرج نے  
اسے اپنے ساتھ کام پر لگا رکھا تھا اس کی نگاہ کے چوکتے  
ہی وہ وہاں سے کھسک کر اپنی جائے پناہ کی طرف آ گئی  
اور حسب عادت وہیں سو گئی۔

خاصی دیر بعد جب اس کی نیند ٹوٹی تو باتوں کی  
آوازیں کر اس نے دو صوفوں کے بیچ پڑے خلا میں سے  
سامنے کا منظر دیکھا۔ بیٹھک میں موجود اس کا باپ  
ایک سوئڈ بوئڈ بارعب مہمان کے سامنے اسے اپنی اور  
اس کی کلاس کی جمع تقریق سمجھا رہا تھا۔ وہ شخص اب کی ہر  
دلیل کے جواب میں بہر جھک کر بار بار اپنے منہ چار آ  
جاتا۔

اس روز جلال نے اپنے دوست کے آگے اپنے

دل سے سب سے بڑے صوفے کے پیچھے قالین پر لٹکی  
مباحہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ابا کا بیٹا انداز سا  
دوست یہاں کس غرض سے آیا تھا صد شکر کہ اس کے  
بیدار ہونے کے بعد جلد ہی وہ دونوں جب عصر کی نماز  
ادا کرنے مسجد میں گئے تو اس نے اپنی خفیہ پناہ گاہ  
چھوڑنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کی۔

وہ تو شام کو جب نرس اسے ڈھٹک سے دوپٹے  
اڑھا کر بیٹھک میں لائی تو پینٹ کوٹ میں بیوس انگل  
نے اسے اپنے ساتھ بٹھا کر نا صرف اس کے سر پر  
شفقت سے ہاتھ رکھا بلکہ اس کی دائیں ہتھیلی پر کئی نوٹ  
بھی رکھے تھے تو وہ حیرانی سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

کچھ لوگ خوشبو پیسے ہوتے ہیں کہ ان سے ملنے  
ہی بندہ مہک اٹھتا ہے۔ یہ جلال کا خود سے اعتراف تھا  
اس روز اس نے محسوس کیا اس کے یقی لباس میں چھپا  
اس کا شئی کا وجود گویا مدتوں بعد مہک اٹھا تھا۔

☆☆☆

آخر ایسا کیا ہوا تھا کہ زندگی میں پہلی بار باہر  
کشادہ ترین لان میں برقی بارش کی طرح اس کا زور  
زور سے رونے اور گھر کی ہر پرستار کو چیز کو ہنس نہس  
کرنے کا دل چاہا تھا، اس بات پر نہیں جب اس کے  
شوہر نے کہا تھا۔

”جی جواد کی جلد شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس  
بات پر بھی نہیں جب اس کے بتائے ہوئے رشتے  
رد کر کے اس کے شوہر نے سٹینٹیل پر پڑے جوس کے  
ڈبوں میں سے ایک ڈبے کا انتخاب کرتے ہوئے کہا  
تھا کہ وہ لڑکی کا انتخاب کر چکا ہے۔ اتنا بڑا فیصلہ سننے  
کے بعد بھی یاقوت کا اطمینان قابل دید تھا۔

”ایک ڈرنک اور بہو کا انتخاب کرنے میں بہت  
فرق ہوتا ہے۔“

ایسا سوچتے ہوئے اس باغ و بہار عورت کی  
مسکراہٹ اس کی لاش گرین ساڑھی کی طرح نرم اور  
چمکیلی تھی مگر اگلے دن جب جلال نے بیٹیوں کو زور پر اس  
رشتے کی تفصیل بتاتے ہوئے جواد کو اپنا فیصلہ سنایا تو اور

چند منٹ خاموش رہنے کے بعد جواد نے باپ کے فیصلے  
پر سر جھکا دیا۔

رئیس اور ذارا کی ایک خطا پر اس کے شوہر نے  
بیٹیوں کی زندگی کے فیصلے اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے تو  
کیوں ایک شان و شوکت کی مالک یاقوت کی فریڈز  
اس کے کرومنڈ لائی تھیں اور اب بھی منڈ لائی تھیں تو  
اس کی ایک بھج اس کا چھوٹا بیٹا جواد تھا، ان میں بہت سی  
ایسی ہوں گی جن کی بیٹیاں یاقوت کی بہو بننے کے  
خواب دیکھ رہی تھیں۔

اس روز جواد کا اس رشتے کے متعلق اقرار اس  
اس کا زندگی میں پہلی بار با آواز بلند رونے اور گھر کی ہر  
چیز ہنس نہس کرنے کو دل چاہا تھا جواد اب بیٹیوں سے  
بات کر رہا تھا جو اسے اشاروں کنایوں میں انکار کا کہہ  
رہی تھیں جبکہ ان کے سامنے بیٹی یاقوت سننے کے عالم  
میں تھی۔

سننے کے قابل بھی نہیں تھی، خاندان کے لوگ تو  
اس سے متاثر تھے ہی لیکن ان سینکڑوں متاثرین میں  
نمر فرست اس کا شوہر تھا، اسے فی الفور اپنی قلاب  
کیفیت سے باہر آنا تھا، یہی وقت مناسب تھا کہ وہ  
فیصلہ صادر کرنے والے سے بات کر سکتی تھی اگر فیصلے پر  
نظر ثانی ہو سکتی تھی تو ابھی ہو سکتی تھی سو وہ ہلکا سا کھٹکھٹا رہی۔

”ایک ماں ہونے کے ناطے تمہیں بتاتی چلوں  
پہلے شہور پر تم نے اپنا فیصلہ تو بڑا وہ اور چیز تھا لیکن تمہارا  
یہ آوارہ گرد بیٹا خاصے پر اسرار مزاج کا مالک ہے  
میرے خیال میں تو تمہاری چوٹ کے بجائے اس کے  
سوشل سیٹ اپ سے تعلق رکھنے والی لڑکی ہی اسے افروز  
کر سکتی ہے، دوسری صورت یوں آنا فانا شادی کے  
بجائے اس لڑکی کو انڈر لائنڈ کرنے کے لیے اسے کچھ  
وقت دو۔“

کیا یہ کمال نہیں تھا کہ اندر سے روتی ہوئی وہ  
عورت جب شوہر سے مخاطب تھی تو اس کے لہجے کا  
ہار سنگھار قائم و دائم تھا، وہ بولتی رہی تھی اور وہ اسے سن رہا  
تھا جب وہ خاموش ہوئی تو جلال نے اسے بغور دیکھا



اس کے چہرے پر اور اس کی آنکھوں میں سی سی ایک  
مشورے کی جھلک تھی، انکار نہیں تھا۔  
"پروفوری می! مجھے بابا کی پسند سے کوئی  
اختلاف نہیں۔" وہ ماں کے مشورے کو مسترد کرتے  
ہوئے سرعت سے بولا۔

کرب سے پہلو بدلتی یا قوت کی سمجھ میں نہیں آیا  
کہ وہ بڑے کا جواب کس طرح بدلتی، یہ حقیقت تھی کہ  
جلال عالم کو اپنے دوسرے بیٹے کی زندگی کا فیصلہ کرنے  
کی جرات اپنی بڑی بہو کے انتخاب کی کامیابی نے دی  
تھی۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ جواد کے لیے باپ کا فیصلہ  
ماننے کی وجہ بھی اس کی بھابی لگا رہی تھی۔

رہیہ اور زار نے اپنے شوہروں کی برابری پر آ  
کر ان کا لائف اسٹائل فالو کرتے ہوئے جس طرح اپنی  
زندگی کو متاثر بنا رکھا تھا تو وہ بھی اب سیٹ ہو جاتا تھا۔  
پھر یہ سوچ کر خود کو بہلا لیتا کہ یہ سب ان کے اسٹیشن  
سیٹ آپ کا حصہ ہے مگر شوہر کی شادی کے بعد اس نے  
جانا کہ ایک کپڑا وائر ڈیوی کے ہوتے ہوئے زندگی  
تمنا نہیں لگتی، اس کی بھابی شوہر کی من باتوں اور  
اکھوتے بچے کی جدائی کے باوجود راضی رہی۔

ان دونوں بھائیوں کے مزاج میں نمایاں فرق تھا  
شوہر صرف اپنے اسٹیشن سرکل اور اپنی ماں کے حلقہ  
احباب میں مود کرنے والا بندہ تھا جبکہ جواد کی دلچسپیوں  
کا مرکز صرف اس کے سیر و سیاحت کے شوقین دوست  
ہی نہیں تھے بلکہ نگری نگری پھر ہمسافر جیسے تمام لوگ تھے  
، بھلے وہ اس کا مالی ہویا اس کا ڈرائیور، وہ اپنے ہم مزاج  
لوگوں کا درد ان تھا۔

اسے نگار جیسی بیوی چاہیے تھی جس نے اپنے  
شوہر کو آزاد چھوڑ رکھا تھا جب جواد اس شادی کے لیے  
مکمل طور پر رضا مند تھا تو پھر جلال کو کسی دوسرے کے  
مشورے پر کان دھرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، یوں آنا  
فانا صاحب اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔

جواد کو اس چیز سے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا کہ اس کی  
بیوی رت دن بینک میں ننگے پاؤں کیوں پھرتی ہے۔ وہ  
مالی کی بیوی کے پاس کھڑی ہو کر قہقہہ لگاتی ہے یا پھر

کے بولنے کیوں بناتی ہے، اسے اس سے بھی فرق  
نہیں پڑتا تھا کہ ہسپتال کا وہ پنجرہ جودن کے چھ کھینے  
صباح کے ہاتھ میں رہتا ہے تو کیوں اور اس میں واقعی  
ایرانی بلبل تھی یا کوئی دوسرا پرندہ تھا مگر اس کو خود شہر تھا کہ  
اس کی بیوی کی ان اوٹ پٹانگ حرکات سے اس کی ماں  
کو فرق پڑ سکتا ہے۔ بالآخر اسے اسے لٹو کنا پڑا۔

جیسا کہ وہ بار بار کہتے ہیں اپنی کچھ عادات کو بدلنا ہوگا اور  
اس پنجرے سے بھی فاصلے پر رہنا ہوگا ایسا نہ ہو کہ کسی  
روز بھی تمہیں اس کے جیسے کسی پنجرے میں بند کر دیں یا  
پھر تمہاری اس بلبل کے ساتھ تمہیں بھی اڑا دیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا تھا، شادی کے بعد پہلی بار  
دوستوں کے ساتھ سیر پائے پر جاتے ہوئے وہ شہر آتا  
اسے تنبیہ کر کے لگا تھا، وہ واقعی محتاط ہو گئی تھی مگر ایسا  
کچھ نہیں ہوا تھا۔

اس کا زیادہ وقت نگار کے ساتھ گزرتا تھا۔  
یا قوت عالم ان دنوں مصروف اور خاموش رہتی تھی وہ  
اسے نوٹس کر رہی تھی یا نہیں۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔

اگلے ایک سال تک سوائے اپنے پوتے عون کے  
اس نے جیسے باقی سب کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا جن  
میں سرفہرست اس کی بیٹی رہی تھی۔

☆☆☆

کیا سمجھتا تھا کہ وہ لڑکی دوبارہ اس کی زندگی میں  
اس وقت آئی تھی جب فاخر کے پاس اپنا بیٹا لڑنے  
کے لیے وقت تھا نہ نجاش تو بالآخر فیصلہ اس عروسی  
آئینے کے حق میں ہو گیا تھا رات کو جب وہ اپنی مخصوص  
دھیمی گنگناہٹ کے ساتھ اسے کاسی دیوار کے وسط میں  
آویزاں کر رہا تھا تو ایک صبح بھی جو فاختری گنگناہٹ پر  
چوٹی نہ حیران ہوئی جیسے وہ اس آئینے کے انجام سے  
واقف تھی۔

کوئی اگر ایسے اندازوں کے غلط ہونے پر حیران  
تھا۔ حق تھا تو وہ عون تھا۔ فاخر کس دنیا میں رہ رہا تھا  
جو کروڑوں کی اکھوتی وارث کو چھوڑ کر اپنے ہی جیسی مڈل  
کلاس لڑکی کے لیے پھر سے اپنا کمرہ بنایا تھا۔

ہے ان کے دور میں سی لالچ  
سے بے غرض لوگ موجود ہوتے ہیں؟ نیاز منزل میں  
رہنے والے فاخر کے لیے وہ رشتہ اہم تھا جو اس کی ماں  
نے جوڑا تھا۔ عون ایک ناقابل یقین کیفیت میں گرفتار  
تھا اور بدرا بھی ایک ایسی ہی ناقابل یقین کیفیت سے  
دوچار تھی۔

فاخر جو بونی کے چار سال اس لڑکی کی محبت میں  
جلا رہا تھا، یہ محبت یک طرفہ بھی نہیں تھی۔ تعلیم مکمل  
کرنے کے بعد جب وہ اچھی جاگ کے لیے دھکے کھا  
کھا کر بھی اپنی لائف اس لڑکی کے مقابلے میں سیٹ  
نہیں کر سکا تو اس کی خواہش سے دستبردار ہو گیا تھا بدرا  
نے خیال میں جب سب کچھ دوبارہ سے ٹھیک ہونے لگا  
تھا تو فاختر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"میں صرف اپنی خوشی کی خاطر دو خاندانوں کو  
تکلیف اور شرمندگی میں جیسے ڈھکیل سکتا ہوں۔" اس  
نے پھری ہوئی بہن کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ اب  
اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتی تھی نہ  
معذرت نہ محبت۔

"مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ فاخر نے اس لڑکی کو  
بہت بڑا دھوکا دیا ہے۔"

اسی قسم کے جھیلے۔ پاس کہتے ہوئے وہ صبا  
کے بھی گلے پڑ رہی تھی۔ اس کی جذباتی تقریر کے  
جواب میں عون خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

"اس قسم کے جذباتی فیئر میں لڑکیاں بنا سوچے  
سمجھے فیصلے کر لیتی ہیں جو آگے چل کر ان کے لیے  
خطرناک رخ اختیار کر جاتا ہے۔ فاخر نے اسے دھوکا  
نہیں دیا بلکہ اس کی بھلائی کے لیے اسے چھوڑ دیا کہ وہ  
لڑکی یہ ماحول ڈیزر نہیں کرتی تھی۔"

وہ طبقاتی فرق پر چاہے ایک جملہ لگتا تھا پر وہ اس  
قد رکاب دار ہوتا کہ وہ نملانی رہ جاتی اس رخ کلائی کے  
بعد وہ اس سے بھی لڑ جھگڑ کر رات سے کمرہ بند ہو چکی  
تھی۔

☆☆☆

اس لیے اگلی صبح نیاز منزل پر چھائی خاموشی پھیلے

چہرے کے معمولات سے کرمی، سنجیدہ چہرے کے  
ساتھ لائٹ براؤن شرٹ کی آستین مڑے ہوئے اس  
خوش شکل اداکار کے لیے یہ سمجھنا مشکل تھا کہ وہ اس  
خاموشی میں کیا تلاش کر رہا تھا۔ اس نے آسمان کی  
طرف نگاہ اٹھائی، وہاں بادل جمع ہو رہے تھے کیا وہ  
چوری شدہ چائے کی مہک کوس کر رہا تھا جو بارہی  
خانے کے دروازے پر لٹا ہوا کرسی ہی چائے کے  
شوقین کو ذمہ کر سکتی تھی۔

گھر کی خاموشی کو بادلوں کی گڑگڑاہٹ نے توڑا،  
ساتھ ہی بارش کی موٹی موٹی بوندوں نے ڈربے میں  
اوگھتی مرغیوں کو شور مچانے پر مجبور کیا۔

اسے بروقت یاد آیا کہ فاخر اور اماں نانی کو لینے  
اسٹیشن گئے تھے، اس کی امان اماں جتنا یقین کسی  
سائے کی آڑ میں رکھتی ہوئی چند سیکنڈز بعد موٹی بوندوں  
کی ٹپاٹپ میں جالی دار دروازے کی ہلکی ٹھٹھک دہم  
ہوئی، اماں جتنا ہی جارہی برآمدے میں لگاتے عون نے  
دیکھا وہ حمن کی اشیاء کو سینے کے لیے ہر ایک کو نظر انداز  
کر کے آگے بڑھ گئی، موٹی بوندوں سے شروع ہونے  
والی بارش پوچھاڑ میں بدلتی تو اس کی خف باڈی گارڈ  
ٹھٹھک رہی۔

وہ جانتی تھی کہ اماں جتنا چائے سیکٹ کی شوقین  
تھی مگر اس وقت چائے اس کی ضرورت تھی، اچھا خاصا  
بھگ چکی بدرا اب بچن میں چائے بنا رہی تھی۔ وہ اماں  
جتنوں کو بیٹھک میں بٹھا کر باہر برآمدے میں آیا تو نگاہ  
واش بین کے آئینے سے عکاسی تو اسے یاد آیا، ہلکی وہ ای  
جگہ پر کھڑا تھا وہ سائے آئینے کے آگے کھڑی تھی۔ کئی  
ہی دیر بعد اسے محسوس ہوا کہ وہ حمن میں اپنا چہرہ نہیں بلکہ  
آئینے میں نظر آتے عون کو ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔  
کبھی کمرے کے اندر جالی سے چھلکی بھی بیٹھک کی  
کھڑکی کی کسی درز سے لگی، وہ اسے دیکھتی تھی وہ بھی  
جانتا تھا کہ وہ عون عام لوہی ذکیہ کے بیٹے کو دیکھتی ہے  
، بارش کا زور جو کچھ دیر پہلے تو آٹا تھا ابھی ہی اس نے حمن  
میں قدم رکھا تو وہ پھر سے برسنے لگی، وقت نے اس کے  
ہاتھ میں جوا سکرپٹ تھمایا تھا، اس میں اپنے کردار کے



مطابق وہ محبت جیسی اداکاری کر سکتا تھا۔  
اس کی نظر میں وہ اس کا سنگتیر تھا۔ تیز ہوتی بارش  
میں اس کے قدم برآمدے کی جانب پلٹنے کے بجائے  
آگے بڑھے تھے۔ اب وہ بچن میں کھڑا تھا ان چھ دنوں  
میں اس گھر کا ہر فرد اس سے اسی بے تکلفی سے پیش آ رہا  
تھا جتنا وہ ایک دیرینہ رشتے دار کے ساتھ پیش آ سکتے  
تھے۔

اب وہ اس کے عقب میں کھڑا تھا عون شہود عالم۔  
وہ اس لڑکی کو اپنی محبت میں گرفتار ہونے دیتا، یہ کسی  
صورت نہیں ہو سکتا تھا، ایک ارب پتی اس جادوئی  
جزیرے پر ایک عام مسافر کی حیثیت سے ایک مقصد کی  
تلاش میں آیا تھا، اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ عبادت گاہ  
کے احاطے میں جا کر ایک پجارن سے نظر ملا کے بات  
کرتا۔

”فکرت کرو، اگرچہ میں تم سے بھی ناراض ہوں  
پھر بھی دو کپ چائے نہیں بناؤں گی۔“ وہ پلٹ کر اسے  
دیکھے بنا دیکھے سے مخاطب ہوئی، وہ پلٹ کے دیکھ لیتی تو  
وہ چہرہ موڑ لیتا۔ وہ محبت کا نہیں چائے کا شوقین تھا، وہ  
چائے کا کپ اٹھا کر باہر آ گیا۔  
وہ جانتا تھا کہ ننگے پاؤں پھرنے والی جی تھا مسن  
کی واپسی کے لیے ایک شرط رہتی ہے، وہ جانتا تھا کہ  
چائے کے تین کپ پنانے والی اس کی پشت سے چپکلی  
یلی شرٹ کو گھور رہی تھی۔

وہ ایک ابھری ہوئی بیک ہائٹر کے اسکرپٹ کا  
کردار نہیں تھا جو نہایت رومینک لگتی تھی، ابھی چپکلے  
دنوں وہ اس کا اسکرپٹ پڑھ کے تادیر ہستار ہا تھا۔  
”نانی گاڈیار، مطلب مجھے اپنے ہر سین میں ایک  
جذباتی لڑکی کا ہاتھ تھام کر اسے محبت جیسے جذبے کا  
یقین دلانا پڑے گا۔ امپا سبل۔“

وہ محبت جیسے کھیل کا شوقین نہیں تھا۔ وہ کھیل میں  
بھی محبت کا شوقین نہیں تھا۔

☆☆☆

آج کا دن گزشتہ روز سے مختلف تھا آج اس کے  
مزاج سے طمانیت غائب تھی تو اس کی وجہ صرف وہی

جانتا تھا لیکن آج گھر کے بچن سے چکن کڑاہی کی  
خوشبو اٹھ رہی تھی تو اس کی وجہ سارا گھر جانتا تھا۔  
”سنگتیر ہے، نانی کی بدولت اس گھر کے بایسوں  
کو اچھی خوشبو تو نصیب ہوئی۔“ بچن میں ہاتھ پاؤں  
چلاتی بدرا کی بڑبڑاہٹیں راہداری کے سرے پر موٹر  
بائیک دھونتا عون ہی سن رہا تھا جس پائپ سے وہ بائیک  
دھور ہا تھا۔

ہر ایک گلے منٹ وہ اسی پائپ سے ہالٹی بھرنے  
آ جاتی، اس کے چہرے پر پھیلتی شرارت کو وہ مسلسل نظر  
انداز کر رہا تھا۔ نرس اپنے اور اماں کے لیے چائے بنا  
کر برآمدے میں لے آئی تو اس نے بیٹھتے ہی پلٹی  
سے دس روپے کا نوٹ کھولتے ہوئے اسے آواز دی۔  
”بدرا پچھل دوڑ کے اتار دانہ لے آ.....“ بدرا نے  
جھپٹے سے مائے فرش پر پھینک کر گلے میں جھولنا دوپٹہ  
اتار کے کندھوں پر پھیلا دیا۔

عون نے نیلے سے پھرنے لگی کو ایک تلخی حیرت  
کے ساتھ دیکھا، وہ سن دھور رہی تھی اس کے کپڑے گیلے  
ہو چکے تھے، اسے بیٹی کے برے بھلے کے بجائے پیسے  
بچانے کی فکر رہی تھی۔ ہر طرح کے لباس میں ریب پر  
چلنے والی ماڈلز کے ساتھ کام کرتے اس نوجوان کو اس  
بھنگی ہوئی لڑکی کے باہر جانے سے کیا فرق پڑتا تھا مگر  
اسے حیرت ہوئی کہ اسے فرق پڑا تھا جیسے وہ واقعی ان کا  
رشتے دار تھا۔

”بدرا کور بنے دیں، میں لے آتا ہوں۔“ وہ ٹوٹتی  
بند کر کے تیزی سے خارجی دروازے کی طرف بڑھا۔  
”تم تو سننے ہی دو، تمہیں سفید کہا تھا تم کالا  
زیرہ اٹھا لائے، وہ بھی سونے کے مول، مان لو کہ خرید  
و فروخت تمہارے بس کی بات نہیں، بدرا کو  
بھاؤ تاؤ تو آتا ہے نا.....“

اس نے بیٹی کے ہاتھ پر بیس کا نوٹ رکھا وہ  
واپس بائیک کی طرف آیا تو اس کے ساتھ پر گہری شکن  
تھی، اس نے دروازہ عبور کرتی بدرا کو بھی اسی شکن کے  
ساتھ دیکھا۔

”کچھ ہوش کے ناخن لو نرس! فی الوقت گھر میں

لڑکا ہے تو پتی لود گاؤں پر بھگانا کیا مناسب ہے؟“  
کلف زدہ سونی، نارنجی ساڑھی میں ملیوں اماں کی نگاہ  
عون پر جمی تھی۔  
”میں تو سمجھی تھی کہ تم نے بیٹی کو پڑھانے کے  
بعد گھریلو کاموں میں طاق کر رکھا ہوگا مگر افسوس تم نے  
اسے صرف خرید و فروخت اور بھاؤ تاؤ ہی سکھا رکھے  
ہیں۔ تم نے تو نند کے انجام سے بھی کچھ نہیں سیکھا۔  
قد، بہت، رنگت، مزاج میں تو بدرا پہلے ہی پھوپھی کی کاپی  
ہے، اگر قسمت بھی اس جیسی نکلی تو پھر بیٹھ کے ہاتھ مٹی رہ  
جانا۔“

نیاز منزل میں کئی سالوں بعد تشریف لانے والی  
انا بزرگ خاتون نے یہ بات اعلان کرنے والے  
انداز میں کہی۔

اس اعلان پر گس یا پھر گیلی قیص کو دوپٹے سے  
ڈھانپتی اس لڑکی نے کوئی ریسا نہیں دیا، اس اعلان  
پر عون نے کرنٹ کھا کر نگاہ اٹھائی اور اس لڑکی کو آج  
چپلی بارغور سے دیکھا۔ قد، بہت، رنگت تو ٹھیک تھا مگر  
مزاج اور عادات ناممکن، ناممکن۔ وہ کیسے یقین کر سکتا تھا  
کہاں سجدہ و باوقار سی صاحبہ نیاز اور کہاں پانچل جانی  
لڑکی، نانی، بھائی کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر بیٹی کے لئے  
لے رہی تھیں۔

”اگر یہی حال رہا تو دیکھ لینا تمہاری بیٹی بھی اپنی  
پھوپھی کی طرح سسرال میں اماں باوا کا نام ڈیو کر واپس  
آ جائے گی۔“ وہ بوڑھی خاتون اس دھلے دھلائے مچھن  
میں گرو غبار جیسے راز کھول رہی تھیں۔

آج یہاں پہلی بار وہ صاحبہ کے سسرال کا ذکر سن  
رہا تھا رنگ بدلنے پہرے کے ساتھ گردن اٹھائے وہ  
اسی طرف دیکھتا رہ گیا۔ گرے بیل باٹم پر بینک شرٹ،  
گلے میں ہلکورے لیتا سورج نما لاکٹ ایک کلائی میں  
مولی سنہری برسلیٹ، دوپٹے کا بھگیا پلو ٹیوٹنی ہوئی وہ  
نانی کی باتوں پر برے برے منہ بنارہی تھی مگر وہ خود  
پر گڑھی اس کی نگاہ کو بھی نوٹ کر رہی تھی جس کے لباس  
سے اٹھتی قیمتی خوشبو نے آج کل پورے شہر کو بھک سے  
بھر رکھا تھا۔

☆☆☆  
”دیکھو تو اماں! نے اپنے پسندیدہ لوگوں کے  
لئے سالن نکال کر باتی ناپسندیدہ افراد کے لئے شور  
پتلا کر دیا ہے۔“ اس نے اندر آتے عون کو بلایا جس  
کا موڈ قدرے آف تھا۔  
اس نے صبح ساڑھے دس بجے جو کال ریسیڈنسی  
تو بدرا کے علم میں تھا کہ کی بی بی کی کال تھی، دونوں  
کے درمیان بحث ہوئی رہی تھی، بلا غریب بھڑکے  
پر ختم ہوئی تھی۔

”اب اماں کے ناپسندیدہ افراد جیسا بھی کھائیں  
اس سے بہت زیادہ ریاست کو کیا فرق پڑتا ہے۔“ بدرا نے  
اس کے سپاٹ چہرے پر غور و فکر کرنے کے بعد بات کا  
سلسلہ دہرائی سے جوڑا۔

”خیر فرق تو مجھے بھی نہیں پڑتا کیونکہ تالیہ کے  
پاس ہمیشہ پلان بی ہوتا ہے۔“  
وہ مسکرائی، اسے یقین تھا کہ وہ اسی کی جانب  
متوجہ ہے، وہ بچن کا وٹنر پر دونوں تھیلیاں جھا کر کٹی کی  
طرح اچھلی، وہ حیران ہوا یہ منظر اس کے لیے نیا تھا اندر  
لکڑی کی چوکور میز اور اس کے گرد بیٹھی چار کرسیاں بچن  
کے لیے ہی مختصر تھیں یہاں اگر تینوں وقت کوئی کھانا  
کھاتا تھا تو وہ بدرا ہی تھی۔

گھر میں جب سے مستریوں کا کام ختم ہوا تھا تو وہ  
دوپہر کو اس شور دم میں چلا جاتا جہاں فاکر کام کرتا تھا، وہ  
دونوں رات کا کھانا بیٹھک یا برآمدے میں کھاتے  
تھے۔

آج کچھ رشتے دار خواتین حضرات نانی سے  
ملنے چلے آئے تھے تو بدرا نے اسے بچن میں بلایا  
تھا۔ آج وہ رنکس تھی۔ شاید اس نے فاکر کی جوشن کو  
سمجھ لیا تھا یا پھر اس کی ناراضی کا دورانیہ طویل نہیں ہوتا  
تھا وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔

بچن سب پر چڑھی لڑکی واقعی ایک نرالی چیز تھی  
اس نے بچن کی بی بی کی صحبت پر سے دبی کا پیالہ دریافت  
کر لیا پھر اس نے فوٹی چلائے گا کی تومیز کے اطراف  
بیٹھے اس واحد فرد کی آنکھیں پھیلیں



”تہاری ان چوریوں کا حساب جب اللہ لے گا تو اس سے بھی مہنگائی یا ریاست کو کچھ فرق نہیں پڑے گا؟“ وہ اپنی حیرت اور دلچسپی کو نگاہ میں محفوظ رکھ کے بولا۔

”مجھے اللہ سے مت ڈراؤ کہ پلان اے کے تحت کھانا پینا میری مجبوری ہے۔“ وہ نہ سہمے ہوئے بولتی ہوئی جب ٹیبل کی طرف آئی تو اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔ اگر میں وہی ملا کر ہانڈی کا پانی خشک نہ کرتی تو تم سالن کی شکل دیکھتے ہی بھاگ جاتے۔“

گئی۔ ”آنی کی تو مجبوری ہے اگر میں ان کی طرح انسان کی مرضی پر جیوں تو ہر نعمت کا اصل ذائقہ بھول جاؤں۔“ وہ پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے ہنس کر بولی۔

عون کا ہاتھ رکا اس نے پلان اے کے تحت لٹ کر لڑکی پر گہری نگاہ ڈالی۔ ”نانی تو کہہ رہی تھیں تم بالکل اپنی آئی جیسی ہو۔“ اس نے سوال کیا تو نگاہ اس کے چہرے پر ہی جمی رہی وہ درحقیقت اس ایک سوال کے سو جواب سننا چاہتا تھا۔ وہ ایسی تھی، وہ ایسی تھی۔

”وہ ایسی تھیں، اول، ہنہ میں یقین نہیں کر سکتی۔“ اس نے سر کو دائیں، بائیں جھلایا۔ ”ان جیسا کوئی بھی نہیں۔ اس وقت یہاں وہ ہوتیں تو اسی پانی جیسے شوربے کو رغبت کے ساتھ کھا رہی ہوتیں۔ پتا ہے کیوں؟“

اس نے عون کی آنکھوں میں دیکھا، رنگ برنگی دنیا دیکھ چکا وہ شخص اس اوٹ پٹائی لڑکی کی آنکھوں میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا، وہ ان شرارتی آنکھوں کی رنگ برنگی دنیا دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

”تالیہ مراد ہوتی ہے، انسان کو جو کرنا آتا ہے وہی اسے بچاتا ہے تو آئی کی برداشت ہے۔ جو اس کے کھانے اور اس کی جانے کو مزے دار کر دیتی ہے۔“ عون کے جامد انداز میں کرنٹ دوڑا۔ ”وہ برداشت کا

شیشہ ہے جو سب سے مضبوط ہوتا ہے پھر کچ سے بنے گھر کی بنیاد ٹوٹے۔“ وہ اسے اپنی آئی کی برداشت کے مزید قصے سنا رہی تھی جب وہ بے اختیار ہی اسے ٹوک گیا۔

”اگر آئی میں اتنی برداشت تھی تو وہ اپنا گھر چھوڑ کر واپس کیوں آ گئی تھیں؟“ اس نے سوال کیا۔

بدر نے کچھ کہنے کو منہ کھولا پھر بند کر لیا کیونکہ وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی، وہ اپنے اس ایک سوال کے سو جواب دے سکتا تھا مگر اس کا جواب ایک ہی جملہ تھا۔ ”انتی خوبیوں کے باوجود بھی وہ اپنی اس دنیا میں واپس آ گئیں تو اس کی وجہ یقیناً کلاس ڈفرنس تھا۔“ اس بات پر بدر نے بے اختیار نگاہ اٹھائی۔

اس کا سابقہ منگیترا اگر رشتہ ٹوٹنے کے ملال میں مبتلا نہیں تھا تو نانا بھی وہ فریق ثانی سے دوبارہ سے رشتہ جوڑنے کی خواہش بھی چھین لینا چاہتا تھا۔ بے درہ سنگ دل۔

”ہم لڑکیاں ہر جگہ اور ہر حالات میں گرا کر رہتی ہیں۔“

وہ کندھوں پر گری لٹوں کو ایک انگلی سے پیچھے ہٹاتے ہوئے یوں گویا ہوئی جیسے اس نے زبانے بھری عورتوں کے مستقبل سے ہر فکر و الم ہٹا دیا تھا۔ اب کے سامنے بیٹھے مردکانہ صرف ہاتھ رکا ساتھ ہی سالن بھی رکی وہ ذکیہ کا بیٹا ہوتا تو جادو گر بن جاتا اور دنیا بھر کی لڑکیوں کے بائیسے میں روز اک گلابی پھول رکھ آتا، لیکن وہ عون عالم تھا۔ وہ تو صبح اور جواد کا رشتہ جوڑنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تھا وہ ذکیہ کا بیٹا ہوتا تو سالوں پہلے ٹوٹی ہوئی ایک مٹی سی مٹکئی کو پھر سے گانٹھ سکتا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا اب اسے نیاز منزل سے رخصت ہو جانا چاہیے، اگلے بل کھانے کے ٹیبل پر بڑے اس کے سیل فون پر بیچ کا نوٹی لکیشن آیا تو ساتھ ہی مٹی کا نام بلند ہوا۔ کسی پسماندہ گاؤں میں رہنے والا وہ لڑکا ایک فی میل اکا نام بلند کرنے پر آم کے سامنے گھبرا ہوا اس

نے فون اٹھانے میں جلدی کی تو بدر کے چہرے پر حیرت اُبھری۔ اس نے فون سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ کیا بیچ میں وہ بے درد فریق ثانی سے ایک رشتے کے دوبارہ جوڑنے کی خواہش بھی چھین لینا چاہتا تھا، نظارہ کھانے کی طرف متوجہ وہ شخص اس کے استعجاب سے باخبر تھا۔

☆☆☆

صبح اس کی اپنی ماں سے بات ہو چکی تھی اس لیے وہ عینی کا بیچ آنے پر اپ سیٹ تھا جس کی عمر کا زیادہ حصہ ان کے گھر گزرا تھا پھر بھی اسے اپنے سے تین سال بڑی اس کزن سے ویسا لگاؤ نہیں تھا جیسا لگاؤ کھٹا لگاؤ شاید بہت چھوٹا لفظ تھا اس کی ماں کو اس کی کزن سے والہانہ محبت تھی۔

صبح ماں نے بیٹا تھا کہ رئیس سے جھگڑا ہونے کے بعد عینی کل رات سے عالم ولا میں تھی، وہ جس وجہ سے ناراض ہو کر آئی تھی تو نگار ڈر رہی تھی اگر وہ کوئی انتہائی قدم اٹھاتی تو اس کے والدین نے نگار کو ہی مورد الزام ٹھہرا دیتا تھا۔

”میں اسی لیے آپ سے کہتا ہوں کہ اس خود سر لڑکی کی محبت سے اب باز آ جائیں۔“ وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا تھا۔

”گھر کی بچی کو غیروں کی طرح اس کے حال پر چھوڑ دوں۔“

ماں کے اس جواب پر ان دونوں کے بیچ اچھی خاصی گرما گرمی ہو گئی تھی کہ نگار، صباہ پائیٹ کی واپسی کے متعلق بھی بات نہیں کر سکی۔ کھانے کی ٹیبل سے اٹھنے کے بعد باہر لگی میں آ کر اس نے بیچ اوپن کیا تو اس کے پیروں تلے سے زمین کھسکی۔

”تم جہاں بھی ہو، فوری طور پر واپس آؤ۔ میری دعا کا اگر میرے حق میں مننا سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ آنٹی لوئیں اپنی ماں سے بڑھ کر بھتیجی ہوں۔“

”میری ماں جس قدر بھی جذباتی ہے لیکن اس مسئلے میں تم اسے ٹریپ نہیں کر سکتی۔“

نیاز منزل کا صدر دروازہ جیسے کانی پیچھے رہا تو اسے کال پر لیتے ہوئے وہ بے حد جلدی کے ساتھ بولا۔ ”بے نیازی ایک ادا تھی جو عون جیسے ویل ڈریس بندے پر سوٹ کرتی تھی۔ اس کے لونوں سے بھرے دالت پر چھٹی سوٹ کرتی تھی۔ بے نیازی اس کی شکل کے لیے مسخر ثابت ہو رہی تھی۔ عینی کی طرح پھر افسوس ہوا، ”تمہیں پڑھائے گئے سبق کے مطابق آنٹی جذباتی ہوں گی مگر میں ان جیسی معاملہ فہم عورت سے ابھی تک نہیں ملتی۔“ وہ افسوس سمیت ایک جلی بھنی کیفیت سمیت جواب میں اس طرح تلخ نہیں ہو سکی۔

”بہر حال اسے عون سے کام تھا۔ اگر وہ معاملہ فہم ہوتیں تو ہم جیسے ضدی اور خود مختار لڑکی کو اپنے آپ نچل میں چھپا کر نہ بیٹھی ہوتیں۔“ اس وقت وہ جیسے عینی کو کپکا چپا جانا چاہتا تھا۔ اس خود مختار لڑکی کو احساس تھا کہ وہ اسے کن وجوہات کی وجہ سے ناپسند کرتا ہے مگر اس بے خبر شخص کو احساس تھا نہ اندازہ کہ اس کی ماں اس لڑکی کو کن وجوہات کی بنا پر چاہتی ہے۔

”ایک عورت جس کے انکسار سے بچے کو اس سے چھین کر ابراہیم بھیج دیا جائے تو شکر کرو کہ اس تشنہ عورت کے پاس محبت لٹانے کو کوئی عینی بھی مسر نہ ہوں۔“

وہ ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اسی چیختی ہوئی جھجک کے ساتھ بولی اس کے ایسے لب و لہجے سے وہ ہمیشہ جڑتا تھا۔

”جھاڑ میں جاؤ تم اس نے سرخ چہرے کے ساتھ کال کائی۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ جسے وہ جھاڑ میں جھونک چکا ہے وہ آئندہ چوبیس گھنٹوں تک اسے آنکھوں کے کس جہنم میں جھونکنے والی تھی۔

☆☆☆

”لڑکیاں جب جھوٹی ہوتی ہیں تو سوچتی ہیں بڑی ہو کر وہ ڈاکٹر انجینئر یا سائنس کی، میں وہ واہ لڑکی ہوں گی جو سوچتی تھی کہ بڑی ہو کر میں آرٹ کی“ میں انڈیا اب برا کر رہی گی۔“



وچون کے جاتے ہی وہ تھلائی ہوئی ماں کے رو برو آئی ”اور ہنرمند بھی ہوں۔“ اس نے اپنی واحد خوبی کو بیان کرنا ضروری سمجھا۔

”اوہ!“ اس اضافی خوبی کا سن کر نرس کوئی نہیں عیون کو بھی جھک لگا تھا۔ اس نے پوری آنکھیں کھول کر اس اھٹاپ پر ہلکا کرنے والے آرٹ کو دیکھا فرش پر بھی زرد چٹائی پر اس کا سر رکھا ہوا تھا۔

”یہ تمہارا کمرہ ہے، میں دوں اور مہمانے برتنوں پر رنگ درون کرنا اور کمرہ ہنر میں شکر ہوتا ہے تو کان کھول کر سن لو، مجھے اس کی پوری کوئی تک نہیں ملے گی۔“

نرس نے پہلے بیٹی پر پھر ماں پر ہلکی نگاہ ڈالی۔ منہ کے زادیے نگاہی وہ لڑکی اگر اپنی ماں کے چہرے سے نظر نہائی تو دیکھتی کہ حیات منزل کا مہمان اس کے کارناموں پر آج پھر بے وقت مسکرایا تھا۔

اس نے آج ہی جانتا تھا کہ نرس آنٹی دنیا کی سب سے ترن خاتون تھیں، اس کتنی ہوئی لڑکی کو دیکھتے دیکھتے اس کی یادداشت نے کام دکھایا۔ اسے عالم دلا کی دیواروں پر پھرا آرٹ یاد آیا اسے جلتا ہوا کرہ یاد آیا وہ بھول گیا کہ وہ ایسی لڑکی پر نگاہ نہ کرتا تھا جس کی نظر میں وہ کسی سجاد کا بیٹا تھا۔

☆☆☆

”یہ سچ ہے کہ ایک شاہکار پیشنگ تخلیق کرنے کے لیے اس ناسمجھ لڑکی نے شیون کے پردے کے ساتھ ایک جلتا چراغ رکھ دیا تھا۔ وہ اس دل فریب منظر کو پنٹ کرنے میں محو رہی، یہاں تک کہ پردے نے آگ پکڑ لی تھی، ایسا بالکل بھی نہیں ہوا کہ اسے ایک لکڑی کرہ جلانے کی سزا میں شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ جانے جیسی روشنائی والے عالم دلا میں ننگے پاؤں چلنے اگر گناہ تھا تو وہ لڑکی اس گناہ جیسی پاداش میں بھی نہیں نکالی گئی تھی۔“

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆

نانی کے منہ میں تھرا میٹر رکھتے عیون کی نظر میں ستائش ابھری۔ اس ایک ہفتے میں وہ جان چکا تھا کہ آنٹی جد سے زیادہ بچوں تھیں مگر ان کی یہ خوبی آج کھلی تھی کہ وہ سچ بولنے میں اتنی ہی فراخ دل تھیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ اس سچ پر نانی اور نواسی دونوں کے چہرے سرخ ہو چکے تھے، وہ جسے پہننے اور بھنے کا ڈھنگ نہیں تھا اس نے نانی کے سر پر کھڑے اس نفلی ڈاکٹر کی محظوظ ہوئی نگاہ سے اپنی عیون کی نگاہ چرائی۔

آج برآمدے کی سڑھیاں اترتے ہوئے نانی کے پاؤں میں موج آن گئی تھی، ساتھ ہی ہلکا سا بھجڑا بھی ہو گیا تھا۔ بچوں کے سہارے لیٹی اس دانا پرزورک کے منہ میں تھرا میٹر تھا وہ بیٹی کو دیکھتے جارہی تھیں جو ارد گرد سے بے نیاز وچون کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔

”بچھلے دنوں تم نے جس رشتے کا ذکر کیا تھا تو بس آج کل میں لڑکے والوں کو لے آؤ۔ بات سن گئی تو ان شاء اللہ فاخر کا ولیمہ اور بدرا کی شادی ایک ساتھ منپالیں گے۔“ وہ مطمئن و مسرور ہو کر بولی۔

”اس قدر کفایت شعاری۔“ وہ نفلی ڈاکٹر متحیر ہوا بالکل اسی طرح جیسے آج دوپہر میں اس نے بدرا کو بچن سے چینی، پتی، گھی حتیٰ کہ آلو تک چراتے اور پھر چھاتے دیکھا تھا۔

پانی نے ہائے تمہاری تربیت کرتے ہوئے مجھ سے کہاں ملے ہوئی۔“ نانی کا منہ کھلا۔ تھرا میٹر گیا بھاڑ میں۔

”اپنا دماغ درست کرو نرس! رشتے اس طرح افراتفری میں طے نہیں ہوتے۔ تم اپنی پختیس کچن کی حد تک ہی رکھو۔“ بیٹی کو اچھی طرح جھاڑنے کے بعد وہ اب رشتے کروانے والی خاتون سے ہمسکرام تھیں۔

ان کی نواسی عیون پر بند باندھ کے بیٹھی تھی۔

”آپ کو میری شادی کی جلدی کیا ہے، کسی پر بوجھ نہیں۔ اپنا خیر ماخوذ کال کر سکتی ہوں۔“

دلی کے علم میں نہیں تھا کہ یہ پرندہ ہمارے دیس کے جنگلوں سے کہیں دور رہتا ہے اور دوسرے دیس میں بسنے والی یہ بلبلیں ہجرت پسند بھی نہیں ہوتیں جیسے اس کے علم میں یہ نہیں تھا کہ اس پیکینی نما دنیا میں گھومنے والے شوقیہ اداکار کی آنکھیں آج کل اس پرچی رہتی تھیں تو کیوں وہ پتنگ جیسا مزاج رکھنے والی لڑکی گزشتہ روز سے پیش بیک میں جا چکی تھی۔

یہ سب بات بھی کہ نفیش صباح جواد کے لیے کھلوائی گئی تھی اور اب اس نوجوان کی خوش نما نظر کے کپڑے میں بدرا کھڑی تھی کہ وہ صباح کی ہم مزاج تھی جس لڑکی کا جواد عالم کے ماضی سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا وہ اچانک سے اس کی نگاہ کا محور بن چکی تھی جس کی گولڈن چین میں سورج چمکتا تھا تو وہ جھپٹی تھی کہ مشرق اس کے لاکٹ میں پنہاں ہے اس کی مسکراہٹ میں اصرار تھا کہ اس کے بریل سٹ میں وہ چابی مخفی ہے جو اسے وقت کے سفر پر لے جاسکتی ہے۔

ننگے پاؤں چلتی بات بے بات ہنسی بدرا کی عادات و اطوار اگر عیون کے مزاج کے خلاف تھیں تو پھر ماضی میں باقوت عالم ایسی بہو کو کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

اس کی برائیاں، اس کی خوبیاں وہ وقت جو اس نے عالم دلا میں گزارا تھا وہ صباح کی اس اتج اور ان عادات کو سچ کر رہا تھا کسی عجیب نیچویشن تھی کہ عیون اب صباح کے بجائے بدرا کو سچ کر رہا تھا۔

☆☆☆

”ارے بہن بدرا کا تو ہونا پوچھو، اب میں جھوٹ موت کی خوبیاں بتانے سے رہی۔“ جھوٹ ہر گز سے خالی ہے نا پہننے اور ہنسنے کا ڈھنگ، ناز زندگی برتنے کا سلیقہ۔“ تم بس لڑکے والوں کو اس بات پر خوش کر لینا کہ ہم چیز چھاپہ بازی دیں گے۔“

نرس کی آخری بات پر وچون کی اتری صورت پہ کچھ بہار اتری اور نہ تو وہ چائے ٹسکٹ بھول کر نرس کا چہرہ دیکھ رہی تھی، اب تو وہ چیز والی خوبی کو بنیاد بنا کر بڑی آواز سے کہہ رہی تھی کہ اس کی

کھڑ والے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ کھڑی وہ کبھی پہلی سے بات کر رہی تھی جواب میں جانے اس کی سبیلی نے کیا کہا تھا کہ کھلکھلائی شام کی خاموشی میں اس کی ہنسی کی آواز دور تک گئی وہاں بھی جہاں چھت پر وہ کھڑا تھا۔

عیون کو اس کی آواز میں اتری بے فکری پر رشک آیا۔ آج اس نے اپنے پروفیشن کے اور ہی وی اینڈسٹری سے رشک اپنے جتنے دوستوں سے بھی بات کی تھی تو ہر کوئی اپنے کام کے حساب سے دینی تناؤ میں تھا۔ کوئی چوبیس گھنٹے کام کر کے بھی فکر مند تھا کہ ان کو کام نہیں مل رہا۔ کوئی اپنے پلان کیسے گئے پروجیکٹ کو لے کر اس کا منتظر تھا۔ اس سے ناراض تھا کہ وہ کہاں چھپ گیا ہے۔ اس نے ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو باہم بھنسا کر گردن کے پیچھے نکالیا۔ ایسی ہی بے فکری کی بنا پر اسے خود پہ رشک آتا تھا۔ اس کی کامیابیوں اور اس کے رشک پر حسن اسے آئینہ دکھاتا تھا۔

”تم جیسا انسان سب کچھ پلان کر کے کامیاب ہو جاتا ہے تو یہ آسانیاں اس کے جینیز میں ہوتی ہیں۔“ اس نے سب کچھ پلان کیا تھا۔ اسے صباح کی حقیقت جاننے میں صرف چند گھنٹے درکار ہوں گے۔ وہ اپنے پلان میں پہلی بار ناکام ہوا تھا۔ آج اس گھر کے دروازے سے سرکتی ساتویں شام تک بھی وہ صباح کے دل کا حال نہیں سکا تھا۔

وہ آج پہلی بار خود پہ ہنسا۔ دونوں ہاتھوں کو چہرے پر ٹکاتے ہوئے اس کی نگاہ اسی پر تھی، واقعی انسان سب کچھ پلان نہیں کرتا۔ کچھ سفر کچھ منزلیں اور ان منزلوں میں بسنے والے کمینوں کے ساتھ رہنا اس کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ اسے بھی تو پتا چلتا تھا کہ کوئی دوسری ہستی بھی ہے جس کی بے فکری پر عیون عالم رشک کر سکتا ہے۔

آج کے اس روبرو جیسے افراتفری کے دور میں آم کے پڑی چونی پر لہراتے سفید ربن پر اک عجیب خواہش اور اک نئے انتہا اور رنج تھا، ان کے





”اماں! میری قیص کی فٹنگ کر دیں اور سلائی اس طرح لگائی ہے کہ.....!“

”تانیہ، ہاتھ میں اپنی نئی قیص پکڑے تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی تو ماں کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی۔ عارفہ موبائل کان سے لگائے، سامنے انگوروں سے بھری پلیٹ رکھے، مزے سے باتیں کرتے ہوئے، ارد گرد سے بے نیاز تھیں۔

تانیہ نے گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹنے لگی۔ ساتھ ساتھ وہ رک رک کر ماں پر بھی نگاہ ڈال لیتی مگر عارفہ اسے نظر انداز کئے خاندانی چغلیوں میں مشغول تھیں۔

”پتا نہیں اماں کا گھنٹہ کب پورا ہوگا؟ کہنے کو تو کوڑا حال بھرے پڑے سرال میں رہتی ہیں مگر ان کا فون ہر وقت بزی رہتا ہے۔ نجانے اتنی لمبی کالز کرنے کے لیے وقت کیسے مل جاتا ہے؟“

تانیہ بڑبڑاتی ہوئی، جھنجھلا کر جیسے ہی مڑی، عارفہ کو غصے سے گھورتا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

”بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔ تمہیں کیا مسئلہ ہے اگر میں اپنے فارغ وقت میں اپنی بہنوں سے بات کروں۔ گھر کے کون سے کام رکے ہوئے ہیں؟ صفائی سہرائی سے لے کر کھانا بنانے تک سب کچھ تو کر لیا ہے۔ ماں کی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ کیا ماں صرف کاموں کے لیے ہوتی ہے اور کیا ماں؟“

عارفہ کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔

”بس کر دیں میری پیاری ماں! غلطی ہو گئی۔ آئندہ چھینکوں کہوں گی بلکہ اپنی پیاری ہی ماں کو مزید سے کال بچ کاٹاؤں گی۔“

تانیہ کہتے ہوئے ماں سے لپٹ گئی۔ عارفہ کے غصے کا گراف ایک دم نیچے آیا۔ انگوٹی اور لاڈلی بیٹی میں ان کی جان تھی۔ بھٹلے وہ بی۔ اے کی طالبہ تھی مگر ابھی بھی والدین کے لیے چھوٹی سی بچی ہی تھی۔

”اچھا بھٹن کم لگاؤ۔ بتاؤ کیا کام ہے۔“ عارفہ نے سسکا کر کہا تو تانیہ نے سکون کی سانس لی اور جلدی سے ماں کو سمجھانے لگی۔ عارفہ نے سر ہلایا۔

”بھلا براہ راست آن لائن کیپڑے منگوانے کا کیا فائدہ؟ اگر پھر بھی ان پر محنت کرنی پڑے۔ ایک شرت اتنی مہنگی ہے جبکہ اتنے میں تو میرے تین سوٹ آ جاتے۔“

عارفہ بڑبڑاتے ہوئے سلائی مشین کی طرف بڑھیں۔ تانیہ نے مسکاکر ماں کی طرف دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر، ماں کی چھوڑی جگہ پر بیٹھ کر، انگوروں کی پلیٹ گود میں رکھی اور موبائل ہاتھ میں پکڑ کر سوشل میڈیا کی رنگ برنگ دنیا کی سیر کرنے لگی۔

عارفہ نے کچھ پوچھنے کے لیے تانیہ کی طرف دیکھا اور پھر کھری سانس لے کر رہ گئیں۔

”دوسروں کو باتیں سنانا آسان ہوتا ہے؟“

عارفہ بڑبڑاتے ہوئے سلائی لگانے لگیں۔

☆☆☆

عارفہ نے جلدی سے رات کے وظائف پڑھے اور پھر فون لے کر بیڈ روم دروازہ کھینکیں۔ تانیہ اپنے کمرے میں بھی جبکہ ان کے شوہر اسد لیپ ٹاپ پر کام کرنے میں مصروف تھے۔ سونے سے پہلے عارفہ کو کافی وقت اپنے لیے مل جاتا تھا۔ انہوں نے جلدی سے اپنے سے ایک سال بڑی بہن عاصمہ کو

کال ملائی۔ عاصمہ جیسے ان ہی کے فون کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کر لی۔

”اتنی دیر لگا دی فون کرنے میں؟ پتا بھی ہے کہ میں بی۔ پی کی مریضہ ہوں۔ دوائی کھا کر سو جاتی ہوں۔“

حسب معمول عاصمہ نے گفتگو کا آغاز شکووں سے کیا۔

”خیر سوٹی تو تم آدھی رات تک نہیں ہو۔“

عارفہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ دونوں میں دوستی بھی بہت تھی اور دونوں میں لگتی بھی تھی۔

”تم کیسے کہہ سکتی ہو؟“ حسب توقع عاصمہ کا بی بی ہائی ہو گیا۔

”بہن! او اُس ایپ پر تمہارا اسٹ سین ڈیکر.....!“ عارفہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ عاصمہ شرور ہو گئی۔

”وہ تو کامران کے ابا غلطی سے موبائل میں کچھ بھی کھول لیتے ہیں۔ دراصل انھیں سچ والا موبائل استعمال کرتا جو نہیں آتا۔“

عاصمہ نے جلدی سے بہانہ بنایا۔

”مگر کامران کے ابا کو تمہاری طرح فیس بک پر ہر ویڈیو شیئر کرنے کا شوق نہیں ہے ناں!“

عارفہ نے طنزیہ کہا۔ لیپ ٹاپ پر کام کرتے آئندے سر اٹھا کر ہنستی ہوئی بیوی کی طرف دیکھا اور ان کا منہ بن گیا۔

”شوہر سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ مرجیں چپائی ہوتی ہیں اور اب دیکھو.....!“ عاصمہ بڑبڑاتے

اور سر جھٹک کر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”آج تم میری ہر بات پکڑنے کے موڈ میں ہو۔ پہلے ہی میں ادم بھانجی کے گھر سے دھکی آئی ہوں۔“

عاصمہ نے چالاکی سے بات بدلی۔ عارفہ کو یاد آیا کہ اس نے فون کس مقصد کے لیے کیا تھا۔

”ہاں وہ یہ تو پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔ کل بتاؤ کیسا استقبال کیا بھائی، بھابھی نے؟“ عارفہ نے جلدی سے پوچھا۔

”کیا خاک استقبال کرنا تھا؟ بیٹیوں کے استقبال تو میں نے ہی کیا ہے۔“

عاصمہ نے جلدی سے بہانہ بنایا۔





والدین حیات ہوں۔ والدین کے بعد کون سے بھائی بھابھی پوچھتے ہیں؟ میں تو اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر دس دن بعد میکے چلی جاتی ہوں جہاں بھابھی کے پاس اپنی بیاریوں، پریشانیوں کی لمبی لسٹ ہوتی ہے۔ جسے سن کر دل کرتا ہے کہ میں گھر سے ہی کچھ بنا کر لے آئی تاکہ بھابھی صاحبہ کو کوئی زحمت نہ کرنی پڑے۔“ عاصمہ نے لمبی تہنید باندھی۔

”ہمارے بھائی کا گھر ہے۔ بھابھی کون ہوتی ہے ہمیں روکنے والی؟ اچھا ہے کہ ہم تینوں باری باری ہر نئے میکے کا چکر لگاتی ہیں۔ بھائی اور بھابھی پر نظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ہر وقت تو بھابھی صاحبہ نے اپنے گھر والوں کو بلایا ہوتا ہے۔“

عارفہ حسب معمول اپنی اکلونی بھابھی کے خلاف نہ ہرا گئے گی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہو۔ جب بھی جاؤ پتلے شور بے کے ساتھ، بھتی پلاؤ دینا کرسائے رکھ دیتی ہے جبکہ اپنے گھر والے آئیں تو مختلف اقسام کے کھانوں سے دسترخوان سجاتی ہے۔“ عاصمہ نے منہ بنا کر کہا تو عارفہ کا خون ابلنے لگا۔

”اگلے ہفتے میں جاؤں گی میکے۔ ایسا کرنا کہ تم بھی آ جانا اور کوثر کو بھی بلا لیں گے۔ دیکھتی ہوں کیسے ہمارے سامنے پتلے شور بے بنا کر رہتی ہے۔ میں تو دو ٹوک بات کرنے والوں میں سے ہوں۔ یاد ہے ایک بار پہلے بھی ابرم بھابھی کی کلاس لی تھی اور.....“

عارفہ فخریہ انداز میں اپنا کارنامہ سناتے گی۔ کچھ دیر کے بعد فون بند کر کے بڑبڑاتے ہوئے بستر پر لیٹنے لگی جب اسد نے سنجیدگی سے اسے پکارا۔

”تم بہنوں کو اپنی اکلونی بھابھی کی برائی کرنے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہے؟ بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ ایسی حرکتیں اب اچھی نہیں لگتی ہیں۔“

اسد نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے کہا۔

”ہونہہ! آپ کو کیا پتا؟ ہمارے اکلوتے بھائی کو قاتل کیا ہوا ہے۔ حیر سے ہمارا بھائی اتنا کماتاس

لیے ہے اگر بہنوں کا خیال نہ رکھے۔“

عارفہ نے ہاتھ نچا کر کہا۔

”خیر حاشا نے ہمیشہ تم تینوں بہنوں کا خیال رکھا ہے حالانکہ عاصمہ باجی اور تم اس سے تین سے چار سال کے فرق سے بڑی ہو جبکہ کوثر اس سے ایک سال چھوٹی ہے۔ کوثر کے حالات کتنے خراب رہے اور حاشا نے ہمیشہ اس کی مدد کی۔ کبھی کسی بہانے بھی کسی بہانے گرمیوں میں بہن کو یونی ایس بھی لگوا کر دیا تھا اور اسے ایک ٹن کا اسے سی بھی لے کر دیا۔ اس کے علاوہ!“ اسد نے لسٹ گنوانی شروع کر دی۔

”اے سی کون سا نیالے کر دیا تھا۔ استعمال شدہ تھا۔ اتنا تو بھائی کر ہی لیتے ہیں۔“ عارفہ نے لگا ہی جراتے ہوئے کہا۔

”چلو بھی تھا۔ اس نے ہمیشہ خیال کیا جبکہ کوثر صاحبہ اور ان کے شوہر وقار نے کیا کیا؟ لا پرواہی کا مظاہرہ کرنا، چیزیں بیچ دینا اچھی عادت ہے؟“ اسد نے سختی سے کہا۔

”بے چاروں کے حالات خراب چل رہے تھے۔ وقار بھائی کی تھوڑی آمدنی میں تین بچوں کے ساتھ گزارا کرنا آسان تو نہیں۔ میری بہن کی ہمت کی داد دیں۔“ عارفہ نے اتر کر کہا۔ اسد سختی سے ہنس پڑے۔

”تمہاری بہن جس کے گھر کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے خانہ بدوش رہتے ہوں۔ بقول تمہارے سارا دن صفائی ستھرائی کرتی ہے مگر اس کے باوجود ہر چیز پر منوں کے حساب سے مٹی نظر آتی ہے۔ وہ ہی بہن جو ہر فرمائش لے کر بے دھڑک میکے آتی ہے۔ جب تک تمہارے والدین زندہ تھے ماشاء اللہ خوب بھرا ہے اور ان کے بعد یہ ذمہ داری حاشا نبھار رہا ہے۔“ اسد نے آئینہ دکھاتے ہوئے کہا۔

”تو اس میں کیا برائی ہے؟“ عارفہ نے تنگ کر کہا۔

”بہت اچھا سوال کیا ہے بیگم صاحبہ! برائی یہ ہے کہ مال مفت، دل بے رحم والی بات ہے۔ جیسے یو

نی ایس خراب کر کے دوبارہ ٹھیک کروانے کی زحمت نہیں کی اور اسے بیچ کر پھر تنگ ہوتے رہے جبکہ اے سی کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ میزن ختم ہوتے ہی اے سی فروخت کر دیا اور پھر اگلے سال ہر طرف دہائی دیتے کہ بچے گرمی میں بلبللا اٹھے ہیں۔ بھلا بندہ پوچھے جب والدین کو بچوں کے گرمی سے بلبلانے کی فکر نہیں ہے تو کوئی تیسرے محلے سے اٹھ کر آ کر کیا ہمدردی کرے گا۔ تم لوگوں نے تو ہمدردی کو بھی تماشا بنالیا ہے اور احسان فراوشی کو اپنا شیدو۔۔۔!“

اسد نے ہو گئے۔ عارفہ کچھ کہتے ہوئے جب کہ گئی کہ اسد کا غصہ مزید بڑھ سکتا تھا مگر یہ سچ تھا کہ کوثر اور اس کا شوہر وقار مفت میں ملی چیزوں کو بے دردی سے استعمال کر کے پھینک دیتے تھے۔

”بہر حال بہن بے کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اپنے بھائی، بھابھی کی نیکیوں اور احسان کی قدر کیا کرو۔ تم تینوں کامل کر، ان کے ساتھ لڑنا یا مقابلہ کرنا بہت غلط سوچ اور رویہ ہے۔“

اسد نے نرمی سے سمجھایا تو عارفہ سر ہلا کر دوسری طرف کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ وہ اسد سے مزید بحث کر کے رات کو تماشا نہیں لگانا چاہتی تھی مگر دل میں وہ اگلے بیٹے کے جاکر ابرم بھابھی کو سبق سکھانے کا تہیہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

پروگرام کے مطابق تینوں بہنیں اپنے بچوں کے ساتھ میکے میں جمع تھیں۔ عاصمہ کا بیٹا کامران یونیورسٹی کے پہلے سال میں تھا جبکہ اس سے چھوٹی دونوں بہنیں کالج کے پہلے اور دوسرے سال میں تھیں۔ کوثر کے تینوں بچے اسکول میں تھے۔

”کیوں کا یہ سوٹ کہاں سے لیا ہے؟“ عاصمہ نے اپنی بیٹی کو دیکھتے ہی سوال کیا۔ کنول انجیر تنگ کے دوسرے سال میں تھی۔ ذہین اور بولڈ لڑکی۔

”کنول کو آسانی سے تو کوئی چیز پسند آتی نہیں ہے۔ اپنے باب کے ساتھ جا کر ہی لائی ہے۔ مجھ سے تو اتنی گرمی میں نہیں بازار جایا جاتا۔“

ارم نے نوم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”لو حاشا کون سا اسے عام بازاروں میں لے کر جاتا ہے۔ لازمی بات ہے بڑے ماٹرنے سے شاپنگ کرتی ہوگی۔ سوٹ بھی ہزاروں میں لگ رہا ہے۔“

عارفہ نے فوراً تنگ کر کہا۔

”میں پھوپھو اصراف دس ہزار کا ہے۔“ کنول نے اطمینان سے جواب دیا تو تینوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے جبکہ تانیہ کا دل کیا کیا کھل رہا تھا یہ سوٹ تانیہ اور کنول نے ساتھ جا کر ہی پسند کیا تھا اور چار ہزار کا تھا مگر کنول جان بوجھ کر قیمت بڑھا کر بیان کر رہی تھی۔

”حاشا کے پاس بہت فالتو کے پیسے ہیں۔ بیٹی کو اتنی بھٹی یونیورسٹی میں پڑھارہا ہے۔ دس دس ہزار کے سوٹ لے کر دیتا ہے۔ بھی اتنا نہیں سوچا کہ بہنوں سے پوچھ لے کہ انھیں کوئی ضرورت تو نہیں؟“ عارفہ نے غصے سے کہا۔

”اے! کاپا لگا گھر ہے۔ آپ حکم کریں۔“ ارم نے نرمی سے کہا۔

”بس رہنے دو یہ ڈرائے۔ ایسے اچھے بھائی بھابھی ہوتے تو کیا کہنے تھے۔“ عاصمہ نے ناگواری سے کہا۔

”کوئی ہم سے پوچھے کہ ہم کم آمدنی میں کیسے گزارہ کرتے ہیں پھر بھی اللہ کا شکر ہے کسی سے شکوہ تو نہیں کرتے۔“ کھلے میرے پاس کئی سال پرانے کپڑے ہیں مگر میرے کون سے والدین حیات ہیں جو بیٹی کو پرانے کپڑوں میں دیکھ کر نئے کپڑے فوراً دلا دیں گے۔“ کوثر کہتے ہوئے معنوی طور پر آب دیدہ ہو گئی۔

”تم کیوں فکر کرتی ہو۔ ہم دونوں بڑی بہنیں ابھی موجود ہیں۔“ عارفہ نے بڑھک مارتے ہوئے کہا۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ پھر آپ کس دا کوثر پھوپھو کو شاپنگ پر لے جا رہی ہیں؟“ کنو



تانیہ کی پسند سے ہم دونوں واقف ہیں  
ٹھنڈے دل سے غور تو کرو۔ اسد نے پھر سمجھانا  
عارفہ کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

تانیہ بے زاری سے پچھلے آدھے گھنٹے سے ماں  
کے پاس بیٹھی، ان کی باتیں سن رہی تھی۔ حسب  
معمول زیر بحث سیکہ ہی تھا۔ تانیہ خاموشی سے ماں کا  
چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ سنے کال بھڑکا سب  
سے زیادہ استعمال اس کی ماں اور خالہ میں ہی کرتی  
تھیں۔ جن کا ہدف صرف اور صرف ارم بھائی تھیں  
عارفہ نے فون بند کیا تو تانیہ کی طرف مسکرا کر  
دیکھا۔

”اماں! ایک بات پوچھوں؟“ تانیہ نے  
سنجیدگی سے سوال کیا۔ عارفہ نے سر ہلایا۔

”کیا آپ کو نہیں لگتا کہ آپ بلاوجہ ہی ارم ماما  
سے بغض رکھتی ہیں۔ ورنہ سچ تو یہ ہی ہے کہ ماموں  
اور ماما ہمیشہ ہر چیز میں آگے ہوتے ہیں۔“ تانیہ  
نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ آج کے دور کی بڑھی لکھی اور  
سمجھ دار لڑکی تھی جو رویوں کو پرکھنا جانتی تھی۔ عارفہ  
نے ٹھنک کر بیٹی کی طرف دیکھا۔

”تمہیں کیوں اپنی ماما سے اتنی ہمدردی ہو  
رہی ہے؟ کنول سے زیادہ دوستی رکھنے کے بجائے،  
اپنی خالہ کی بچپن سے تعلق رکھو۔“

عارفہ نے سختی سے کہا تو تانیہ طنزیہ ہنس پڑی۔  
”اماں! بھی دوستی اور محبت کا اظہار ان کا  
طرف سے بھی ہوا ہے؟ عاصمہ خالہ کی دونوں بیٹیاں  
کانج جاتی ہیں مگر ضرورت کے علاوہ کوئی بات یارا  
نہیں کرتیں۔ جبکہ کوثر خالہ کی بڑی بیٹی نویں جماع  
میں ہے مگر بنتی ایسے ہے جیسے سچی بچی ہو۔ کنوا  
میں لیل، اس کی سوچ، اس کے انداز سب  
کرتے ہیں کہ ماموں اور ماما نے بچوں کی تر  
کی ہے، صرف پالا ہی نہیں ہے۔“ تانیہ نے منہ  
کہا۔

”جو بھی ہے میری بہنیں مجھ پر جانو۔“

عارفہ نے اوپری آواز میں کہا۔ دروازے سے  
کان لگائے کھڑی تانیہ نے پریشانی سے ادھ کھلے  
دروازے سے نظر آتی ماں کی طرف دیکھا تھا۔  
”میں نے ساری زندگی آپ کے گھر والوں  
کے ظلم و ستم برداشت کیے۔ ان کی خدمتیں کیں۔ مگر  
مجھے کیا صلہ ملا؟“ عارفہ نے غصے سے کہا۔

”جھل سے بات کرو۔ یہ ہماری بچی کی زندگی کا  
معاملہ ہے۔ اسد نے نرمی سے کہا۔

”میری اکلوتی بیٹی کے لیے انہوں نے رشتہ  
دینے کا سوچ بھی کیسے لیا؟ میں لاہور جیسے بڑے شہر  
سے اپنی بیٹی کو کسی چھوٹے شہر میں کیوں بھیجوں جبکہ  
بہت مشکل سے وہاں سے جان چھڑا کر اپنا علیحدہ گھر  
بنایا ہے۔“

عارفہ نے غصے سے کہا۔

اس کا سر اسل منڈی بہاؤ الدین کے آس  
پاس بستا تھا۔ جہاں اس کی منڈیں اور جیسے آج بھی  
اپنی آل اولاد کے ساتھ رہتے تھے۔ اسد کے بڑے  
بھائی نے اپنے اکلوتے اور قابل بیٹے عرفان کے  
لیے تان کا ہاتھ بانٹا تھا۔ دراصل تانیہ اور عرفان ایک  
دوسرے کو بہت کرتے تھے اور اس بات سے عارفہ اور  
اسد بخوبی آگاہ تھے۔ اسد کو تو یہ رشتہ دل سے پسند تھا  
مگر عارفہ اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھی اور مسلسل  
انکار کر رہی تھی۔

”تمہاری سوچ احمقانہ ہے۔ شہروں کا کوئی  
مقابلہ نہیں ہوتا۔ اصل بات قسمت کی ہے اور اچھے  
لوگوں کے ہلنے کی ہوتی ہے۔ عرفان کی اچھی جاب  
ہے۔ اس کا مستقبل روشن ہے۔ ہماری بیٹی بہت خوش  
رہے گی۔“ اسد نے نرمی سے کہا۔

”میں کبھی اس رشتے کے لیے نہیں مانوں گی  
اور.....!“

عارفہ غصے میں کہتے ہوئے جیسے ہی پلٹی تو اس  
کی نگاہ نم آنکھوں کے ساتھ واپس پلٹتی تانیہ پر پڑی۔  
ایک لمحے کے لیے عارفہ کا دل کسی نے مٹھی میں لے  
لا تو ارم بھائی کی کٹی

دیکھا۔  
”تو مجھے بھی اس لڑکی کی بہت زبان ہے۔  
ہم نہیں کچھ بچی کھارے۔ چلو گھر چلتے ہیں۔“ عارفہ  
نے فوراً اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ارے باجی! غصہ کیوں کر رہی ہیں۔ میں  
معذرت کرتا ہوں۔“ حاشر نے جلدی سے کہا۔ پھر  
کانی پر ہینک حاشر بہنوں کے کپڑے موڈ ٹھیک کرنے  
کی کوشش میں غصہ سماجت کرتا رہا۔ عادل کی لائی  
سب چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد، کھانا  
بھی ڈٹ کر کھایا گیا مگر حسب معمول کھانا پسند کسی کو  
نہیں آیا تھا۔

”ہم جب بھی میکے آتے ہیں، ایک ہی مینو ہوتا  
ہے۔ ہماری تو قسمت ہی خراب ہے۔ نہ والدین  
رہے اور نہ میکہ۔“

عاصمہ نے گنجائش سے زیادہ کھاتے ہوئے  
بھی شکوہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔  
”اگلی بار جب آپ آئیں تو بتا دیجئے گا کہ کیا  
پسند ہے۔ وہ ہی بنا دوں گی۔“

ارم نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ شدید گرمی  
اور جس کے دنوں میں جہاں اپنے لیے کھانا بنانا  
مشکل تھا۔ وہاں اتنے لوگوں کا کھانا بنانا، جانے  
نوازمات پیش کرنا بچپن سے سنبھالنا آسان بات نہیں تھی  
مگر اس پر بھی کوئی خوش نہیں تھا۔ تینوں ہمیشہ کی  
طرح ناراض ہی میکے سے رخصت ہوتی تھیں۔

”کنول! ہم سے خوش بھی ہوں گی؟“ کنول  
نے منہ بنا کر کہا تو ارم نے اسے گھورا۔

”تم اگر اپنی زبان کو قابو میں رکھیں تو شاید آج  
خوش ہی جاؤں مگر.....!“ ارم نے کہا۔

”مما! غصہ مت کریں۔ وراثت ہے اپنی  
.....!“ کنول نے شرارت سے کہا تو ارم منہ بنا کر  
بچپن کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

”اسد صاحب! آپ میری ایک بات غور سے

نے مسکراتے ہوئے سوال کیا تو عارفہ شپٹا گئی۔  
”ہاں، لے جاؤں گی۔ تانیہ کے ابا سے پوچھ  
لوں۔“ عارفہ نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

”میں ذرا بچن دیکھ لوں۔“ ارم فوراً وہاں سے  
اٹھ کر بچپن کی طرف بڑھی اور ساتھ ہی بیٹی کو بھی گھورا  
جو سر ہلاتی ماں کے پیچھے بچپن میں چلی گئی۔ حاشر جو  
ابھی کام سے واپس آیا تھا۔ تینوں بہنوں کو دیکھ کر  
خوشی سے کھل اٹھا۔

”اچھا کیا کہ آپ تینوں مل کر آئی ہیں۔ کافی  
دن ہو گئے ہمیں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے ہوئے۔“  
حاشر نے خوش دلی سے کہا۔

”اتنی محبت بھی تو بڑی دعوت کر کے بلا لیتے۔  
وہ بے خالی ہاتھ آئے ہو؟ چا تو ہوگا کہ ہم آرہے ہیں۔  
پھر کمرے کا ہی لے آتے۔“

ہمیشہ کی چٹوری عاصمہ نے جلدی سے کہا۔  
”ابھی عادل کو بھیج کر منگوا دیتا ہوں۔ آپ  
بتائیں کیا پسند کریں گی؟“ حاشر نے فرماں برداری  
سے کہا تو تینوں بہنوں نے سموسے، جلیبی، وہی بھلے  
اور کوک کی فرمائش کر دی۔ حاشر نے میسرک میں زیر  
تعلیم بیٹے عادل کو پیسے دے کر بازار بھیجا۔ جب بچپن  
سے ارم چلی آئی۔

”کھانا تیار ہے۔“ ارم نے جلدی سے کہا۔  
”اتنی جلدی ہم کھانا نہیں کھاتے اور ویسے بھی  
حاشر نے کچھ سامان منگوا لیا ہے۔“ عارفہ نے منہ بنا کر  
کہا۔

ارم اتم عادل کو پہلے ہی بھیج کر چیزیں منگوا  
لیتیں۔ اب کھانا کس وقت کھائیں گی اگر سموسے،  
جلیبیاں ابھی کھائیں گی تو۔“ حاشر نے فکر مندی سے  
کہا۔ ارم نے حیرانی سے پہلے تندوں اور پھر شوہری  
طرف دیکھا۔

”بابا! ممنا نے عادل کو بھیج کر بیکری سے من  
پسند آٹو منگوائے تھے ان کے ساتھ ہی چائے پیش کی  
ہے۔“ کنول سلاطین کی پلٹ پڑے بچپن سے باہر  
آتے۔

”ابھی ابا نے کچھ کچھ منگوا کر لیا۔“



اگر کبھی مجھ پر کوئی مشکل وقت آیا تو سب سے پہلے وہ میرے ساتھ گھڑی ہوں گی۔“

عارفہ نے یقین سے کہا۔

”اماں! اس طرح تو تانا بوتا ابھی ہمیشہ بابا کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں مگر آپ تو انہیں اچھا نہیں سمجھتی ہیں اور۔۔۔!“ تانیہ نے غمی سے کہا۔

اس سے پہلے کہ عارفہ کوئی جواب دیتی، ان کے موبائل پر کسی انجان نمبر سے کال آنے لگی۔ عارفہ نے فون کان سے لگایا۔

”جی میں ان کی مسزبات کر رہی ہوں۔ کیا ہوا؟“ عارفہ نے گھبرا کر پوچھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”ہارٹ ایک۔۔۔!“ عارفہ نے کہتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا اور تیز آواز میں فریادیں کرتی رہی۔ تانیہ نے چیخ ماری اور تیزی سے ماں کی طرف لپکی۔

☆☆☆

پچھلے تین دن سے وہ ہسپتال میں خوار ہو رہی تھی۔ اسد کو ہونے والا ہارٹ ایک بہت سیریس تھا اس کی تمام رپورٹس خراب آئی تھیں۔

عارفہ اور تانیہ کا روبرو کر برا حال تھا جبکہ اسد کے بارے میں سننے ہی ان کا بڑا بھائی، بھتیجا، دونوں بہنیں، ان کے بیٹے سب ہسپتال پہنچ گئے تھے۔

لڑکوں نے ہسپتال کے باہر باغ میں ڈیرا ڈال لیا۔ شدید گرمی میں وہ سب باہر بیٹھے رہتے کیونکہ اندر صرف ایک شخص کو آنے کی اجازت تھی۔

مگر کوئی دوائی لانی ہوتی یا کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی تو سب لڑکے حاضر ہوتے۔ حاشر اور ارم ہر روز ہسپتال آتے۔ ارم اسد کے لیے پرہیزی کھانے کے علاوہ، عارفہ اور تانیہ کے لیے بھی کھانا بنا کر لاتی۔ کنول اور عادل بھی والدین کے ساتھ پورا خیال رکھ رہے تھے۔

جبکہ عاصم اور کوثر صرف ایک بار تھوڑی دیر کے لیے ہسپتال آئیں اور اس کے بعد فون پر ہی رابطہ رکھا۔

”ول تو میرا بھی کرتا ہے کہ ارم بھائی کی طرح ہر روز ہسپتال کا چکر لگاؤں مگر ہسپتال میرے گھر سے دور ہے۔ اتنا کرایہ لگ جاتا ہے۔“

عاصمہ نے اپنی مجبوری بتائی تو عارفہ چپ رہ گئی۔ وہ بہن سے نہیں کہہ سکی کہ اس مشکل وقت میں ماں جانی کے کندھے سے لگنے کی خواہش دل میں بین کر رہی تھی۔

”وقار! تم سے دیر سے آتے ہیں۔ میں اتنی دور کیسے آؤں۔“

کوثر کے پاس بھی یہانا موجود تھا۔ عارفہ یہاں بھی کچھ نہیں بول سکی۔ بعض دفعہ زندگی میں ایسے مقام بھی آتے ہیں جہاں کسی بہت اچھے پر کیا مان ایسے کوٹنا ہے کہ پھر بولنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔ ایسا ہی عارفہ کے ساتھ ہوا تھا۔ ان تینوں نے روزانہ کی بنیاد پر اتنی باتیں کر لی تھیں کہ ضرورت کے وقت کسی کے پاس بولنے کے لیے ہمدردی کے دو بول بھی باقی نہیں بچے تھے کیونکہ انہیں تو صرف غیبت، جھگڑا اور دوسروں کی برائیاں کرنے کی عادت نے ایک دوسرے سے جوڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

”کنول اور تانیہ کچھ دیر میں عادل کے ساتھ ہسپتال آ جائیں گی۔ آپ میرے ساتھ گھر چلیں۔“

ارم نے نرمی سے عارفہ کے تھکے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ اسد کی حالت بہت بہتر تھی۔ امید تھی کہ آج کل میں ڈسچارج کر دیا جائے گا۔

عارفہ نے خاموش نگاہوں سے اس بھائی کی طرف دیکھا جس کی۔۔۔ کوئی بھی نیکی یا عمل عام حالات میں بھی نظر نہیں آتا تھا۔

”جی! میں اور پاپا رات یہاں ہی رکیں گے۔ میں ڈاکٹر سے مل کر اسد چاچو کی رپورٹ ڈسکس کر لوں گا۔ آپ فرمیت کریں۔“

عرفان نے پاس کر کر لسی دی تو ارم نے متاثر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا جو گری اور بھیس کے

دونوں میں باہر بیٹھا رہتا تھا۔

”ابنا! آپ لوگوں کو آئے کافی دن ہو گئے ہیں۔ اچھا تھا کہ اسد بھائی کی بہنوں کو واپس گھر بھیج دیا تھا۔ آپ لوگ بھی چلے جائیں۔ آرام کریں۔ میرا بیٹا یہاں ہے۔“ ارم نے نرمی سے کہا۔ اسی وقت تانیہ اور کنول بھی عادل کے ساتھ وہاں پہنچ گئی تھیں۔

”جست شکر یہ آئی! مگر جب تک اسد چاچو ٹھیک ہو کر گھر نہیں جائیں گے۔ ہم یہاں ہی ہیں۔ بیماری اور تکلیف میں اگر کچھ بٹ گئے تو کیا فائدہ ایسے خون کے رشتوں کا۔“ عرفان نے نرمی سے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

”ماشاء اللہ! آپ کے سسرال میں بچوں کی تربیت بہت عمدہ کی گئی ہے۔ ورنہ آج کل بچے کہاں اتنے ہمدرد ہوتے ہیں۔“

ارم نے متاثر انداز میں کہا۔ تانیہ نے جتنی نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا۔ عارفہ نے نگاہیں چرائی تھیں۔

☆☆☆

”اماں! آپ نے دیکھا کہ مشکل وقت میں کون ہمارے ساتھ رہا اور کون نہیں!“

اسد ڈسچارج ہو کر گھر واپس آئے تو ایک دن تانیہ نے موقع ملتے ہی ماں سے کہا۔

عارفہ خاموش نگاہوں سے سامنے رکھے فون کو دیکھ رہی تھی۔ جس پر کچھ دیر کے بعد عاصمہ کی کال آئی۔

”تانیہ! کسی کی مجبوری بھی ہوتی ہے۔ تمہاری دونوں خالائیں کیا کریں؟ ان کے گھر دور تھے اور۔۔۔!“ عارفہ نے جلدی سے کہنا چاہا۔

تانیہ ہنس پڑی۔

”میں نے ان کا نام نہیں لیا تھا مگر آپ خود ہی سمجھ گئیں کہ میرا اشارہ کس طرف ہے۔“ تانیہ نے مسکرا کر ماں کی طرف دیکھا۔

”اماں! بات صرف اتنی سی ہے کہ جو رابطہ اور تعلق، دوسروں کو بچا دکھانے کے لیے قائم کیے

جاتے ہیں۔ مشکل وقت آنے پر وہ ایسے ہی ڈس کنیکٹ ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ خلوص یاد دل سے نہیں جڑے ہوتے بلکہ مفاد پر چلتے ہیں جس کے سنگین مشکل حالات میں بھی نہیں ملتے ہیں۔“

تانیہ نے تنبیہ کی سے کہا۔ اسی وقت مارفہ کے موبائل پر عاصمہ کی کال آنے لگی۔ تانیہ گہری سانس لے کر اٹھنے لگی۔ تب ہی عارفہ نے ہاتھ بڑھا کر کال کاٹ دی۔ تانیہ نے حیرانی سے ماں کی طرف دیکھا۔ عارفہ مسکرائی۔

”خون کے رشتوں کو مفاد کی نہیں، احساس کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں سمجھ چکی ہوں کہ کسی دوسرے کو مدد بنانے سے ہمارے تعلق کا اتفاق اور پیار ثابت نہیں ہوتا ہے۔“ عارفہ نے تنبیہ کی سے کہا اور فون موبائل اٹھا کر کمرے سے باہر نکلتی گئی۔

”آپ خالہ سے بات تو کرتی ہیں۔“ تانیہ نے جلدی سے کہا۔ عارفہ نے رک کر بیٹی کی طرف دیکھا جو سب رشتوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہتی تھی مگر منافقت کے بغیر۔ ہر شے کو اس کے اصل مقام پر رکھ کر۔۔۔۔۔!

”آج کے بچے ہم سے زیادہ سمجھ دار اور مخلص ہیں۔“ عارفہ نے دل میں اعتراف کیا تھا۔

”ضرور کروں گی۔ وہ میری بہنیں ہیں۔ ان سے رشتہ بھی ختم تو نہیں ہو سکتا مگر اب سب سے پہلے مجھے وہ رشتے جوڑنے ہیں، جنہیں سالوں پہلے توڑ چکی تھی۔ تمہاری مامی کا بہت دل دکھایا ہے۔ اس پر اپنے بہتر اخلاق سے مرہم رکھنا ہے اور ماں یاد آیا تمہارے باپ کے تندرست ہوتے ہی تمہارے تایا کو رشتے کے لیے ہاں بھی کہتی ہے۔ بھلا عرفان سے اچھا اور نیک داماد نہیں کہاں ملے گا۔“

عارفہ نے مسکرا کر کہا اور حیران و پریشان بیٹھی تانیہ کو چھوڑ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

عارفہ خوش تھی کہ زندگی نے اسے مثبت سبق سکھا دیا تھا۔

☆☆





یہ نصف بھی تو قیدی ہیں، تیس اہصاف کیا دیں گے  
لکھا ہے ان کے چہروں پر جو ہم کو فیصلہ دیں گے

اُٹھائیں لاکھ دیواریں، طالع بوج مہر تو ہو گا  
یہ شب کے پاسباں کب تک نہ ہم کو رہا دیں گے

ہمیں تو شوق ہے اہل بنوں کے ساتھ چلنے کا  
نہیں پروا ہمیں یہ اہل و انش کیا سزا دیں گے

ہمارے قتل پر جو آج ہیں خاموشی کس جانب  
زمین کے فوسے فوسے کا مقدمہ جگہ دیں گے

ہمارے قتل پر جو آج ہیں خاموشی کس جانب  
بہت آنسو بہا دیں گے، بہت دردناک دیں گے

محبیب جانب

اب کس سے کہیں اور کون سے بومل تمہارے بعد  
اس دل کی چیل کی اس کھول میں ایک غلبہ بہت برادر

یہ جھرو ہوا بھی دشمن ہے اس نام کے سایہ رنگوں کی  
وہ نام جو میرے ہونٹوں پر خوشبو کی طرح آباد ہوا

اس شہر میں کتنے چہرے تھے، کچھ یاد نہیں سب بھول گئے  
انہیں کتا یوں جیسا تھا، وہ شخص زبانی یاد ہوا

وہ اپنے گاؤں کی گلیاں بھٹیں، دل جن میں ناپا کا تھا  
اب اس سے فرق نہیں پڑتا، نٹشاد ہوا یا شاد ہوا

یہ نام سائیں رتی تھی، ان گہری سائوں کی کھول میں  
ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا، دل اب جتنے بے داد ہوا

نوشی کیلانی

وہی پھر مجھے یاد آنے لگے ہیں  
جنہیں مجھ نے میں زلمے لگے ہیں

وہ ہیں پاس اور یاد آنے لگے ہیں  
محبت کے ہوٹ اب ٹھکانے لگے ہیں

سنا ہے میں وہ بھیلانے لگے ہیں  
تو کیا ہم انہیں یاد آنے لگے ہیں

ہٹائے تھے جو راہ سے دوستوں کی  
وہ بچہ مرے گھر میں آنے لگے ہیں

یہ کہنا تھا ان سے محبت ہے مجھ کو  
یہ کہنے میں مجھ کو زمانے لگے ہیں

ہوا میں ہیں اور نہ مر ہیں ہی انہیں  
اب ایسے بھی طوفان آنے لگے ہیں

قیامت یقیناً قریب آ گئی ہے  
خاراب تو مسجد میں جلنے لگے ہیں

خمار بارہ بکوی

وہ ہم کو دل میں رکھے گا یا دل سے اب نکالے گا  
آنکھیں کاجیب تک پر وہ تجسس مار ڈالے گا

میں اکثر باپ بچنے کو یہ کہیں اپنا حق جتنا ہوں  
کہاں تک بات مانے گا کہاں پر ہم کو نالے گا

کہاں ممکن تعین ہے، تعلق کا رویوں سے  
یقیناً ہم پر ہے اس کو ان سب چپ چاپ کھالے گا

محبت کی ڈگر پر جو بھی نکلے، سوچ کر نکلے  
مگر وہ نہیں ہے جو یہاں منزل بھی پالے گا

کبھی سوچا گیا جو ٹھک کے دل کی واگزاری کا  
سوال اٹھا ہی، منفردیت کیا اور پالے گا

پان اہل وفا کا ہے اہل خاموشیاں ابرکت  
زمانہ دیکھتا ہے سب کو وہ خود قفسہ اچھالے گا

اتیاف ابرکت



# گدن گوراک

اگائیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وہ عزیرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارا رب ہمہوں کی مایوسی پر ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کی طرف سے عبادت کی تہلیل فریب ہوتی ہے۔" میں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! کیا رب تعالیٰ ہوتا ہے؟" فرمایا: "ہاں۔" میں نے کہا: "ہم ایسے رب کی تیر سے کسی محروم نہیں ہوں گے جو ہوتا ہے۔"

طلاش

عزیرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "اے الہی تو کہاں ہے کہ میں تجھ کو تلاش کروں؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جب تو نے مجھے دھوڑنے کا قصد (ارادہ) کیا تو گویا مجھے پایا۔"

افضل عمل

عزیرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ: "کون سا کام اعمال سے افضل ہے؟" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے: "اللہ کی دوستی اور اس کے حکم پر راضی رہنا۔"

اللہ کی چاہت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے داؤد (علیہ السلام) میں اپنے دوستوں سے چاہتا ہوں کہ وہ روحانی رہیں اور کسی چیز کا کم نہ کریں اور دنیا میں کسی چیز سے دل نہ لگائیں۔"

آخرت کے خوف کی فضیلت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو بہت اغراء و کمزور تھے آپ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم پر کیا آفت نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم عذاب آخرت کے خوف سے بے حال ہیں۔

آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو عذاب آخرت سے بچا دے۔" انہوں نے ایک اور جماعت کو دیکھا جو پہلی سے زیادہ اغراء و کمزور تھے۔

آپ نے فرمایا: "حق تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو تباہی سے اور بچا دے گا۔"

پھر اس جماعت کو دیکھا کہ لوگوں سے زیادہ کمزور اور خجف تھے اور ان کے چہرے آئینہ کی طرح دھلکے تھے آپ نے ان سے بھی وہی سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا: "اللہ کے شوق نے ہم کو اس طرح تباہ کر دیا ہے۔"

میں نے ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم مقررین ہار کا اہلی ہو۔ مجھے حکم ہوا کہ میں تمہاری صحبت میں رہا کروں۔

اللہ سے شرم

شیخ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے ام ہارون سے پوچھا کہ کیا تم موت سے راضی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: "نہیں۔ میں موت نہیں

چاہتی۔" انہوں نے پوچھا: "اس کا سبب کیا ہے؟" ام ہارون نے کہا: "اگر میں کسی بندے کی تصور وار ہوتی ہوں تو اس شخص کو دیکھنا پسند نہیں کرتی اس کے سامنے ٹھہرنے سے شرم کرتی ہوں اور جبکہ میں کٹا ہوں میں خرق ہوں۔ تو اللہ کے سامنے کس طرح جا سکوں گی۔"

موتی کالا

ہمارے ہماری عادتیں ہماری ذات کی عکاسی کرتی ہیں۔ اعلا کار کردگی بھی ایک عادت ہوتی ہے۔ (ارسطو)

ہمارے جو ذمہ داری خواہش بن جاتی ہے، وہ ہمارے آخرت میں ڈھل جاتی ہے۔ (جارج کرلر) ہمارے تاج کے شک ہماری نعل کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیتے ہیں۔ (فرنگلن ڈی روز ویلف)

ہمارے خوشامد احمقوں کی غذا ہے۔ (جون تھن ویلف) ہمارے کمزور آدمی بدتمیزی و ناشائستگی کے ذریعے مضبوطی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (ایریک ہوفر) ہمارے عقیم ذہنوں میں خواب ہوتے ہیں اور بہت ذہن میں خواہشیں (واٹکشن اورنگ)

با کردار شخصیت

کر دار ان عناصر کا مجموعہ ہوتا ہے دیانت داری، بے غرضی، عقل مندی، جرأت و وفا اور احترام۔ ایک با کردار اور خوش گوار شخصیت کا حامل فرد کیسا ہوتا ہے؟

ہمارے متین اور باوقار ہوتا ہے۔ ہمارے مجز و انکسار کا حامل ہوتا ہے۔ ہمارے متعل مزاج اور ثابت قدم ہوتا ہے۔ ہمارے دل کا بہت خیال رکھتا ہے۔ ہمارے دولت اور خاندانی وجاہت کو کوئی اہمیت

نہیں دیتا۔ وہ اپنی تعمیر کے لیے دوسروں کو تباہ نہیں کرتا۔ ہمارے غریبوں اور امیروں سب کے ساتھ یکساں تعلق رکھتا ہے۔ ہمارے نرم گفتار ہوتا ہے۔ ہمارے ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ ہمارے جیت ہو یا ہمارے ہر صورت میں بادقار رہتا ہے۔ ہمارے اہم و ضبط کا پابند ہوتا ہے۔ ہمارے اپنی حدود میں رہتا ہے۔

مثبت سوچ

مثبت سوچ آپ کی شخصیت کو خوش گوار بناتی ہے۔ دوسروں کے رویوں کی مثبت چیز کریں، اگر ہم مثبت باتیں سوچیں گے تو ہماری شخصیت خوش گوار ہو جائے گی اور ہم اچھے تعلقات استوار کر سکیں گے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی کو فون کرتے ہیں اور وہ موبائل نہیں ہوتا۔ ہم پیغام بھجوڑ دیتے ہیں۔ وہ دودن تک ہمیں جوابی کال نہیں کرتا۔ ہمارے ذہن میں پہلا خیال یہ آتا ہے۔ "اسے میری پرواہ ہی نہیں ہے۔" یا اس نے مجھے نظر انداز کر دیا۔ یہ منفی سوچ ہے۔ ایک مثبت سوچ کے حامل شخص کی سوچ یہ ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے۔

اس نے فون کرنے کی کوشش کی ہو لیکن نیت درک نہ ہوئی کی وجہ سے کال نہ مل سکی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ جوابی کال کرنا بھول گیا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ کسی انجمن یا ریشانی کا شکار ہو۔ ہمارے وجوہات بہت سی ہو سکتی ہیں۔ وہ شخص کو ہمیشہ شک کا فائدہ دینا چاہیے اور مثبت چاہیے۔

اقوال نابینا

ہمارے زیادہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں



پاس کہنے کو کچھ نہیں ہوتا۔

☆ نیک بننے کے لیے اتنی کوشش کریں جیسے کہ نیک بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆ اعتماد وہ شیشہ ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے تو دوبارہ نہیں بنتا۔

☆ محنت سے بھی آدمی تھک جاتا ہے اور کامیابی سے بھی مگر محنت کا نتیجہ صحت اور دولت ہے اور کامیابی کا نتیجہ بیماری اور افلاس ہے۔

### چھینک میں الحمد للہ اور جدید سائنس

پروفیسر نصر اللہ خان صدر شعبہ اسلامیات، اسلامیہ کالج لاہور فرماتے ہیں کہ انگریز ڈاکٹر نے جب یہ حدیث برحق کہ مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان چھینکے وہ الحمد للہ کہے۔ جو مسلمان پاس بیٹھا ہو وہ برحکم اللہ کہے اور پھر چھینکنے والا جواب میں یہدی کم اللہ کہے تو اس نے سوچا کہ ایک معمولی سے کام پر اتنی دعائیں پڑھنے کی وجہ کیا ہے؟

اس نے تحقیق کی اور پتا کیا کہ اتنی دعائیں پڑھنا فضول نہیں، بلکہ اللہ کا شکر ہے کیونکہ تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ دماغ کی رگوں میں ہوا رک جاتی ہے۔ اور قدرت نے اس کو نکالنے کے لیے ایک پریشر کا انتظام کیا ہے۔ اس طرح چھینک کے پریشر کے ذریعے ہوائی کے راستے خارج ہوتی ہے۔ اگر یہ ہوا رکی رہے تو فالج کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے چھینکنے والے کے لیے الحمد للہ پڑھنا اللہ رب العزت کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔

تمام دن کی مصروفیات زندگی میں انسان مختلف امور سرانجام دیتا ہے۔ بعض حضرات کا پیشہ ایسا ہے کہ انہیں گردوغبار میں کام کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح گردوغبار ناک تک پہنچتا رہتا ہے۔ قدرت نے ناک کے اندر کو دراصل ایسی ذرات اور غبار جس میں موجود جراثیموں کے روکنے کا اہم کام عطا فرمایا ہے۔

چھینکنے سے یہ غبار اور جراثیم باہر نکل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ چھینک گئی ہو اتنی زوردار ہوئی ہے کہ کسی جراثیم، گردوغبار و ذرات رکنے کی مہلت نہیں ملتی۔ اگر یہ ہی جراثیم اور گردوغبار اندر چلے جاتے تو بے شمار امراض کا باعث بنتے۔ اللہ پاک نے چھینک کے نظام کو ان تمام امراض کے دفعیہ کے لیے تریاق بنا دیا ہے۔

### دھک

اللہ تعالیٰ جس کو اپنا آپ یاد دلانا چاہتا ہے اسے دھکا کا الیکٹرک شاک دے کر اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔ دھک کی بھٹی سے نکل کر انسان دوسروں کے لیے نرم پڑ جاتا ہے۔ پھر اس سے نیک اعمال خود بخود اور بے چوخی سرزد ہونے لگتے ہیں۔ دھک تو روحانیت کی سیرجی ہے۔ اس پر صابر و دشا کر ہی چڑھ سکتے ہیں۔

(بافوقہ سیر کی کتاب، دست بستہ ہے، انتخاب)

### روزی دینے والا

حضرت خاتم ایک مرتبہ سفر پر جانے لگے تو اپنی بیوی سے فرمایا۔ ”میں چار مہینے تک باہر رہوں گا تمہارے واسطے کس قدر خرچ مہیا کروں۔“ انہوں نے جواب دیا۔ ”جس قدر آپ کو میری زندگی منظور ہے۔“

خاتم نے جواب دیا۔ ”تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں نہیں۔“

حضرت خاتم چلے گئے تو ایک بڑھیا نے پوچھا۔ ”حضرت خاتم آپ کے واسطے کتنی روزی چھوڑ گئے؟“

انہوں نے جواب دیا۔ ”حضرت تو خود ہی روزی کھانے والے تھے، جو کھانے والا تھا وہ چلا گیا جو دینے والا ہے۔ وہ نہیں ہے۔“

☆☆

ٹوبہ قلب  
تیری یاد کی خوشبو میرے دامن سے لپی ہے  
بڑا۔ اچھا سا کتاب ہے نہیں ہی سوتے رہنا  
فانکھ سیل  
اس نے جب جب بھی مجھے دل سے نکال دیا  
میں نے تب تب تیرا کیا کہ تمہارا  
ہو گیا جب یہ یقین اب وہ نہیں آئے گا  
آسو اور دل نے زیادہ دل کو سہا ما  
غنا محمد  
سفر منزل شتب یاد تیس  
لوگ رحمت ہوئے لب یاد تیس  
لاہور

عاشق جوان  
چھوٹکی سے ترکہ تعلق لاپے سے  
وعدے سے سبب تو مکرنا نہیں کوئی  
ایسے میں ہوئی ہے ملاقات کس طرح  
ملتا ہے راہ میں تو ٹھہرتا نہیں کوئی  
سحر احمد  
اپنے لیے میں ایک محبت ہی ہے بہت  
کوئی بھی ملتی ہو دوبارہ نہیں کرتے  
جب تک وہ سلامت ہے ملاقات کا خراپے  
دشمن کو نہیں جان سے مارا نہیں کرتے  
کراچی

حسن شعیب  
میرے ٹوٹنے والا احصار بن جاؤں  
وہ میری ذات میں رہے کا قیبلہ تو کرے  
نادیہ یاسر  
دن سہلے تلاش کرتے ہو  
تم جتنے تلاش کرتے ہو  
وہ پلٹ کر کبھی نہ آئیں گے  
جو نہ مانے تلاش کرتے ہو

مرو حاقب  
دل میں یادوں کو ہم نہیں رکھتے  
اس لیے کوئی غم نہیں رکھتے  
تو دل تو صحتا لیے ہم نے  
اشک کی تھرم نہیں رکھتے  
گرین سٹی

نکال دیجی لائی

نکال دیجی لائی

نفسہ بلال  
مشکل کہاں سے رک تعلق کے فیصلے  
اے دل مگر رسول تیری نیت کا تھا  
مبتاز دانی

سو نیاربابی  
اچھی ہوں یا بُری ہوں خود اپنے سے ہوں  
میں خود کو نہیں دیکھتی ادھول کی نظر سے  
عائشہ  
اپنے مزاج سے میں خوب واقف ہوں فزا  
تھوڑے لوگوں سے ملتا ہوں مگر غفلت ہو کر  
بہشتی عمن  
ہم اسے یاد بہت آئی ہے  
جب اسے بھی کوئی ٹھکر لے گا

تحریک  
کپل بڑا ہوں میں زمانے کا رسول یہ عمن  
میں بھی آپ ایسی ہی باتوں سے مکر جاتا ہوں  
اقرا  
اب دل کی کتاب ہے تیرا کاش بھی ہو  
آسو کی جگہ آنکھ سے حسرت نکال جائے

سرواتی کی شخصیت



## بقیہ شعاع کے ساتھ ساتھ

دو تین لی ہیں۔ مجھے ابھی تک دوستی ہے ہماری کچھ فریڈز کی شادی ہوگئی مگر پھر بھی سب سے رابطہ ہے۔

س: پسندیدہ اشعار؟

ج: حساس دلوں کو توڑنے کے لیے ضرورت نہیں ہے۔ پتھروں کی یہ دل تو بکھر جاتے ہیں لفظوں کی چوٹ سے ہم مطلبی نہیں کر چاہنے والوں کو دھوکا دیں بس ہمیں سمجھنا ہر کسی کے جس کی بات نہیں س: بارش کیسی لگتی ہے؟

ج: بارش بچپن میں بھی اچھی لگتی تھی۔ جیسے ہی بارش شروع ہوتی، دوستوں کے ساتھ گلیوں میں نکل جاتے۔ کاندھ کی کشتی بناتے تھے۔ دعا کرتے تھے کہ اور تیز بارش ہو، اب تو بارش اداس کر دیتی ہے یہی سوچتی ہوں جن کے گھر نہیں ہیں، وہ کیا کر رہے ہوں گے۔ دعا کرتی ہوں کہ بارش رک جائے، بلکی ہلکی رملجھم پسند ہے، چائے کا لگ ہو ہاتھ میں ساتھ اچھا ہاتھوں بس اس حد تک پسند ہے بارش۔

س: پسندیدہ کتاب؟

ج: فرسٹ آف اہل قرآن پاک سے بڑھ کر کائنات میں کوئی کتاب ہی نہیں، بس اللہ ہمیں مزید توفیق دے پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی۔ بانی ناولز میں جنت کے پتے، پیر کامل، محل، عالم، شہر زاد، عمر بیکرا ہے حد پسند ہیں۔ اس کے علاوہ ہر وہ کتاب ڈائجسٹ پسند ہے۔ جس میں کوئی بھی بے حد اچھی بات ہو۔

آخر میں کچھ لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔ میڈم میرا تھینک یوسوج آپ نے بہت ساتھ دیا۔ مجھے بہت سپورٹ کیا جو کچھ ہوں میں لائف میں آپ کی سپورٹ کی وجہ سے ہوں۔ مس شمشاد آپ بھی بہت اچھی ہیں بہت ساتھ دیا آپ نے، مس میرا آپ کو عزیز بن کر لیں، بہت اچھی ہیں اللہ آپ کے نصیب اچھے کرے۔ میری دوستیں،

کر دیتی ہوں۔ دل میں نفرت نہیں رہتی سی کے لیے۔ رشتوں کو جوڑ کر رکھنے والی لڑکی ہوں، کوشش کرتی ہوں سب مل جل کر رہیں، خوش رہیں چار دن کی زندگی ہے پیار محبت سے ہنسی خوشی گزاریں بچیں اور جینے دیں۔

س: آپ کی خامیاں؟

ج: خامیاں بھی بہت سی ہیں۔ پہلے یہ خامی تھی ہر ایک پر جلدی یقین کر لیتی تھی۔ مگر وقت کے ساتھ سمجھ میں آ گیا، لوگ دیے ہوئے نہیں جیسے نظر آتے ہیں۔ جذباتی بہت ہوں جذبات میں بہت کچھ سوچ لیتی ہوں غصہ بھی جلدی آ جاتا ہے صرف مگر والوں پر، جتنی جلدی غصہ آتا ہے اس سے زیادہ جلدی ختم ہو جاتا ہے بس خیر نہیں برداشت ہوتے نہ خیرے کرتی ہوں۔ کنفیوز بہت جلدی ہو جاتی ہوں رش والی جگہوں پر جانے سے گریز کرتی ہوں اور ہاں سب سے بڑی خامی بھولتی بہت ہوں ابھی کوئی چیز بھی دو منٹ بعد بھول جاتی ہوں کہاں رکھی۔ اسوشلی پیسے کھ کر بھول جاتی ہوں پھر جس کے بھی ملے ہیں وہ میرے ہو گئے (ہاہا) بہت سننے کو ملتی ہے اسی عادت کی وجہ سے گھر میں اتنی خامیاں کافی ہیں ناں۔

س: سالگرہ مناتی ہیں؟

ج: بچپن میں تو بھی نہیں مناتی ہاں فرسٹ ٹائم آج ملے تھے، نو سال پہلے ماموں سسٹرنے سر برائر دیا۔ لائف کی یادگار اور پہلی سالگرہ بہت اچھی گزری۔ اتفاق سے شام میں اکلوتے عامر انکل ایک لے کر آ گئے۔ بس پھر ہم ہواؤں میں تھے بڑی مشکل سے ایک کانٹے نیچے آئے (ہاہا) بس جب سے ہر سال نو جولائی کو فریڈز آ جاتی ہیں۔ ساتھ کھانا کھاتے ہیں، انجوائے منٹ ہو جاتی ہے، الحمد للہ بہت خوش نصیب ہوں بہت ہی اچھی

آفسیر میڈم بھی محنتی ہے۔ اور بھی مجھے روکا نہیں گیا۔ کیونکہ میں اپنے تمام کام خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہوں۔ میں ایک لیپ ٹاپیشن ہوں میرا اور شعاع کا ساتھ باقاعدہ اس آفس میں آنے کے بعد پورا ہوا ہے۔

س: دن کا آغاز کب تک ہوتا ہے۔ کیا معمولات ہیں؟

ج: دن کا آغاز نماز پڑھ کر ہوتا ہے۔ نماز کے بعد وظائف وغیرہ پڑھ کر دوبارہ سوجانی ہوں۔ ایک گھنٹے کی نیند دوبارہ ضرور لیتی ہوں۔ اس کے بعد اٹھتی ہوں کیونکہ آفس بھی جانا ہوتا ہے۔ تو سب کا ناشتارینڈی کر کے اور کروا کر پین میٹھی ہوں۔ ویسے اگر معمولات کو تو لکھنا شروع کیا تو صفحے کے صفحے بھر جائیں۔

تیار ہو کر آفس کے لیے نکل جاتی ہوں، ہماری رہائش چونکہ آفس کی کالونی میں ہی ہے تو پانچ منٹ میں، میں اپنی لیپ میں پہنچ جاتی ہوں اور لیپ کے معمولات کے ساتھ خواتین شعاع اور اب تو کرن بھی ساتھ ہوتا ہے۔

س: آپ کی خوابیاں؟

ج: ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے۔ میری خوبی دوسروں کا درد محسوس کرنا ہے۔ کسی کی بھی ہیلپ کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہوں۔ اپنے موڈ پر بہت کنٹرول ہے۔ اپنی خوشی سے زیادہ دوسروں کو خوش کر کے خوش محسوس کرتی ہوں۔ کسی کو

شکرین، شہنیلہ، سعدیہ، فوزیہ، عاصمہ، انعم، بشری، زرافشاں، شاناز، عائشہ، نازش، اقراء، حفصہ، عابدہ، آمنہ جن کے نام دے گئے معذرت۔

لاسٹ میں میری برتھ ڈے ہے جولائی میں سو مینی مینی پی پی ریٹرن آف ڈاڈے فوری۔ اللہ میرے نصیب اچھے کرے اچھے عمل کرنے کی توفیق دے آمین شکر۔

## عائشہ قیوم خان

س: شعاع کب پڑھنا شروع کیا؟

ج: شعاع کو ریکورڈ پڑھتے ہوئے تقریباً پندرہ سال ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی پڑھتی تھی لیکن باقاعدہ 2006 سے پڑھنا شروع کیا۔ جب میں نے جاب اسٹارٹ کی اور اپنے بیویوں سے اپنا پہلا شوق پورا کیا تب سے باقاعدہ پڑھ رہی ہوں۔

اردو میرا پسندیدہ سبیکٹ رہا ہے۔ اور ہے۔ شروعات بچوں کی کہانیوں سے ہوئی۔ جنوں پر پوچھ اور پڑھوں کی کہانیاں پڑھتے پڑھتے بڑی ہوئی۔ میں ان کہانیوں کو محسوس کرتی ہوں۔ ان کے کردار ہنساتے اور لاتے ہیں۔

زمانے کے ساتھ لکھنے میں بھی جدت آ گئی ہے لیکن مجھے خواتین، شعاع اور کرن کو کتابی شکل میں ہی پڑھنے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ موبائل پر پڑھنا اچھا نہیں لگتا۔ شعاع سے بہت کچھ سیکھا ہے اور ان شاء اللہ سیکھتی رہوں گی۔ مجھے جتنا شوق ہے، میرا ایک بھی بچہ میرے جیسا شوق نہیں رکھتا۔

زندگی کوئی اتنی آسان نہیں ہے۔ مجھے بے چینی اداسی اور غصہ بھی تھا اور ان سب کو بھلانے میں میری مدد شعاع اور خواتین نے کی ہے، شکر اللہ کا میں اب پرسکون ہوں۔ حالانکہ میں اپنا یہ شوق آفس میں ہی پورا کرتی ہوں یہاں تک کہ خط لکھنا بھی اور سلسلے میں شامل ہونا بھی میرے اس شوق کو پیری



## واصفہ سہیل



**اندازہ**  
حقیقہ کیانی گلوکاری کے بعد اداکاری کے شعبے میں بھی کامیاب رہی ہیں لیکن ان کی ازدواجی زندگی ناکام رہی۔ حقیقہ کیانی نے اس بارے میں بتایا کہ میری حماد حسن سے مکمل طور پر ارتق میرج ہوئی تھی۔ پاکستان میں ایسی میسر کی تعداد بہت کم تھی۔ حمادان میں سے ایک تھے۔ وہ ایک تھری ڈی ایڈیٹر تھے۔ ان دنوں وہ میری ایک ویڈیو پر کام کر رہے تھے اور ویڈیو بناتے بناتے وہ میری محبت میں گرفتار ہو گئے۔

ہماری ایک مشترکہ میک اپ آرٹسٹ دوست کے ذریعے انہوں نے مجھے پیغام بھیجا اور ملاقات کا کہا جس پر میں نے انکار کر دیا اور بھائی سے بات کرنے کا کہا۔ دوست کے اصرار پر میں نے فون پر حماد سے بات کی اور کہا کہ میں آپ کو اتنی پسند ہوں تو اپنی امی کو لاہور میرے گھر لے آئیں۔

میرے گھر لے آئے اور یوں ہماری منگنی ہو گئی جو دو سال رہی۔ میں نے اس سے پہلے یہی شرط رکھی تھی کہ میں بیوی نہ بنوں گی۔ جس پر وہ بخوشی راضی ہو گئے تھے۔

بعد میں میری شادی کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ میری ساس تھیں، انہیں میری موسیقی سے مسئلہ تھا۔

حقیقہ نے کہا کہ ”مجھ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اپنے دل کی نہیں سنی، منگنی کے دوران میرا دل اس رشتے پر نہیں مان رہا تھا۔ جس کا اندازہ حماد کو ہوا تو اس نے نیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ جو بندہ میرے لیے اپنی جان دینے جا رہا ہے، میں اس کے ساتھ بہت خوش رہوں گی۔ یہ میرا خیال رکھے گا۔ لیکن اب انہیں ہوا۔ میرے اندازے غلط ہو گئے۔“

رائے

معروف صحافی اور کالم نگار حامد میر سے جب یہ

پیار بھرا لفظ نہ کوئی شکر یہ کرچی کرچی ہوا تھا دل۔ اس سال ماشاء اللہ 12 اپریل کو 24 سال ہو گئے اور وہ دن آیا اور یوں ہی گزر گیا۔ پرچلیں کوئی نہیں اب سمجھ داری آگئی ہے ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ میرے سہاگ کو سلامت اور آباد رکھے آمین یہی بہترین اور خوب صورت تحفہ ہے اللہ کا۔

س: پسندیدہ شعر؟  
ج: زندگی کا واحد شعر جو اسکول کے زمانے میں باقاعدہ یاد کیا۔ اور آج تک یاد ہے۔ میں زیادہ پرانی نہیں ہوں۔ 41 بہاریں دیکھ چکی ہوں زندگی کی یہی شعر ہے۔

تیرے اختیار میں کیا نہیں مجھے اس طرح نواز دے  
یوں دعائیں میری ہوں قبول میرے لب پر  
کوئی دعا نہ ہو

س: بارش کی لگتی ہے؟  
ج: سردیوں کی بارش بالکل نہیں پسند مجھے، روشن دن پسند ہے۔ اور بارش گرمیوں کی پسند ہے۔ وجہ گرمی ہوتی ہے تب تھوڑی گرمی کم ہو جائے۔

س: پسندیدہ کتاب؟  
ج: میں نے ایک کتاب نام ذہن سے نکل گیا۔ آخرت کے بعد کا منظر تھی۔ وہ بڑے شوق سے پڑھی تھی۔ موت کا منظر یاد آگئی۔ میری ایک میسج جن کا اب ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ کہنے لگیں۔ لڑکی تم موت کا منظر اتنے شوق سے پڑھ رہی ہو۔ لگ رہا ہے جیسے کوئی ناول یا ٹولٹ پڑھ رہی ہو۔ نہیں ڈر نہیں لگ رہا تو میں نے میڈم سے کہا ڈر تو ہے۔ پر جانتا چاہتی ہوں۔ کیسے سیدھی راہ اختیار کر کے بچا جائے۔ اس کے علاوہ خواہشیں، شعاع اور کرن ہی ہیں۔ میرے مطالعے کے۔ اجازت چاہتی ہوں۔

س: آپ کی خامیاں؟

ج: میرے بچے کہتے ہیں۔ امی آپ اپنی صفائی کیوں دیتی ہیں۔ ہمیں پتا ہے۔ آپ ٹھک ہیں لیکن آپ جنہیں سمجھانا چاہتی ہے وہ آپ کی بات کو کبھی نہیں مانیں گے۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے۔ آپ خاموش رہا کریں۔ میں غلط نہ ہو کر بھی اکثر غلط ضروری جاتی ہوں۔ تب مجھے لگتا ہے، میں حق پر ہوں۔ مجھے بولنا چاہیے۔ حالانکہ میں بدتمیز نہیں ہوں لیکن میرا سمجھنا، میرا بات کرنا بھی بدتمیزی میں شامل ہو جاتا ہے۔ میری نظر میں میری یہ خامی تو نہیں ہے لیکن دوسروں کی نظر میں میری سب سے بڑی خامی یہی ہے۔

س: سالگرہ منائی ہیں؟  
ج: نہیں جی! کہاں یاد بھی نہیں ہوتا کسی کو میری سالگرہ ہے۔ لیکن مجھے شادی کی سالگرہ منانے کا بڑا شوق رہا ہے۔ جس میں منہ کی کھانی پڑی۔ ہوا کچھ یوں کہ شادی کے تقریباً کوئی آٹھ سال بعد جاب اشارت ہوئی تھی میری۔ تو پہلی دفعہ دل چاہا اپنے پیسوں سے شوہر نامدار کو تحفہ دیا جائے۔ ہائے کیا یاد آگیا۔ میں نے بڑے شوق سے وہ پرنسوم لیا۔ جو میرے مسیڈ نے ہماری شادی 1999 میں لگایا ہوا تھا۔ مجھے بہت پسند تھی وہ خوشبو تو بس جی 2007 میں دوبارہ لینے کا سوچا۔ ڈھونڈ بھی لی۔ پیک بھی کروالی اور رات کو بیڈ پر رکھ دی۔ اور پھر میرے ارنالوں کا صحیح سنوئل میں خون ہی ہو گیا۔

جناپ عالی بنے دیکھ کر یوں ہی رکھ دیا۔ نہ کوئی



رُحْمَتُ الصُّبُورِ



## ہاتیل اور قاتیل

روئے زمین پر سب سے پہلا قاتیل بن آدم کے ہاتھوں سرزد ہوا کہ اس نے اپنے بھائی ہاتیل کو قتل کیا۔ قاتیل کے نام میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض ”قین“ بعض ”قاین“ یعنی ”قاین“ اور بعض ”قاتیل“ کہتے ہیں۔ جس سبب سے ہاتیل قتل ہوا، اس میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ دونوں بھائیوں میں جھگڑے کی وجہ آدم کی ایک بیٹی سے نکاح تھا اور بعض فرماتے ہیں کہ قربانی کا قبول نہ ہونا اس کا سبب تھا۔

## اولاد آدم کے نکاح

حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جو بھی لڑکا پیدا ہوتا اس کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوتی پس وہ پہلے عمل سے پیدا ہونے والے بچوں کا دوسرے قتل سے پیدا ہونے والے بچوں سے نکاح کر دیتے۔

یہاں تک کہ ان کے ہاں دو (دو حمل سے) بیٹے ہاتیل اور قاتیل پیدا ہوئے۔ قاتیل کاشت کار اور ہاتیل چرواہا تھا۔ قاتیل بڑا تھا اور اس کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن انتہائی حسین و جمیل تھی۔ ہاتیل نے قانون کے مطابق قاتیل کی بہن سے نکاح کرنا

چاہا مگر قاتیل نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی، تیرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے زیادہ حسین و جمیل ہے لہذا اس سے نکاح کرنے کا حق میں اپنے آپ کو سمجھتا ہوں۔ ان دونوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے قاتیل کو حکم دیا کہ وہ قانون بخشنی نہ کرے مگر قاتیل نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ایک جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی۔ فیصلے کے لیے دونوں نے اللہ کے حضور قربانی پیش کی تاکہ فیصلہ ہو جائے کہ اس حسین و جمیل لڑکی کا خاوند بننے کا کون حق دار ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام قربانی کے دن وہاں موجود تھے بلکہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم السلام سے فرمایا:

”اے آدم! کیا تم جانتے ہو کہ میرا ایک گھر زمین میں ہے۔“

انہوں نے جواب دیا۔ ”اے اللہ نہیں۔“ فرمایا۔ ”میرا گھر مکہ کی سرزمین پر واقع ہے۔ تم وہاں جاؤ۔“

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”تم میرے بعد میری اولاد اور اہل خانہ کی امانت داری کے ساتھ حفاظت کرنا مگر آسمان نے یہ ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے زمین سے کہا مگر اس نے بھی انکار کر دیا پھر پہاڑوں سے کہا۔ انہوں نے

بھی انکار کر دیا۔ پھر قاتیل کو کہا، اس نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور کہا۔

”آپ تشریف لے جائیں، واپس لوٹیں گے تو آپ اپنے اہل خانہ کو اس حالت میں پائیں گے جو آپ کو خوش کر دے۔“

پس حضرت آدم علیہ السلام چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد قربانی کا واقعہ ہوا۔ جب دونوں نے قربانی کی تو قاتیل نے ایک صحت مند جانور اور قاتیل نے غلے کا ایک ڈھیر قربانی کے طور پر پیش کیا۔

جب آگ آئی تو اس نے ہاتیل کی قربانی کو کھالیا اور قاتیل کی قربانی کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے قاتیل سخت غصہ میں آ گیا اور کہا کہ میں ضرور تمہیں قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن سے نکاح نہ کر پائے۔

ہاتیل نے جواب میں کہا۔ ”اللہ تحقیقوں کی ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔“

پس قاتیل، ہاتیل کو قتل کرنے کے لیے تلاش کرتا رہا۔ ہاتیل پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چرتا تھا۔ ایک دن وہ تلاش کرتے کرتے اس کے پاس جا پہنچا۔ بکریاں گھاس چر رہی تھیں اور ہاتیل پاس سویا ہوا تھا۔ قاتیل نے ایک بڑا پتھر اٹھایا اور اس کا سر چل دیا۔ ہاتیل مڑ گیا۔ قاتیل نے اس کو ویسے ہی بے گور و گفن چھوڑ دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس کا کیا کرے؟

پس اللہ تعالیٰ نے دو کوے جو آپس میں بھائی تھے۔ ان کو بھیجا۔ انہوں نے آپس میں لڑائی کی اور ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ قاتیل کوے نے مقتول کوے کے لیے زمین میں گڑھا کھودا اور اس

میں ڈال کر مٹی سے بھر دیا۔ جب قاتیل نے یہ منظر دیکھا تو کہا۔ ”ہائے میں اس کو بے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اس طرح اپنے بھائی کی لاش بچھا دیتا۔“ ابن اسحاق بعض اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں خطا واقع ہونے سے قبل حضرت حوا سے قربت فرمائی، پس وہ حاملہ ہوئیں۔ بوقت زچگی انہوں نے کسی بھی قسم کی تکلیف نہ اٹھائی، نہ درد اور کمزوری محسوس کی اور نہ ہی کچھ کھانے کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی بوقت ولادت کسی قسم کا خون دیکھا۔ اس لیے کہ جنت انتہائی پاکیزہ جگہ ہے اس حمل کی ولادت سے نہیں (قاتیل اور اس کی جڑواں بہن پیدا ہوئی) پھر جب ممنوعہ درخت کا پھل کھایا اور خطا کا ارتکاب ہو گیا اور وہ دونوں زمین کی طرف اتار دیے گئے تو یہاں آ کر آدم حوا کی قربت ہوئی تو اس حمل کی زچگی کے وقت انہوں نے تکلیف، درد، کمزوری محسوس کی اور خون بھی دیکھا اور نقاہت کے سبب غش کی کیفیت آ گئی۔ اس حمل سے ہاتیل اور اس کی جڑواں بہن پیدا ہوئی۔

حضرت حوا جب بھی حاملہ ہوتیں تو دو جڑوں بھائی بہن کے ساتھ حاملہ ہوتیں۔ آدم کے چالیس بچے ان کے پہلو سے بیس مرتبہ کے حمل سے پیدا ہوئے اور ان میں سے کوئی بھی لڑکا اپنی جڑواں بہن کے علاوہ جس بہن سے چاہتا نکاح کرتا تھا۔ اس پرانے میں جڑواں بہن کے علاوہ سب یہ نہیں حلال تھیں۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں اپنی ماں اور بہنوں کے علاوہ اور کوئی عورت نہ تھی۔ لہذا نسل انسانی میں کے علاوہ اور کوئی عورت نہ تھی لہذا نسل انسانی میں اضافے کی غرض سے اس بات کی اجازت دی گئی۔

ابن اسحاق ایک روایت میں اہل کتاب کے علماء سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے قین کو حکم دیا کہ وہ اپنی جڑواں بہن کا نکاح ہاتیل سے کر دے اور ہاتیل کو حکم دیا کہ وہ اپنی



جزواں بہن کا نکاح قاتیل سے کر دے۔ ہاتیل نے بات مان لی مگر قاتیل نے انکار کر دیا اور ہاتیل کی بہن سے نکاح کو ناپسند کیا اور اپنی جزواں بہن کی طرف رغبت ظاہر کی اور کہا کہ ہمارا ختم جنت سے ہے اور ان کا ختم زمینی ہے اس لیے میں اپنی جزواں بہن کے ساتھ شادی کا جائز حق دار ہوں نیز یہ کہ قاتیل کی بہن نہایت حسین و جمیل تھی جس کی وجہ سے وہ اس پر مرعنا اور اس کے نفس نے اسے بات چیت کر دیا۔

ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا ”اے بیٹے، یہ تیرے لیے حلال نہیں لیکن اس نے اپنے باپ کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا پھر آدم نے کہا ختم بھی قربانی کرو اور تمہارا بھائی ہاتیل بھی قربانی کرے گا۔ جس کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول کی وہ اس کا حق ہوگا۔“

قیمن زراعت پیشہ تھا اور ہاتیل بکریاں چراتا تھا۔ سو قیمن نے قربانی کے لیے گندم پیش کی اور ہاتیل نے اپنی سندرست اور توتا بکریوں میں سے ایک بکری قربان کی اور بعض کے قول کے مطابق ایک گائے قربان کی۔ اللہ تعالیٰ نے سفید آگ بھیجی جس نے ہاتیل کی قربانی کو کھالیا، قاتیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک جانور کی ہی قربانی کی جاتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہاتیل کی قربانی قبول فرمائی اور وہ اس فیصلہ میں ہاتیل (قاتیل) کی بہن کا حق دار بن گیا جس پر قاتیل انتہائی غضب ناک ہوا۔ اس پر تکبر و بڑائی چھا گئی اور شیطان نے اسے مکمل سے مغلوب کر لیا۔ پس اس نے اپنے بھائی ہاتیل کا پیچھا کیا۔ وہ اس وقت اپنے ریوڑ میں تھا۔ قاتیل نے وہاں پہنچ کر اسے قتل کر ڈالا۔

ابن تورات کہتے ہیں کہ جس وقت قیمن (قاتیل) نے اپنے بھائی ہاتیل کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ ”تمہارا بھائی ہاتیل کہاں

ہے؟“ اس نے کہا: ”میں نہیں جانتا اس لیے کہ میں اس پر محافظ نہیں تھا۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تمہارے بھائی کے خون نے مجھے زمین سے پکارا ہے لہذا اب تو ملعون ہے۔ اس زمین میں جس کا منہ تیرے لیے میں نے کھول رکھا تھا۔ تیرے ہاتھ اپنے بھائی کے خون سے آلودہ ہیں۔ جب تو نے یہ کام زمین میں کیا تو اب زمین تیرے لیے اپنی بھتیجی نہیں اگائے گی اور اب تو زمین میں گھبرایا ہوا پھر نے لگا۔“

قیمن نے کہا: ”میری خطا آپ کی مغفرت سے بڑھ گئی؟ آج آپ نے مجھے زمین سے نکال دیا۔ (یعنی اس کے منافع سے محروم کر دیا) اور میں اس میں دہشت زدہ اور گھبرایا ہوا رہوں گا پس جو شخص مجھ سے ملے گا مجھے قتل کر ڈالے گا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اس طرح نہیں ہوگا کہ جو شخص زمین میں قتل کرے تو اس کے قتل کے بدلے سات قتل کا بوجھ اس پر ڈالا جائے گا لیکن جو تیرے طریقہ پر قتل کرے گا اس کا قتل سات قتل کے برابر سمجھا ہوگا۔“

اللہ تعالیٰ نے قیمن (قاتیل) میں ایک انسانی مقرر فرمادی تاکہ جو اسے پائے قتل نہ کر سکے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قتل کا سبب یہ تھا کہ ان کو قربانی کے ساتھ اپنا تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے قربانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان میں سے ایک کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور دوسرے کی رد کر دی۔ ان میں سے ایک بڑا کاشت کار تھا اور دوسرا چرواہا۔ دونوں کو قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت آدم کا جو بیٹا (ہاتیل) بکریاں چراتا تھا اس نے ایک عمدہ، سندرست، خوب صورت اور اپنی پسندیدہ ترین بکری کی قربانی کی اور جو بیٹا کاشت کار تھا اس نے

بے کلامی سے اللہ اور اپنے بدترین ناپسندیدہ اناج کی نذر پیش کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے بکری والے کی قربانی قبول فرمائی اور اناج والے کی رد کر دی۔ مقتول بھائی دو آدمیوں سے بھی زیادہ قوی تھا۔ لیکن اس نے گناہ سے بچنے کے لیے اپنے بھائی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں بھائیوں کی دولت کا یہ حال تھا ان میں سے کوئی بھی ایسا مسکین نہ تھا کہ جس کو خیرات دی جاسکتی۔ قربانی صرف تقریب الہی کے حصول کا ذریعہ تھا۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے ان کے دل میں آئی اور انہوں نے آپس میں کہا کہ کاش ہم قربانی کے ذریعے تقرب الہی حاصل کر لیتے۔

اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ آدمی جب تقرب کے طور پر قربانی کرے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا تو اس پر آگ بھیج دیتا جو اس کی قربانی کو کھالیا اور اگر اللہ راضی نہ ہوتا تو آگ بجھ جاتی۔ پس ان دونوں نے قربانی کی۔ ان میں سے ایک چرواہا تھا اور دوسرا کاشت کار۔ چرواہے نے اپنی بکریوں میں سے عمدہ سندرست بکری قربانی کے طور پر پیش کی اور کاشت کار نے کچھ اناج بطور نذر پیش کیا۔ سو آگ ان دونوں کے درمیان اتری لیکن بکری کو کھالیا اور اناج کو چھوڑ دیا۔ یہ دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگا۔

”کس ختم لوگوں کے درمیان اس طرح چلو پھرو گے حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری مردود، اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا اور لوگ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے کہ ایک بہتر ہے اور ایک کمتر، بلکہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔“

دوسرے بھائی نے یہ سن کر کہا: ”اس میں میرا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نذر قبول کرتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں۔“

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ جب قاتیل نے اپنے بھائی کو ہاتیل کو قتل کر دیا تو اپنی بہن قلیحا کا

ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر بوزنای پہاڑ سے اتر کر قلیح کے مقام کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے قاتیل نے فرمایا تھا۔ تو جا، لیکن تو مسلسل خوف زدہ ہی رہے گا اور جس کو بھی تو دیکھے گا اسی سے تو جان کا خطرہ محسوس کرے گا پس ان کی اولاد میں سے جو بھی اس پر گزرتا وہ اس پر پتھر برساتا۔ قاتیل کا ایک لڑکا ناپا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ قاتیل کے پوتے نے اپنے سے کہا کہ ”یہ آپ کے والد قاتیل ہیں۔ یہ سن کر اس ناپا نے پتھر اٹھایا اور اپنے باپ کو مار کر قتل کر دیا۔“

قاتیل کے پوتے نے اپنے باپ سے کہا: ”اے ابا جان! آپ نے تو اپنے باپ (دادا) کو قتل کر دیا۔“

ناپا نے ہاتھ بلند کیے اور اپنے بیٹے کو زوردار پتھر رسید کیا جس کی وجہ سے وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد ناپا نے کہا۔ ہائے میری ہلاکت و بربادی کہ میں نے اپنے باپ کو پتھر سے اور اپنے بیٹے کو پتھر سے قتل کر دیا۔“

تورات میں ہے کہ قتل کے وقت ہاتیل کی عمر بیس سال اور قاتیل کی عمر پچاس سال تھی۔ بعض حضرت کہتے ہیں کہ حضرت حوا کے لطن سے آدم کی ایک سو بیس اولادیں ہوئیں اور ہر حمل سے ایک جوڑا پیدا ہوتا تھا۔ پہلوھی کے بچے قاتیل اور اس کی بہن قلیحا اور سب سے آخر میں عبدالمغیث اور اس کی جزواں بہن امتا المغیث پیدا ہوئے۔

لیکن ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ان کی کل اولاد چالیس تھی اور یہ بیس حمل سے پیدا ہوئی تھی نیز ابن اسحاق نے یہ بھی کہا کہ ان میں سے بعض کے نام ہم تک پہنچے اور بعض کے نہیں۔ جن کے نام ہم تک پہنچے وہ پندرہ مرد اور چار عورتیں ہیں۔

☆☆



# موس کے پکوان

واصفہ سہیل

## ڈائیکون چکن

جاپانی ڈش

ضروری اشیاء:

مرغی کا گوشت	آدھا کلو
پیاز	ایک کپ
چکنی	دو کپ
شملہ مرچ	ایک عدد
دہی	ایک کپ
ٹماٹر	ایک کپ
پیاز	ایک چائے کا چمچ
ادریک	ایک چائے کا چمچ
میٹھی دانہ	ایک چائے کا چمچ
رائی	ایک چائے کا چمچ
زیرہ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
پھن	دو کھانے کے چمچ
تیز پات	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	دو کھانے کے چمچ
ہر ادھیا	دو کھانے کے چمچ

چکن کی ہڈیاں الگ کر کے اس کی دو کپ بنائی جائیں۔  
چکن اور شملہ مرچ کو اسٹریپ میں کاٹ لیں۔  
بونیوں پر نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر اچھی طرح لگا کر  
گرم تیل میں گوشت کو بھون لیں۔ بونیوں کی رنگت  
براون ہو جائے تو نکال کر ڈش میں رکھ دیں۔  
اسی ساس پن میں پھن گرم کر کے میٹھی دانہ

اور رائی ڈال کر کڑا نہیں۔ باریک کٹی پیاز شامل  
کریں۔ پیاز کی رنگت ہلکی سنہری ہو جائے تو اس  
میں ہلدی پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر  
باریک ٹماٹر لہسن شامل کر کے بھونیں۔  
شملہ مرچ شامل کر کے فرائی کریں۔ اب  
اس میں چکن شامل کریں۔ ایک سے دو منٹ  
بھوننے کے بعد دہی، ٹماٹر، تیز پات اور چکنی شامل  
کر کے دھیمی آگ پر بیس منٹ تک پکا لیں۔  
گوشت گل جائے اور شور بہ گاڑھا ہو جائے تو  
آگ سے اتار لیں۔ سرونگ ڈش میں نکالیں اور  
گارلش کر کے چپائی یا چادر کے ساتھ سرو کریں۔

## پشاور کی کڑھائی

ضروری اشیاء:

چکن	آدھا کلو
کٹی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
لہسن ثابت	آٹھ عدد
نمک	حسب ذائقہ
ٹماٹر	ڈیڑھ پاؤ
ادریک	ایک اچھا بھلا
ہری مرچ	آٹھ عدد
تیل یا گھی	ایک کپ
ثابت دھنیا	دو کھانے کے چمچ
سوی میٹھی	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:  
آدھی پیالی پانی میں کٹی ہوئی لال مرچ نمک  
اور لہسن کے جوئے باریک کاٹ کر گھول لیں۔  
پیسٹ بنالیں۔ تیل یا گھی گرم کر کے اس میں  
پیسٹ ڈال کر بھون لیں۔ جب خوب بھن جائے  
تو اس میں چکن ڈال دیں۔ اس میں اتنا پانی

ڈالیں کہ چکن کا ایک حصہ گل جائے۔  
ٹماٹر اور ادریک کو باریک کاٹ کر لیں۔ جب چکن گل  
جائے تو اس میں باریک کٹے ہوئے ٹماٹر اور ادریک ڈال کر  
اس وقت تک پکا لیں جب تک اس کا پانی خشک نہ ہو  
جائے۔ پانی خشک ہونے کے بعد ایک فری پین میں ثابت  
دھنیا، لال مرچ پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر  
باریک ٹماٹر لہسن شامل کر کے بھونیں۔  
جب چکن بھن جائے تو اس میں کٹی ہوئی ہری  
مرچیں ڈال کر اوپر سے پسی ہوئی میٹھی اور دھنیا ڈال  
کر پتلی کا ڈھکن ڈھک کر چولہا بند کر دیں۔ پانچ  
منٹ بعد سرو کریں۔  
مزے دار پشاور کی کڑھائی تیار ہے۔

## بینگن کڑھی

ضروری اشیاء:

بینگن	آدھا کپ
دہی	آدھا کلو
تیل	تیل کے لیے
بینگن	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
پانی	حسب ضرورت
لال مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچ
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:  
آدھا کپ  
حسب ذائقہ  
حسب ذائقہ  
ایک چمکی  
آٹھ، دس عدد  
ایک عدد  
دس، بارہ عدد  
ترکیب:  
بینگن  
نمک  
کٹی لال مرچ  
میٹھا سوڈا  
بگھار کے لیے:  
ثابت لال مرچیں  
پیاز  
کڑی پتا  
ترکیب:

ایک پیالے میں دہی ڈال کر بینگن، نمک، لال  
مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر اور دو، تین چمچ پانی ڈال کر  
اچھی طرح پھیٹ لیں۔ دہی میں پھیٹنا ہوا آمیزہ  
اور ایک جگہ پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دیں اور مسلسل  
چمچ چلا لیں تاکہ گھٹیاں نہ بنیں۔ جب ابال آجائے  
تو درمیان آگ پر تھیں گاڑھی ہونے تک پکا لیں۔  
آدھا کپ بینگن کو پھیٹ کر اس میں نمک، کٹی لال  
مرچ اور میٹھا سوڈا ڈال کر پھیٹ لیں۔ اس آمیزے  
میں بینگن کے گول سلائس ڈال کر گرم تیل میں سرخ  
کئے بینگن میں ڈال کر اوپر سے ثابت لال  
مرچیں، کڑھی پتا اور پیاز کا بگھار لگائیں۔ سرونگ  
پلیٹ میں نکال کر ہر ادھیا سے گارلش کریں۔

## چاکلیٹ وینلا آئس کری

اجزاء:

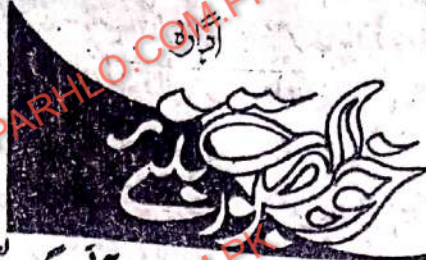
ایک کپ	تیل/نمکھن
تین چوٹھائی کپ	کوکو پاؤڈر
چار کھانے کے چمچ	دودھ
حسب ضرورت	وینلا ایسنس
آدھا چائے کا چمچ	کریم
حسب پسند	بیلنگ پاؤڈر
دو کھانے کے چمچ	انڈے
چار عدد	ترکیب:

پیالے میں دودھ اور بیلنگ پاؤڈر کو چھان  
لیں۔ کوکو پاؤڈر کو الگ پیالے میں چھان لیں۔  
انڈے اور چینی کو اچھی طرح پھیٹ کر تیل/نمکھن  
شامل کر لیں۔ میدے کے آئیزے کو الگ دو حصوں  
میں کر لیں، ایک حصے میں کوکو پاؤڈر اور وینلا ایسنس  
شامل کر لیں۔ دوسرے حصے میں دودھ اور وینلا  
ایسنس ڈال کر سرخ کر لیں۔

دونوں آمیزوں کو ٹریس شدہ بیلنگ پن میں ڈال  
کر پتلی میں بیک کر لیں تیار کر کے میٹھی کی شکل میں  
کاٹ لیں اور درمیان میں کریم ڈال کر دوبارہ بیک کا  
پیس رکھ دیں۔ سرونگ پلیٹ میں رکھ کر سرو کریں۔

☆☆





آئی بیک یعنی آنکھوں کے نیچے کا حصہ بھرا ہوا ہونا جیسے ان میں پانی بھرا ہو یہ بعض اوقات قدرتی بھی ہوتے ہیں یا بڑی عمر و نیند کی کمی کے باعث بھی ہوتے ہیں جس کے سبب خواتین جو آئی بیگز کی پریشانی کا شکار ہوتی ہیں اپنی عمر سے دس برس بڑی لگنے لگتی ہیں اور ان کا چہرہ تھکا تھکا اور پژمرده کا تاثر پیش کرتا ہے۔

چہرے کے تمام حصوں میں آنکھوں کے ارد گرد کا حصہ انتہائی نازک ہوتا ہے۔ آپ کی ذرا سی بھی کوتاہی اور لا پرواہی آنکھوں کے گرد حلقے سو جن و تھکن زدہ آنکھوں کا باعث بن سکتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر آپ بہت بھاری (ہیوی) کی ماسٹ آئی کریم کا استعمال کرتی ہیں تو یہ عمل بھی آپ کی آنکھوں کے نیچے ابھار پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

آپ اپنی غذائی روٹین میں تبدیلی لاتے ہوئے نمک کو اپنی غذا سے کم کر دیں اور بازاری کی نمکین اور تیز یک اشیاء سے بھی احتیاط برتیں۔ یہ احتیاطی تدابیر آنکھوں کے نیچے چھائی ہوئے پانی کو کم کرنے میں معاونت فراہم کریں گی۔ بہت زیادہ بھاری آئی کریم آنکھوں کے ارد گرد لگانے کے بجائے نہایت لیچ اس اس کا موچر انزردن کے وقت اپلائی کریں اور اس موچر انزرد سے مساج نہیں کرنا صرف اپلائی کرنا ہے۔

قدرتی غذائیت بخش اشیاء کے ذریعے بھی آپ اپنی اس پریشانی کو نمٹا سکتی ہیں۔ کھیرے کے سلاسرز کو فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کر لیں۔ اب ان سلاسرز کو بیس منٹ تک اپنی آنکھوں پر رکھ کے آرام سے لیٹ جائیں۔ جب کھیرے کی ٹھنڈک ختم ہو جائے۔ اب دوسرا ٹھنڈا سلاسر اپنی آنکھوں پر رکھ لیں۔ اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے اپنا چہرہ دھو لیں۔ آپ کچے آلو کے سلاسر کو ٹھنڈا کر کے بھی استعمال کر سکتی ہیں یا کچے آلو کا پیسٹ بھی اپنی آنکھوں کے بیوٹوں پر اپلائی کر سکتی ہیں۔ اسے بھی بیس منٹ تک لگا کر ٹھنڈے پانی سے اپنا چہرہ دھو لیں۔

☆☆

انڈے نہ صرف ہمارے جسم کے لیے مفید ہیں بلکہ یہ ہماری جلد اور بالوں کو صحت بخش غذائیت پہنچانے کے حوالے سے بھی انتہائی اہم ہیں۔

بالوں کے لیے

1- انڈے اور زیتون کا ماسک

ایک انڈے کو اچھی طرح پھیٹ لیں پھر اس میں ایک سے دو چمچے کھانے کے چمچے زیتون کا تیل اچھی طرح مکس کر لیں۔ اس آمیزے کو بیس منٹ تک بالوں میں لگائیں۔ پھر کسی اچھے شیمپو سے بال دھو لیں۔

2- انڈے، دودھ اور شہد کا ماسک

ایک انڈے، ایک کھانے کا چمچ شہد اور ایک کھانے کا چمچ دودھ میں اچھی طرح مکس کر لیں اور آدھے گھنٹے کے لیے بالوں میں لگائیں۔ خشک بالوں میں چمک لانے کے لیے بہترین ہے۔

3- انڈے اور دہی کا کنڈیشنر

ایک انڈے میں ایک سے دو کھانے کے چمچے دہی ملا کر آدھے گھنٹے بعد دھو لیں۔

4- انڈے اور مایونیز کا ماسک

دو چمچے مایونیز میں ایک انڈے ملا کر پھیٹ لیں بالوں کو لپیٹ کر شاپرے سے ڈھانپ لیں یہ ماسک خشک بالوں کے لیے بہترین ہے۔

چہرے کے مسامات بند کرنے کے لیے

ایک انڈے پھیٹ لیں۔ دو چمچے پھینٹا ہوا انڈے کے اس میں ایک کھانے کا چمچ لیموں کا اس شامل کر لیں اور چہرے پر لگائیں خشک ہو جائے تو چہرہ دھو لیں۔ رنگ نکھارنے کے لیے

دو چمچے پھینٹے انڈے میں دو چمچے دہی ملا کر چہرے پر لگائیں اور خشک ہو جائے تو چہرہ دھو لیں۔

قدرتی انداز میں آئی بیگز کم کریں





# جوہر جوشاندہ®

== EXTRA STRENGTH ==

دُور رکھے نزلہ، زکام، کھانسی!



## جوہر جوشاندہ®

== EXTRA STRENGTH ==

فلوز، نزلہ، زکام، گلے کی خراش،  
کھانسی اور بخار کے لیے

ترکیب استعمال:

ایک سالہ ایک کپ گرم پانی یا پائے میں ۵ گراہتہ آہستہ آہستہ  
دن میں تین مرتبہ یا صبح کی پانچ بجے استعمال کریں۔  
سورج کی روشنی اور پانی کی سختی سے آزاد رکھیں۔

قرشی انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، پاکستان



## جوہر جوشاندہ®

== EXTRA STRENGTH ==

فلوز، نزلہ، زکام اور کھانسی میں تشدید  
(سکروٹ سے پاک)

ترکیب استعمال:

ایک سالہ ایک کپ گرم پانی یا پائے میں ۵ گراہتہ آہستہ آہستہ  
دن میں تین مرتبہ یا صبح کی پانچ بجے استعمال کریں۔  
سورج کی روشنی اور پانی کی سختی سے آزاد رکھیں۔

قرشی انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، پاکستان



آپ بھی عادت بنالیں!